Volume No 4

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (القرآن)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔

تحفظِ عقائدِ اہلِ سنّت

مع

ایمانی آیات

بجواب

شیطانی خرافات

مُرتّب

مولانا علامہ محمد ظہیر الدین قادری مدظلہ العالی

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بنانے سے نہیں چوکتا۔ وہ کیڑے مکوڑے، سانپ، بچھو تک کو اپنا خدا بنالیتا ہے۔ چاند، سورج اور ستارے بھی اس کے معبود بن جاتے ہیں۔ وہ ان کے سامنے بھی ماتھا ٹیکتا اور پیشانی رگڑتا ہے۔ وہ درختوں کو بھی اپنا معبود سمجھتا ہے، وہ پتھروں کو بھی اپنا مسجود بنا لیتا ہے، وہ آگ کو بھی پوجتا ہے، پانی کو بھی۔ غرض کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جس کو یہ بشر خدائی کا درجہ نہیں دیتا، یہی بشر جب خیر کی طرف مائل ہوتا ہے تو ابوبکر صدیق بنتا ہے، عمر فاروق بنتا ہے، عثمان غنی اور حیدر کرار بنتا ہے، حسن مجتبیٰ اور حسین اعظم بنتا ہے، یہی بشر غوث اعظم بنتا ہے، خواجہ غریب نواز بنتا ہے، امام احمد رضا و حضور مفتی اعظم ہند بنتا ہے۔ لیکن جب مائل بہ شر ہوتا ہے، جب اس پر شیطانیت غالب آتی ہے تو پھر فرعون بنتا ہے، نمرود بنتا ہے اور شداد بنتا ہے، ابوجہل اور ابولہب بنتا ہے، یزید پلید اور زیاد شر نہاد بنتا ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں آخر مصطفیٰ کی بشریت کا کون سا رخ متعین کیا جائے؟ ان کی آدمیت کو ہم کس حیثیت سے جانیں۔ پروردگار عالم نے جو کچھ کہا وہ ہمارے لیے سند ہے، اس لیے تمام سندوں کو بے سند چھوڑیئے اور ہمیں کہنے دیجئے۔

دھوکہ میں نہ آ جائے کہیں فکر و آگہی
آقائے کائنات لباس بشر میں ہے

سرور عالم کی بشریت کا پس منظر کیا ہے؟ سرور عالم کی آدمیت کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ ذرا ایک حیثیت سے اور سمجھئے۔ بشر، آگ، پانی، ہوا اور مٹی سے بنا ہے۔ انہی چار چیزوں کی باہمی ترکیب سے ایک وجود تیار ہوا جسے ہم نے انسان کہا۔ آدمی کے لیے مٹی بھی ضروری، پانی بھی ضروری، آگ بھی ضروری، ہوا بھی ضروری، آدمی ان چار چیزوں کا محتاج ہے، ان چاروں کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہوا اگر ساتھ چھوڑ دے اس کی ہوا نکل جائے گی، پانی اگر ساتھ چھوڑ دے تو اس کا پانی مرجائے گا، مٹی اگر ساتھ چھوڑ دے تو آدمی کے لیے خاک بسر ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں، آگ اگر ساتھ چھوڑ دے تو زندگی کی ساری حرارت سرد پڑ جائے اور آدمی ایک لاشہ بے جان ہو کر رہ جائے------ یہ اس لیے کہ انسان چاروں چیزوں کا محتاج ہے، یہی چار چیزیں اس کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ مگر اے لوگو! جب ان چار چیزوں کی بنیاد پر تمہاری تخلیق ہوئی، جب یہ چار چیزیں تمہاری تخلیق کے لیے مایہ خمیر بنیں تو پھر ان چاروں کی تخلیق بھی تو کسی کی بنیاد پر ہوئی ہوگی، یہ چیزیں بھی تو کسی کے طفیل پیدا ہوئی ہوں گی، ان کی تخلیق کے لیے بھی تو کوئی مال مسالہ چاہیے، ان کا خمیر بھی تو کسی مٹی سے تیار کیا گیا ہوگا، ان کا ہیولی بھی تو کسی میٹریل سے بنایا گیا ہوگا۔ مٹی سے جو پیدا ہوا وہ بشر ہے، آگ سے جو پیدا ہوا وہ بشر ہے، ہوا سے جو پیدا ہوا وہ بشر ہے، پانی سے جو پیدا ہوا وہ بشر ہے مگر مٹی سے پہلے اگر کوئی وجود ہو تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ پانی سے پہلے اگر کوئی وجود ہو تو اس کو کیا کہیں گے آپ؟ آگ اور ہوا سے پہلے اگر کوئی وجود ہو تو اس کو کیا کہا جائے گا؟ آپ آدمیت کے نقطہ آغاز کا ذرا جائزہ لیں، آدمیت کی ابتدا حضرت آدم سے ہوتی ہے۔ ہم آدمی کہلاتے ہیں، اسی لیے کہ حضرت آدم کی اولاد ہیں۔ ہمیں بشر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم سے ہماری نسل چلی ہے۔ اب ذرا حضرت آدم سے پوچھئے: اے ابوالبشر! اے فخر آدمیت! اے امید انسانیت! آپ بتلائیے کہ آپ سے ہمارے نبی کا کیا رشتہ ہے؟ تو وہ کہیں گے۔

ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

اے لوگو! ظاہر میں جو میرا نخل ہے وہی میری اصل ہے، یعنی گلشن کائنات کی اولین فصل بہاری کا نام مصطفیٰ جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں تو اب مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جو آدم کی آدمیت سے پہلے ہو وہ بشر کیسے کہلائے گا۔ مصطفیٰ خود فرما

رہے تھے، جب آدم آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے میں، اس وقت بارگاہ احدیت میں "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" کی تسبیح پڑھ رہا تھا، میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا تھا، جب آدم عالم وجود میں بھی نہیں آئے تھے، یعنی چاند کی چاندنی سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، سورج کی روشنی سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، سطح سمندر پر مچھلیوں کے کھیل کود سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، غنچوں کی چٹک سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، پھولوں کی مہک سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، شاخوں کی لچک سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، ہیرے کی چمک سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، آسمان کے نیلگوں شامیانے سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، زمین کے فرش زمردیں سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، عالم رنگ و بو سے پہلے مصطفیٰ کا وجود، غرض! تمام موجودات سے پہلے سرکار گرامی وقار کی ذات گرامی آسمانی وجود پر جلوہ افگنی کر رہی تھی۔

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

(یہ کائنات آپ ہی کے سبب سے ظہور پذیر ہوئی، یہ دنیا آپ ہی کے لیے معرض وجود میں لائی گئی)
"لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا"۔

اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین کائنات

(یہ دنیا آج بھی اپنی بقا کے لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محتاج ہے، اسی کائنات کی زیب و زینت، زیبائش و آرائش آج بھی صرف اور صرف محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہے)۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

(سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت یا ان کی بشریت کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس کون سے ذرائع ہیں؟ ہم کیسے ان کے بارے میں آگہی حاصل کر سکتے ہیں؟ جبکہ بڑے بڑوں نے اس مقام پر سپر ڈال دیا ہے اور اپنی نارسائی اور بیچارگی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے ہیں)۔

بیدل آں گوہر نایاب سراغ
بہ محیط است کہ پریدن نیست
عکس افتادہ در آئینہ ہوش
گل تواں گفت ولے چیدن نیست

غالب بھی ذات رسالت کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اعلیٰ حضرت امام احمد رضانے زبان کھولی لیکن لہجہ بھی بدلا ہوا ہے' لے بھی بدلی ہوئی ہے۔

سرور کہوں کہ مالک و مولا کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو سمجھنے کے لیے میں آپ سے کہوں گا کہ وقت کی کشاکش میں الجھنے کے بجائے چلو وہیں جہاں سے زندگی کا سراغ ملتا ہے' چلو وہیں جہاں سے چشمہ حیات پھوٹتا ہے' چلو وہیں جہاں سے آب حیات کی نہریں رواں ہوتی ہیں' چلو وہیں جہاں زندگی کی نمود ہوئی ہے' چلو وہیں جہاں سے زندگی کو رعنائی و برنائی ملی ہے' چلو وہیں جہاں زندگی جواں سال ہوئی ہے' چلو وہاں جہاں زندگی کو پرواز عطا ہوا ہے' چلو وہیں جہاں بلال کے عشق کو آسودگی ملی تھی' چلو وہیں جہاں صہیب کی فطرت کو تابندگی ملی تھی' چلو وہیں جہاں مسلمان کی زندگی کو درخشندگی عطا ہوئی تھی' چلو وہیں جہاں ابوبکر صدیق صداقت کے علمبردار بنائے گئے تھے' جہاں عمر فاروق عدالت کے تاجور بنائے گئے تھے' جہاں عثمان غنی کو سخاوت کا جذبہ بے پناہ ودیعت ہوا تھا' جہاں حیدر کرار کو شجاعت کا طرۂ امتیاز عطا ہوا تھا۔ آؤ! ذرا ہم اس ماحول کا بھی جائزہ لیں جہاں نبی کو بشر کہنے کی ضرورت پیش آئی تھی' آؤ! ہم اس پس منظر کو بھی دیکھیں جس میں نبی نے "انا بشر مثلکم" کا اعلان فرمایا تھا۔

نبی پر ایک دور ایسا بھی آیا تھا جب ان کے سامنے دولت ہاتھ باندھے ہوئے آئی تھی' جب ان کے گلے کا ہار بننے کے لیے عورت کو تیار کیا گیا تھا' جب ان کے سامنے حکومت پیش کی گئی تھی' یہاں پر میں ارباب نظر کی توجہ چاہوں گا۔ جب بھی زمانہ نے کسی ذہن کو بدلنا چاہا ہے یا دولت کے ذریعہ یا عورت کے ذریعہ یا حکومت کے ذریعہ' نظریات دولت کے نام پر بکے ہیں' نظریات عورت کے نام پر بکے ہیں' نظریات حکومت کے نام پر بکے ہیں' سچائیوں کا انہی تین بنیادوں پر سودا ہوا ہے' تلواریں جب بھی بے نیام ہوئی ہیں' ان کی چمک دمک کے پیچھے یا تو حسن مسکرا رہا تھا یا دولت یا حکومت۔ آج یہی دولت نبی کے نظریات کو خریدنے آئی تھی' یہی عورت نبی کے نظریات کا سودا کرنے چلی تھی' حکومت کی پیشکش نے نبی کو بدلنا چاہا تھا' لیکن میرے مصطفیٰ نے صاف کہہ دیا: اے نادانو! تم دولت سے مجھے نہیں خرید سکتے' تم عورت سے مجھے نہیں خرید سکتے' تم دولت دے کر مجھے نہیں حاصل کر سکتے۔ یہ دولت' یہ عورت اور یہ حکومت کیا ہے؟ اگر تم ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لے کر آ جاؤ' پھر بھی تم مجھ کو نہیں پا سکتے۔ میری ساری تگ و دو دولت' عورت اور حکومت حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے' میں دنیا میں دولت حاصل کرنے نہیں آیا' میں عورت کو زینت آغوش کرنے کے لیے نہیں آیا' میں حکومت حاصل کر کے عیش کرنے کے لیے نہیں آیا' میں اس لیے آیا ہوں تاکہ انسان کو اس کے صحیح مقام و منصب سے آگاہ کر دوں' آدمی کو اس کی قدر و قیمت بتاؤں اور آدمیت کے مجد و شرف سے اسے خبردار کروں۔ میں اس لیے آیا ہوں تاکہ معاشرے کی نئے سرے سے تعمیر و تشکیل کروں' میں فکر و نظر میں بھی انقلاب برپا کرنا چاہتا ہوں اور وجدان و شعور میں بھی تقدس خیال اور تطہیر فکر کے ساتھ ساتھ ذہنیتوں کو بھی صحت مند بنانا چاہتا ہوں۔ میں نظریات و خیالات کی بھی اوور ہالنگ کروں گا اور جذبات و احساسات پر بھی اپنی گرفت رکھوں گا۔

حضرات! ایک اور بات آپ اپنے ذہن میں رکھیں جب تک کوئی شخصیت خاموش رہتی ہے اس پر کوئی تبصرہ نہیں ہوتا' اس کے نشانات قدم گنے نہیں جاتے' اس کی حیثیت متعین نہیں کی جاتی لیکن جیسے ہی وہ زبان کھولتی ہے' اس پر تبصرہ شروع ہو جاتا ہے۔ نبی جب تک خاموش تھے' زمانہ ان کی اچھائیوں کو گن رہا تھا' ان کی سچائیوں پر سر دھن رہا تھا۔ جیسے ہی نبی نے اپنے مشن کا اعلان کیا' کل تک جو نبی کو صادق اور امین کہہ رہا تھا' کل تک جو ان کو سچا کہہ رہا تھا' اچھا کہہ رہا تھا اب وہی مجنون کہنے لگا' اب وہی دیوانہ کہنے لگا' اب وہی ساحر اور جادوگر کہنے لگا۔ نبی نے اپنی نبوت کا اعلان کیا' مکہ کی دھرتی پر زلزلہ آگیا' کفر کے کنگن ٹوٹ گئے' شرک کے ماتھے سے بندیا گر گئی' گمراہی کی دیوی بیوہ ہو گئی' اس کا سہاگ لٹ گیا' جاہلیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے سے مطلع رسالت کی ایسی کرن پھوٹی کہ تمام گرد و پیش مطلع انوار ہو گیا اور اب عالم یہ ہو گیا کہ۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ابوجہل بھلا اس قلب ماہیت کو کیسے برداشت کر سکتا تھا؟ اس کی شرپسند طبیعت اس تبدیلی کو کیسے گوارہ کر سکتی تھی؟ فوراً سامنے آیا "اے محمد! سنا ہے کہ تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟" میرے مصطفیٰ نے فرمایا "ہاں' ہاں! میں نبی ہوں' بے شک میں نبی ہوں"۔ کہا "اچھا اگر آپ نبی ہیں تو بتا دیجئے کہ میری بند مٹھی میں کیا ہے؟"

معلوم ہوا جب تک دعویٰ نہیں ہوتا دلیل طلب نہیں کی جاتی' جہاں دعویٰ کیا دلیل طلب کی گئی' جیسا دعویٰ ویسی ہی دلیل۔ مصطفیٰ نے نبوت کا دعویٰ کیا' ابوجہل بند مٹھی لے کر آگیا' پوچھتا ہوں نبوت کو بند مٹھی سے کیا تعلق؟ نبی نے کب دعویٰ کیا تھا کہ وہ لال بجھکڑ ہیں۔ انہوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا تھا' ان سے ویسی ہی دلیل طلب کی جانی چاہیے تھی۔ ایک عربی کے طالب علم سے سنسکرت کا کوئی سوال کیا جائے تو یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہوگی؟ سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکالنے والے کو اگر آپ کشتی لڑنے کی دعوت دیں' گھڑی سازی میں مہارت رکھنے والے سے اگر آپ شیروانی سلانے کا مطالبہ کریں تو دنیا آپ کی عقل و دانش کا مذاق اڑائے گی' نبی نے نبوت کا دعویٰ کیا' ابوجہل بند مٹھی لے کر آگیا۔ اگر آپ ابوجہل سے پوچھیں گے "اب! میرے نبی کا تیری بند مٹھی سے کیا تعلق؟" تو وہ کہے گا "نبی عربی کا لفظ ہے' میں عربی الاصل ہوں' اہل زبان ہوں' میں جانتا ہوں کہ نبی کے لغوی معنی کیا ہیں' نبی اسی کو کہتے ہیں جو غیب جانے' جو غیب بتائے جس کو ڈھکی چھپی باتوں کا علم ہو"۔

جیسے ہی ابوجہل نے سوال کیا "بتاؤ! میری مٹھی میں کیا ہے؟" میرے آقا نے فرمایا: "اے ابوجہل! میں بتاؤں کہ تیری مٹھی میں کیا ہے یا اسی سے کہلوا دوں کہ میں کون ہوں؟"

اب ذرا ہم گنبد خضریٰ کی چھاؤں میں پہنچ کر اپنے آقا سے عرض کریں "اے سرکار! آپ نے اس ظالم کو یہ کیوں نہ بتا دیا کہ اس کی مٹھی میں کنکریاں ہیں' کنکری ہی سے کیوں اپنی نبوت کی شہادت دلوا رہے ہیں؟" جواب میں سرکار ارشاد فرمائیں گے: "ابوجہل بڑا عیار تھا' اگر میں اسے بتا دیتا کہ اس کی مٹھی میں کنکریاں ہیں تو وہ کہہ سکتا تھا' لگتا ہے جس جگہ میں کنکریاں چن رہا تھا آپ کہیں سے دیکھ رہے تھے' اس لیے میں نے اس کا دروازہ ہی بند کر دیا"۔ کنکری ابوجہل کی بند مٹھی میں تھی' اس نے ایمان جوش میں ابوجہل کو للکارا: "ہم تیری مٹھی میں بند ہیں تو سمجھتا ہے کہ حق کی آواز ہمارے منہ سے نہیں نکلے گی' سن اے ابوجہل! وجود کو گرفتار کیا جا سکتا ہے' خیالات کو نہیں' ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جا سکتی ہیں' ذہن و فکر کو پابہ زنجیر نہیں کیا جا سکتا۔ ہم تیری قید میں ضرور ہیں مگر بولی مصطفیٰ کی بولیں گی' کلمہ مصطفیٰ کا پڑھیں گی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔ جیسے ہی کنکریوں نے کلمہ پڑھا' جیسے ہی کنکریوں نے رسالت کی گواہی دی' ابوجہل نے جھنجلا کر نبی کے قدموں پر کنکریاں پٹک دیں اور

نبی کو ساحر، جادوگر کہتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

ذرا ٹھہریئے! یہاں پر میں آپ کو ایک ذہن دینا چاہتا ہوں، کنکری دشمن کی قید میں تھی لیکن حق و صداقت کی بولی بول کر نہ صرف دشمن کی قید سے آزاد ہو گئی بلکہ محبوب کے قدموں میں آ گئی، مسلمان بھی اگر حق و صداقت کو اپنا شعار بنا لیں تو آج بھی قید محن سے رہائی پا سکتے ہیں۔

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ نبی انسانیت کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں، نبی معاشرے کو سدھارنا چاہتے ہیں اور کفران کے خلاف محاذ بنا رہا ہے۔ محمد جادوگر ہیں، اس کی آنکھوں میں مقناطیسیت ہے، زبان میں شیرینی ہے، رس گھو۔ لتے ہوئے الفاظ میں کھنکتا ہوا لب و لہجہ ہے، دلوں کی وادیوں میں اتر جانے والی روانی ہے، وہ جادو جانتے ہیں، جو ان سے ملتا ہے انہی کا ہو جاتا ہے، جس کو وہ ایک نظر دیکھ لیتے ہیں وہ انہی کی زبان بولنے لگتا ہے۔ دیکھو نا اب اس سے بڑا جادو اور کیا ہو گا کہ انہوں نے کنکریوں سے بھی کلمہ پڑھوا لیا۔ نبی اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں، کفر مخالفت کرتا چل رہا ہے، نبی ایک صحت مند معاشرے کی تعمیر میں لگے ہیں اور کفران کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہا ہے، نبی جادوگر ہیں، نبی ساحر ہیں۔

میں آپ کو بتاؤں، پروپیگنڈہ وقت کی سب سے بڑی طاقت ہے، پروپیگنڈے سے خیالات بدلتے ہیں، اس سے فکر بدلتی ہے، زاویہ نگاہ بدلتا ہے، اچھائی برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور برائی ایک پسندیدہ شے بن جاتی ہے۔ نبی کے خلاف پروپیگنڈہ ہوا جادوگر ہیں، کنکریوں سے کلمہ پڑھوا لیا۔ اس پروپیگنڈے سے کچھ لوگوں کو نبی کی صداقت کا یقین ہو گیا، وہ ایمان لے آئے، انہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ کچھ لوگوں کو نبی کو جانچنے اور پرکھنے کا خیال پیدا ہوا، وہ نبی کو آزمانے کے لیے آ گئے۔ رکانہ پہلوان بھی انہی لوگوں میں تھا جو نبوت کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ رکانہ اکڑتا ہوا نبی کے سامنے آیا۔ اس نے کہا "میں نے سنا ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر آپ سچے ہیں تو مجھ سے کشتی لڑ کر دکھایئے۔ میں ایک ہزار نوجوانوں کی طاقت کا تنہا مالک ہوں، اونٹ کی کچی کھال پر اگر پاؤں جما کر کھڑا ہو جاؤں اور سو جوان بھی اسے کھینچنا چاہیں تو نہیں کھینچ سکیں گے، کھال کے ریشے ریشے الگ ہو جائیں گے مگر میں ذرا اس سے مس نہیں ہوں گا۔ میں آپ کو کشتی کے لیے چیلنج دیتا ہوں، اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ کو نبی تسلیم کر لوں گا"۔ میرے نبی نے اس کا چیلنج بھی منظور کر لیا۔ مجھے پھر پوچھنے دیجیے، اے رکانہ! نبی نے کب دعویٰ کیا تھا کہ وہ کشتی کے فن میں ماہر ہیں؟ انہوں نے کب پہلوانی کی تھی؟ کب داؤ پیچ کھیلے تھے؟ کب ڈنڈ بیٹھک کی تھی؟ نبوت اور طاقت سے کیا تعلق؟ نبوت اور پہلوانی کا کیا جوڑ؟ رکانہ کا جواب سنئے! اے لوگو! عربی میں نے کسی دارالعلوم میں رہ کر نہیں سیکھی۔ میں عرب کا باسی ہوں، عربی میری مادری زبان ہے، یہ زبان میں نے آغوش مادر سے سیکھی ہے، میں جانتا ہوں نبی کسے کہتے ہیں؟ نبی سب سے سپیریر ہوتا ہے، سپر پاور کو نبی کہتے ہیں، نبی صاحب اختیار ہوتا ہے، نبی صاحب اقتدار ہوتا ہے، نبی طاقت کا مالک ہوا کرتا ہے، وہ مجبور محض نہیں ہوتا۔ نبی نے رکانہ کا چیلنج منظور کر لیا۔ کشتی ہوئی۔ نبی اوپر، رکانہ نیچے۔ اس نے کہا: دھوکا ہوا، ایک چانس اور دیجیے۔ پھر کشتی ہوئی، نتیجہ بر آمد ہوا، رکانہ نیچے نبی اوپر، اس نے کہا پھر دھوکہ ہوا، اس مرتبہ فائنل چانس دیجیے۔ مصطفیٰ جو کائنات میں نبی بن کر تشریف لائے تھے، مصطفیٰ جو غالب ہونے کے لیے ہی آئے تھے، مصطفیٰ جو کائنات کا خزانہ لے کر آئے تھے، کیسے مغلوب ہوتے؟ تیسری مرتبہ بھی رکانہ کو پچھاڑ دیا۔ رکانہ کا زیر ہونا تھا کہ دنیائے عرب میں ہلچل مچ گئی۔ لو غضب ہو گیا، اب اس سے بڑی ساحری اور کیا ہو گی کہ رکانہ جیسا پہلوان بھی زیر ہو گیا، رکانہ پر بھی ان کا داؤ چل گیا۔ پروپیگنڈے کی مہم تیز کر

دی گئی۔ نبی جادوگر ہیں' نبی ساحری کرتے ہیں' نبی جادو جگاتے ہیں۔

نبی کے پاس ایک اور قافلہ آگیا' اس نے کہا اگر آپ نبی ہیں تو سامنے کے درخت کو اپنی بارگاہ میں بلا لیجئے' اگر وہ آپ کے پاس آگیا اور کلمہ پڑھ لیا تو ہم سب کے سب آپ کا کلمہ پڑھ لیں گے' ہم سبھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ کے حبیب نے فرمایا: اے لوگو! مجھے کہاں زحمت دو گے' تم خود ہی اس درخت کے پاس چلے جاؤ' کہنا چلو تمہارے نبی تمہیں بلا رہے ہیں۔ نبی کی شوکت اقتدار کا کرشمہ ملاحظہ فرمایئے' کفر نے کہا: چل تجھے تیرے نبی بلا رہے ہیں۔ درخت پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی' فرط مسرت سے جھوم گیا' پھر ایک انگڑائی لے کر پورب کی طرف جھکا تو پچھم کی تنیں سبھی اکھڑ گئیں' شمال کی طرف جھکا تو جنوب کی تنیں اکھڑ گئیں' اب نبی کی بارگاہ میں جھومتا ہوا آ رہا ہے۔ اس موقع پر مجھے کہنے دیجئے کہ شجر نے تو پہچان لیا میرے نبی کو مگر بشر ابھی تک پہچاننے کی منزل میں ہے۔ سرور کونین کی بارگاہ میں شجر حاضر آیا اور اس نے بزبان فصیح کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ علما فرمائے ہیں کہ نبی نے درخت کو خزاں میں بلایا تھا' اگر بہار کے موسم میں بلایا ہوتا تو پھل لے کر حاضر ہوتا' پھول لے کر حاضر ہوتا۔ درخت کے کلمہ پڑھتے ہی حق واضح ہو چکا تھا' بہت سارے لوگ ایمان لے آئے لیکن ابو جہل نے کہنا شروع کیا' بتاؤ! یہ جادو نہیں تو کیا ہے کہ درخت بھی ان کے زیر فرمان ہیں' اب تو نباتات پر بھی حکمرانی کرنے لگے ہیں' اب تو نباتات بھی ان کے تابع فرمان ہوتے جا رہے ہیں' کفر نے اپنی مہم اور تیز کر دی۔ ابو جہل نے دار الندوہ میں ایک ہنگامی میٹنگ طلب کر لی۔ جب سب لوگ حاضر ہو گئے تو ابو جہل کھڑا ہوا' اس نے پورے ہاؤس کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ہر کوشش ناکام ہو چکی' اسلام کی جڑیں دن بدن اور گہری ہوتی جا رہی ہیں' لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں' محمد ایسا جادوگر ہے کہ جس پر ایک نگاہ ڈال دیتا ہے وہ اسی کا ہو جاتا ہے' جو محمد کی آواز سن لیتا ہے وہ بھی اسی کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے' زمین کے چپہ چپہ پر اس کی حکومت ہوتی جا رہی ہے' ایسا لگتا ہے جیسے یہاں کی ہر چیز اسی کے دائرۂ اختیار میں ہو۔ اس کی قوت کی کار فرمائی ہر جگہ نظر آتی ہے' اس کے اقتدار کے کرشمے ہر جگہ دیکھے جا رہے ہیں' اس کے جادو نے ہر چیز کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے' زمین کو بھی' مکین کو بھی' زمان کو بھی' مکان کو بھی۔ اب اس کی جادوگری کا راز افشا کرنے کی ضرورت ہے' اب دنیا کو باور کرانے کی ضرورت ہے کہ محمد نبی نہیں ہیں' وہ جادوگر ہیں اور جادو ہی کے زور سے ہر چیز پر اثر انداز ہو رہے ہیں' جادو ہی کے زیر اثر پوری دنیا کو مسخر کرتے جا رہے ہیں۔ اے لوگو! نبی کو شکست دینے کی بس ایک ہی صورت ہے' ان سے مطالبہ کرو کہ اگر وہ نبی ہیں تو انگلیوں کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں۔ دوستو! یقین کرو جادو کی طاقت ساری دنیا پر قبضہ جما سکتی ہے' اس کا عمل دخل فضاؤں میں بھی ہو سکتا ہے لیکن کرہ نار سے اوپر وہ نہیں جا سکتا' اس کی پرواز بس کرہ نار ہی تک ہے۔ سن لو! اگر تم نے محمد سے یہ مطالبہ کر دیا تو ان کی نبوت کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

ابو جہل کی اس تجویز سے سبھوں نے اتفاق کیا۔ دوسرے دن مکہ کی پوری آبادی جبل بو قیس کے گرد سمٹ آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلایا گیا اور ان سے کہا گیا اگر آپ نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیجئے' ہم آپ کو نبی مان لیں گے۔ اللہ کے حبیب نے ایک نظر چاند کو دیکھا' چاند نے اپنا کلیجہ چاک کر دیا' آدھا چاند ادھر آدھا ادھر' شق القمر کا معجزہ دیکھتے ہی عرب کے اکثر دانشور ایمان لے آئے۔ ابو جہل چیختا رہا' لوگو! دھوکا مت کھاؤ' یہ نبوت نہیں ہے' یہ جادو کا کمال ہے' چاند دو ٹکڑے نہیں ہوا لیکن ہمیں ایسا لگ رہا ہے جیسے چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے' یہی جادوئی کرشمہ ہے' یہی جادو کا کمال ہے۔ لیکن منصف مزاج شخصیتوں نے فیصلہ کیا' یہ جادو نہیں ہے' یہ طلسماتی کرشمہ نہیں ہے' یہ نبوت ہے۔ ابو جہل بکواس کر رہا ہے' وہ جو کچھ کہہ رہا ہے کسی عناد کی بنیاد پر کہہ رہا ہے۔ جب کفر نے دیکھا کہ اس کے سارے کیے دھرے پر پانی پھر رہا ہے' نبی کی نبوت

تسلیم کی جا رہی ہے' حق واضح ہو چکا ہے اور اسلام میں لوگ قطار اندر قطار داخل ہو رہے ہیں تو اس نے ایک دوسرا پینترا بدلا' تب اس نے ایک اور ہی چال چلی' اس نے اعلان کرنا شروع کر دیا لوگو! بھلا ایک بشر میں یہ دم خم کہاں کہ انگلیوں کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دے' کنکریوں سے بھی کلمہ پڑھوا لے' درختوں سے بھی اطاعت کرا لے' لوگو! محمد بشر ہرگز نہیں ہیں' محمد کے روپ میں ہمارا خدا ہی ہمارے سامنے آگیا ہے بلکہ یوں کہو کہ محمد دراصل خدا ہیں جو کالبد انسانی میں ہمارے سامنے آگئے ہیں' جس نے بشری پیکر میں جلوہ نمائی کی' جنہوں نے آدمی کا لباس اختیار کر کے ہماری زمین پر تشریف ارزانی کی ہے' اس لیے اے لوگو! محمد کو نبی ماننے کے بجائے کیوں نہ ہم اسے خدا ہی تسلیم کر لیں۔

جب نبی کو خدا بنانے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی گئیں تو غیرت حق کو حرکت ہوئی۔ جبرئیل کو حکم دیا: جبرئیل! جاؤ' میرے حبیب کو میرا یہ پیغام جا کر سنا دو اور نبیوں کے دو چار معجزے دیکھ کر ان کی امتیں ان کو خدا کا بیٹا کہہ چکی ہیں' اے میرے حبیب! آپ کو بھی زمانہ خدا کہنے جا رہا ہے' اس لیے آپ اعلان فرما دیجئے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ آپ کہہ دیجئے' میں خدا نہیں ہوں' میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔ جسے تم پوجنا چاہتے ہو' تم جس کی عبادت کرنا چاہتے ہو وہ تمہارا خدا ایک ہے۔

نبی کی حقیقت نور ہے لیکن نبی نے وحدانیت کے تصور اور عقیدے کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا۔ زمانہ مصطفیٰ کو خدا کہنے جا رہا تھا' نبی نے زمانہ کے اس تصور خیال کو غلط ثابت کرنے کے لیے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا۔

یہی ہے فلسفہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
خدا کے بعد سبھی کچھ کہو خدا نہ کہو

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے میں آپ کو ایک ذہن دے رہا ہوں۔

محمد مصطفیٰ کو آفتاب پرضیاء کہئے
نبی کے حسن و صورت کو جمال حق نما کہئے
حقیقت ہے اگر آئینہ ذات خدا کہئے
خدا کہنا نہیں جائز مگر نور خدا کہئے

از : اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ

قیام و سلام

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی شخصیت اس قدر دل آویز ہے کہ جس پہلو سے انہیں دیکھا جائے اسی اعتبار سے ہدیہ دل پیش کرنے کو جی چاہتا ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو کم و بیش پچاس علوم میں وہ بے مثال بصیرت عطا فرمائی تھی کہ آپ کے معاصرین کو ان علوم میں سے بعض میں بھی اس بصیرت کا عشر عشیر حاصل نہ تھا۔ آپ کی ایک ہزار کے لگ بھاگ بلند پایہ تصنیفات خصوصاً فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدوں کو دیکھ کر آپ کی جلالت علمی' دقت نظری' نکتہ آفرینی' قوت استدلال' قرآن و حدیث اور کتب سلف پر گہری نظر کا اعتراف کرنے پر ہر موافق و مخالف مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ کے فضل و کمال علمی کا سکہ عرب و عجم کے علماء نے تسلیم کیا۔ آپ نے تمام عمر دین متین کی خدمت میں صرف کر دی۔ تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی کی ابتداء میں آپ کے علم و فضل کا آفتاب نصف النہار کو پہنچ کر پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا تھا۔ پھر اس کی روشنی بڑھتی رہی۔ آپ کی پوری زندگی اتباع و حب مصطفیٰ سے عبارت تھی۔ انہی وجوہ کی بناء پر علمائے حق نے آپ کو موجودہ صدی کا مجدد برحق تسلیم کیا۔ صرف تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں فتویٰ نویسی' درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا اور آخر عمر تک اسے سرانجام دیا۔ حق گوئی و بے باکی آپ کا شیوہ تھا۔ دوسری دفعہ حج بیت اللہ کو گئے تو وہاں حکومت کی جانب سے متعین خطیب نے خطبہ میں پڑھا:

وَارْضِ عَنْ اَعْمَامِ نَبِیِّکَ الْاَطَائِبِ حَمْزَۃَ وَالْعَبَّاسِ وَاَبِیْ طَالِبِ۔ اے اللہ! تو اپنے نبی کے پاکیزہ چچوں حمزہ' عباس اور ابی طالب سے راضی ہو۔

یعنی ابو طالب کا بھی ذکر تھا۔ یہ ایک نئی بدعت واضح طور پر جانب حکومت سے تھی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے سنتے ہی بلند آواز سے کہا اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مُنْکَرٌ اے اللہ! یہ ناپسند بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی برا کام دیکھو تو ہاتھ سے منع کرو' ہو سکے تو زبان سے روکو' یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا جانو۔ اعلیٰ حضرت نے دوسرے حکم پر بخوبی عمل کیا' جبکہ وہاں کے علماء میں سے کسی نے بھی اس کا نوٹس نہ لیا۔ (ملفوظ شریف' حصہ دوم) حب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو گویا آپ کے رگ و پے میں رچی ہوئی تھی۔ وعظ و نصیحت کی آخری مجلس کی گفتگو کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں:

"جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ' پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو' فوراً اس سے جدا ہو جاؤ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو' پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ و معظم کیوں نہ ہو' اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو"۔ (وصایا شریف)

اسی حب صادق کا اثر تھا کہ آپ نے ساری زندگی میں کبھی گستاخ بارگاہ رسالت کی رعایت نہ کی' بلکہ اپنے قلم تلوار کو ان کے خلاف پوری قوت سے استعمال کیا' تاکہ وہ لوگ مجھے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا کر اپنا دل خوش کرلیں۔ اتنی دیر تو میرے آقا و مولیٰ کی شان میں گستاخی نہ کریں گے۔ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ ذاتی معاملات میں رواداری یقیناً اچھی چیز ہے' لیکن محبوب کے بارے میں توہین و بے ادبی کو دیکھ سن کر خاموش رہنا قانون محبت کی رو سے ایسا جرم ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔ وہ محبوب بھی کیسا جو نازش کائنات ہو۔ انبیاء کا امام ہو اور جس کے نام عرش سے محبت کے سلام و پیام آتے ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اعلیٰ حضرت کے نزدیک محبوب خدا سرور ہر دو سرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا دم بھرتے ہوئے کسی جاہ و حشم کے مالک تاجدار کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی جائز نہ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ شریف یو۔پی کے نواب کی مدح میں شعراء نے قصیدے لکھے' کچھ لوگوں نے آپ سے بھی قصیدہ مدحیہ لکھنے کی گزارش کی۔ آپ نے نواب صاحب کی شان میں قصیدہ لکھنے کی بجائے اس کی ذات ستودہ صفات کی تعریف میں نعت شریف لکھی کہ خود خدا نے بھی جن کی تعریف فرمائی ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین "پارہ ناں" نہیں

اعلیٰ حضرت کی ولادت باسعادت دس شوال ۱۲۷۲ھ بروز شنبہ بریلی شریف محلہ جسولی میں ہوئی۔ آپ عمر بھر حب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شراب طہور پلا کر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ جمعہ مبارکہ کے دن موذن نے "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کہا ادھر آپ کے چہرہ انور پر نور کا ایک شعلہ لپکا اور آپ فوز و فلاح کے عطا کرنے والے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

محمد عبد الحکیم شرف لاہوری
۲۰ محرم ۱۳۹۰ھ

مسئلہ از ریاست مصطفیٰ آباد عرف رامپور بضمن سوالات کثیرہ ۱۲۹۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد میں قیام وقت ذکر ولادت حضرت خیر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام کیسا ہے؟ بعض لوگ اس قیام سے انکار بحث "خالص" رکھتے ہیں اور اسے بدیں وجہ کہ قرون ثلثہ میں نہ تھا' بدعت سیئہ و حرام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں صحابہ و تابعین کی سند چاہیے' ورنہ ہم نہیں مانتے ان کے اقوال کا حال کیا ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِاِذْنِہٖ تَقُوْمُ السَّمَاءُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ قَامَتْ بِہٖ اَرْکَانُ الشَّرِیْعَۃِ الْغَرَاءِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ الَّذِیْ قَامَتْ فِیْ مَوْلِدِہٖ مَلٰٓئِکَۃُ الْعُلْیَاءِ وَعَلٰی اٰلِہٖ

وَصَحْبِہِ الْقَائِبِیْنَ بِاٰدَابِ تَعْظِیْمِہٖ فِی الصُّبْحِ وَالْمَسَاءِ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ قَیِّمُ الْاَنْبِیَآءِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ مَا قَامَتْ بِتَسْبِیْحِ الْقِیَامِ اَشْجَارُ الْغَبْرَا وَسَجَدَتْ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ بِحُزُوْمِ الْخَضْرَآءِ اٰمِیْنَ قَالَ الْقَائِمُ بِبَعْضِ الضَّرَاعَۃِ اِلٰی صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَالشَّفَاعَۃِ عَبْدُ الْمُصْطَفٰی اَحْمَدُ رَضَا الْمُحَمَّدِیُّ السُّنِّیُّ الْحَنَفِیُّ الْقَادِرِیُّ الْبَرَکَاتِیُّ الْبَرِیْلَوِیُّ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَاَقَامَ مَقَامَ السَّلَفِ الْکِرَامِ الْبَرَرَۃِ الْکَمَلَۃِ اٰمِیْنَ ۝

(اللھم ھذا ایہ الحق والصواب)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام، تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے۔ ۱۲ اشرف لاہوری۔

الجواب

یہاں دو مقام واجب الاعلام ہیں۔ اولاً: اس قیام کا اپنے طور پر کتب و فتاویٰ علماء قدست اسرارہم سے حکم بیان کرنا، جس سے بعونہ تعالیٰ موافقین کے لیے ایضاح حق و ازاحت باطل ہو اور منصب فتویٰ اپنے حق کو واصل ہو۔ ثانیاً: اس مغالطہ کا جواب دینا جو بالفاظ متقاربہ تمام اکابر و اصاغر مانعین میں رائج کہ یہ فعل قرون ثلثہ میں نہ تھا تو بدعت ضلالت ہو۔ اس میں کچھ خوبی ہوتی تو وہی کرتے۔ اس فعل اور اس کے امثال امور نزاعیہ میں حضرات منکرین کی غایت سعی اس قدر ہے جس کی بناء پر اہل سنت و سواد اعظم ملت و ہزاران ائمہ شریعت و طریقت کو معاذ اللہ بدعتی گمراہ ٹھہراتے ہیں اور مطلقاً خوف خدا و ترس روز جزا دل میں نہیں لاتے۔ مقام افتا اگرچہ استیعاب مناظرہ کی جانب نہیں مگر ایسی جگہ ترک کلی بھی چنداں زیبا نہیں۔ لہٰذا فقیر مقام دوم میں چند اجمالی کلمے حاضر کرے گا، جن کے مبانی دیکھئے تو حرفے چند اور معانی سمجھے تو بس جامع و بلند واللہ توفیق۔ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ وَّعَلَیْہِ التَّوَکُّلُ وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اللہ عزوجل نے شریعت غرا بیضا زہرا عامہ تامہ کاملہ، شاملہ اتاری اور بحمدہ تعالیٰ ہمارے لیے ہمارا دین کامل فرمادیا اور اس کے کرم نے اپنے حبیب اکرم حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اپنی نعمت ہم پر تمام فرمادی۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ — آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند فرمایا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مَنْ بِاَنْعَمِ عَلَیْنَا فِی الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ وَبِہٖ یَنْعَمُ اِنْ شَآءَ تَعَالٰی فِی الْاٰخِرَۃِ اِلٰی اَبَدِ الْاٰبِدِیْنَ ۝

الحمد للہ ہماری شریعت مطہرہ کا کوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ ہمیں قرآن عظیم بس ہے۔ مگر قرآن عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکال لینا عام کو نامقدور ہے، اس لیے قرآن کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے۔ اول:

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ — جو کچھ تمہیں رسول دیں، وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اقول! تو صیغہ امر کا ہے اور امر وجوب کے لیے ہے۔ تو پہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی اور باز رہو نہی ہے اور نہی منع فرمانا ہے۔ یہ دوسری قسم ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ○ — اے محبوب! ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری' جس میں ہر شے' ہر چیز' ہر موجود کا روشن بیان ہے۔

مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی' لہٰذا فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ — اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن حمید نے ہر چیز روشن فرما دی' اس میں سے جس قدر امت کے بتانے کو ہے' وہ تم ان پر روشن فرما دو۔

لہٰذا آیت کریمہ اولیٰ میں "نَزَّلْنَا عَلَيْكَ" فرمایا جو خالص حضور کی نسبت ہے اور آیت کریمہ ثانیہ میں "نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" فرمایا جو نسبت بہ امت ہے۔

دوم:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ — علم والوں سے پوچھو جو تمہیں نہ معلوم ہو۔

حوادث غیر متناہی ہیں' احادیث میں ہر جزئیہ کے لیے نام بنام تصریح احکام اگر فرمائی بھی جاتی تو ان کا حفظ و ضبط نامقدور ہوتا پھر جو مدارج عالیہ مجتہدین کے لیے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے وہ نہ ملتے۔ نیز! اختلاف آئمہ کی وسعت بھی نصیب نہ ہوتی' لہٰذا حدیث نے بھی جزئیات معدودہ سے کلیات حاویہ مسائل نامحدودہ کی طرف اشعار فرمایا' اس کی تفصیل و تفریع و تاصیل مجتہدین کرام نے فرمائی اور احاطہ تصریح نامتناہی کے تعذر نے یہاں بھی حاجت ایضاح مشکل و تفصیل مجمل و تقلید مرسل باقی رکھی جو قرناً فقرناً طبقتاً فطبقتاً مشائخ کرام و علمائے اعلام کرتے چلے آئے۔ ہر زمانہ کے حوادث تازہ کے احکام اس زمانہ کے علمائے کرام' حاملان فقہ' حاملان اسلام نے بیان فرمائے اور یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف راجع ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذَالِكَ۔

درمختار میں ہے:

وَلَا يَخْلُوا الْوُجُوْدُ عَمَّنْ يُّمَيِّزُ هٰذَا حَقِيْقَةً لَا ظَنًّا وَعَلٰى مَنْ لَّمْ يُمَيِّزْ اَنْ يَّرْجِعَ لِمَنْ يُّمَيِّزُ بَرَاءَةً لِذِمَّتِهٖ۔

زمانہ ان لوگوں سے خالی نہ ہوگا جو یقینی طور پر نہ محض گمان سے اس کی تمیز رکھیں اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر واجب ہے کہ تمیز والے کی طرف رجوع کرے کہ بری الذمہ ہو۔

جَزَمَ بِذَالِكَ اَخْذًا مِمَّا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ الْحَقِّ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ قَوْلُهٗ وَعَلٰى مَنْ لَّمْ يُمَيِّزْ عبر بعلى الْمُفِيْدَةِ لِلْوُجُوْبِ لِلْاَمْرِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

شارح علامہ نے اس پر جزم فرمایا: اس حدیث سے لے کر جو صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ غلبہ کے ساتھ حق پر رہے گا۔ یہاں تک کہ حکم الٰہی آئے اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر علماء کی طرف رجوع لانے کو اس لیے واجب کہا کہ قرآن عظیم میں اس کا حکم فرمایا کہ علماء سے پوچھو اگر تمہیں نہ معلوم ہو۔

ہر اجمال کی تفصیل مستحسن فعل ہے

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

مَا فَصَّلَ عَالِمٌ مَا اَجْمَلَ فِیْ کَلَامِ مَنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْاَدْوَارِ اِلَّا لِلنُّوْرِ الْمُتَّصِلِ مِنَ الشَّارِعِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَالْمِنَّةُ فِیْ ذَالِكَ حَقِیْقَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ هُوَ صَاحِبُ الشَّرْعِ لِاَنَّهٗ هُوَ الَّذِیْ اَعْلَی الْعُلَمَاءِ تِلْكَ الْمَادَّةِ الَّتِیْ فَصَّلُوْا بِهَا مَا اَجْمَلَ فِیْ کَلَامٍ کَمَا اَنَّ الْمِنَّةَ بَعْدَهٗ لِکُلِّ دَوْرٍ عَلٰی مَنْ تَحْتَهٗ فَلَوْ قُدِّرَ اَنَّ اَهْلَ دَوْرٍ تَعَدُّوْا مِنْ فَوْقِهِمْ اِلَی الدَّوْرِ الَّذِیْ قَبْلَهٗ لَا نْقَطَعَتْ وَصْلَتُهُمْ بِالشَّارِعِ وَلَمْ یَهْتَدُوْا اِلٰی یُضَاحِ مُشْکِلٍ وَلَا تَفْصِیْلِ مُجْمَلٍ وَتَاَمَّلْ یَا اَخِیْ لَوْ لَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَّلَ بِشَرِیْعَةٍ مَا اَجْمَلَ فِی الْقُرْاٰنِ لَبَقِیَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی اِجْمَالِهٖ کَمَا اَنَّ الْاَئِمَّةَ الْمُجْتَهِدِیْنَ لَوْلَمْ یُفَصِّلُوْا مَا اَجْمَلَ فِی السُّنَّةِ لَبَقِیَتِ السُّنَّةُ عَلٰی اِجْمَالِهَا وَهٰکَذَا اِلٰی عَصْرِنَا هٰذَا فَلَوْلَا اَنَّ حَقِیْقَةَ الْاِجْمَالِ سَارِیَةٌ فِی الْعَالَمِ کُلِّهٖ مَا شَرَحَتِ الْکُتُبُ وَلَا تَرْجَمَتْ وَلَا وَضَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَی الشُّرُوْحِ حَوَاشِیَ کَالشُّرُوْحِ لِلشُّرُوْحِ۔

جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانہ کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ اسی نور سے ہے جو صاحب شریعت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملا ہے تو حقیقتاً اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا تمام امت پر احسان ہے کہ انہوں نے علماء کو یہ استعداد عطا فرمائی جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔ یوں ہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے اگر فرض کیا جاوے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلوں پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے تو شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے وہ کٹ جائے گا اور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفصیل پر قادر نہ ہوں گے۔ برادرم! غور کر! اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملات قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے قرآن کریم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے حدیث یونہی مجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک۔ تو اگر یہ نہیں کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کیے ہوئے ہے تو نہ متون کی شرحیں لکھی جاتیں، نہ ترجمے ہوتے، نہ علماء شرحوں کی شرحیں حواشی لکھتے۔

اب یہیں دیکھئے کہ کتب ظاہر الروایہ و نوادر ائمہ تھیں پھر کتب نوازل و واقعات تصنیف فرمائی گئیں۔ پھر متون و شروح و حواشی و فتاویٰ وقتاً فوقتاً تصنیف فرمائی گئیں۔ پھر متون و شروح و حواشی و فتاویٰ وقتاً فوقتاً تصنیف ہوتے رہے اور آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافے کیے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن و سنت کی تفصیل ہے۔ نصاب الاحتساب اور فتاویٰ عالمگیری سلطان عالمگیر اَنَارَ اللّٰهُ تَعَالٰی بُرْهَانَهٗ کی تصنیف ہیں۔ ان میں بہت سی ان جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع نہ ہوئے تھے اور کتب نوازل و واقعات کا تو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یا خاص امام اعظم و صاحبین کا نص لاؤ، تو وہ یا احمق مجنون ہے یا گمراہ مفتون۔ پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد اب قریب زمانہ کی کتابیں فتاویٰ اسعدیہ، فتاویٰ حامدیہ، طحطاوی علی

الدر' وطحطاوی علی مراقی الفلاح و عقود الدریہ و در المختار و رسائل شامی وغیرہا کتب معتمدہ ہیں کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہو رہا ہے۔ دو اول کے سوا یہ سب تیرہویں صدی کی تصنیف ہیں۔ مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں۔ ان میں صدہا وہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے اور مانعین کے یہاں تو فتویٰ شاہ عبد العزیز صاحب بلکہ مائۃ مسائل ائمہ تو بہت بالا ہیں۔ عالمگیری' در المختار تک کہیں دکھا سکتے ہیں۔ اب ان کے بعد بعد ریل' تار' برقی نوٹ' منی آرڈر' فوٹو گراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے' اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ تابعین یا امام ابو حنیفہ نہ سہی' ہدایہ و در مختار یا یہ بھی نہ سہی' عالمگیری و طحطاوی و در المختار یا سب جانے دو شاہ عبد العزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ' تو اسے مجنون سے بہتر اور کیا لفظ کہا جا سکتا ہے۔ ہاں! اس ہٹ دھرمی کی بات جدا ہے کہ اپنے آپ تو تیرہویں صدی کی اربعین تک معتمد جانیں اور دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ و تابعین کی مدد مانگیں۔

خطبہ میں ذکر خلفا مستحب ہے

خطبہ میں ذکر عمین شریفین حادث ہے مگر جب سے حادث ہے علماء نے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی' در مختار میں ہے:

مَنْدُوْبٌ ذِكْرُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَالْعَمَّيْنِ۔

خطبہ میں چاروں خلفائے کرام اور دونوں عم کریم سید نا الانام علیہ ثم علیہم السلام کا ذکر فرمانا مستحب ہے۔

اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب نے تو ایک خطیب پر اپنے مکتوب میں اس لیے کہ اس نے ایک خطبہ میں خلفائے کرام کا ذکر نہ کیا تھا' سخت نکیر فرمائی اور اسے خبیث تک لکھا۔

ازان سے قبل و بعد صلوۃ و سلام

ازان کے بعد حضور اقدس عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ و سلام عرض کرنا جس طرح حرمین طیبین میں رائج ہے۔ در مختار میں ہے:

اَلتَّسْلِيْمُ بَعْدَ الْاَذَانِ حَدَثَ فِيْ رَبِيْعِ الْاٰخِرِ سَنَةَ سَبْعِ مِائَةٍ وَّاِحْدٰى وَثَمَانِيْنَ فِيْ عِشَاءِ لَيْلَةَ الْاِثْنَيْنِ ثُمَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ بَعْدَ عَشَرِ سِنِيْنَ حَدَثَ فِي الْكُلِّ اِلَّا الْمَغْرِبَ ثُمَّ فِيْهَا مَرَّتَيْنِ فَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ۔

ازان کے بعد صلاۃ بھیجنا ربیع الاخر ۷۸۱ھ کی عشاء شب دو شنبہ میں حادث ہوا' پھر ازان جمعہ کے بعد بھی صلاۃ کہی گئی' پھر دس برس بعد مغرب میں بھی دو بار کہنی شروع ہوئی اور یہ نو پیدا باتوں سے ہے جو شرعاً مستحب ہیں۔

محدثات حسنہ کا استحباب

کتب میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے' اس وقت کے علماء معتمدین سے ان کے جزئیہ کی تصریح مل سکتی ہے۔ مجلس میلاد مبارک و قیام کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے مگر صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین کے کلام میں ان کے نام کی تصریح مانگنی اسی جنون پر مبنی ہوگی۔ ان پر انہیں علمائے کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا جن کے زمانے میں ان کا وجود تھا۔ جیسے مجلس مبارک کے لیے امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی' و امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی' وامام خطیب احمد قسطلانی وغیرہم اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ جن

کے نام و کلام کی تصریح بارہا کر دی گئی' یونہی مسئلہ قیام میں ان علمائے کرام کی سند لی جائے گی جن کا ذکر شریف آتا ہے' وباللہ التوفیق بحمد اللہ تعالیٰ موافقین اہل حق و انصاف و دین کے لیے یہ کافی ہوگا۔ رہا مخالفین کا نہ ماننا' ان کی پرواہ کیا۔ وہ اور ہی کسے مانتے ہیں کہ ان علمائے کرام کو مانیں۔ ان کے غیر مقلدین تو علانیہ امام اعظم و جملہ ائمہ دین پر منہ آتے اور اپنے مہمل افہام و اوہام کے آگے ان کے اجتہادات عالیہ کو باطل بتاتے اور ان کے ماننے والوں کو معاذ اللہ مشرک و گمراہ ٹھہراتے ہیں' جو ان میں بظاہر نام تقلید لیتے ہیں۔ وہ بھی غیر مقلدین کی طرح اپنے ہوائے باطلہ کے سامنے قرآن و حدیث کی تو سنتے نہیں۔ پھر ائمہ کی کیا گنتی۔ ان کے منہ سے تقلید امام اور ان کے سب کے منہ سے قرآن و حدیث کا نام محض تسکین عوام ہے کہ کھلا منکر نہ جان لیں۔

ورنہ حالت وہ ہے جو ان کے مذہبی قرآن تقویۃ الایمان سے ظاہر ہے کہ جو کہے اللہ و رسول نے دولت مند کر دیا' مشرک حالانکہ خود قرآن عظیم فرماتا ہے: اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے دولت مند کر دیا۔ محمد بخش' احمد بخش نام رکھنا شرک' حالانکہ خود قرآن حمید کہتا فرماتا ہے کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم جب سیدتنا مریم کے پاس آئے' کیا کہا؟ یہ کہ

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ میں تو تمہارے رب کا رسول ہوں' اس لیے کہ میں تم کو ستھرا بیٹا دوں۔

صرف محمد بخش نام شرک ہوا' حالانکہ وہ معنی عطا میں بھی متعین نہیں۔ بخش بہرہ و حصہ کو بھی کہتے ہیں تو جبرئیل کو صریح لفظوں میں اپنا بیٹا دینا کہہ رہے ہیں۔ دین اسماعیلی میں کیسے مشرک نہ ہوں گے اور قرآن کریم کہ اس شرک وہابیت کو ذکر فرما کر مقرر رکھتا ہے کیونکہ نہ اسے شرک پسند کتاب ٹھہرائیں گے۔ اس کی مثالیں بہت سی ہیں کہ وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ' نہ صحابہ' نہ انبیاء' نہ سید الانبیاء' نہ جبرئیل امین' نہ خود رب العالمین جل و علیٰ و صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب وعلیہم وسلم۔ یہ بحث فقیر کے اور رسائل میں مفصل ملے گی یہاں تو کہنا اتنا ہے کہ مخالفین کے نہ ماننے کی پرواہ کیا ہے۔ انہوں نے اور کسے مانا ہے کہ علماء ہی کو مانیں گے' لہٰذا اس مقام اول میں روئے سخن موافقین اہل حق و یقین کی طرف کریں۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَابْنِهٖ وَحِزْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ آمِيْنَ۔

قیام بوقت ذکر ولادت آنحضرت صدیوں سے معمول بہا ہے

مولیٰ عزوجل توفیق دے تو یہاں منصف غیر متعصب کے لیے اس قدر کافی کہ یہ فعل مبارک اعنی قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والسلام صدہا سال سے بلاد دار الاسلام میں رائج و معمول اور اکابر ائمہ و علماء میں مقرر و مقبول شرع میں اس سے منع مفقود اور بے منع شرع منع مردود اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ وَاِنَّمَا الْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَعَفْوٌ مِّنَ اللّٰهِ عَلَى الْخُصُوْصِ حَرَمَيْنِ طَيِّبَيْنِ مَكَّةَ مُعَظَّمَةَ مَدِيْنَةَ مُنَوَّرَةَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُنَوِّرِهِمَا وَبَارَكَ وَسَلَّمَ کہ مبدا و مرجع دین و ایمان ہیں۔ وہاں کے اکابر علماء و مفتیان مذاہب اربعہ تمادت سے اس فعل کے غافل و عامل و قائل و قابل ہیں۔ ائمہ معتمدین نے اسے حرام نہ فرمایا' بلکہ بلاشبہ مستحب و مستحسن ٹھہرایا' علامہ جلیل الشان علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیرت مبارکہ انسان العیون میں تصریح فرمائی کہ یہ قیام بدعت حسنہ ہے اور ارشاد فرماتے ہیں:

قَدْ وُجِدَ الْقِیَامُ عِنْدَ ذِکْرِ اِسْمِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ عَالِمِ الْاُمَّۃِ وَمُقْتَدَی الْاَئِمَّۃِ دِیْنًا وَّوَرَعًا تَقِیِّ الدِّیْنِ السُّبْکِیِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَتَابَعَہٗ عَلٰی ذَالِکَ مَشَائِخُ الْاِسْلَامِ فِیْ عَصْرِہٖ فَقَدْ حُکِیَ بَعْضُھُمْ اِنَّ الْاِمَامَ السُّبْکِیَّ اِجْتَمَعَ عِنْدَہٗ جمع کَثِیْرٌ مِّنْ عُلَمَآءِ عَصْرِہٖ فَانْشَدَ فِیْہِ قَوْلُ الصَّرْصَرِیِّ فِیْ مَدْحِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ--- قَلِیْلٌ لِمَدْحِ الْمُصْطَفٰی اَلْخَطّ بِالذَّھَبِ--- عَلٰی فِضَّۃٍ مِنْ خَطِّ اَحْسَنَ مَنْ کَتَبَ--- وَاَنْ یَّنْھَضَ الْاَشْرَافَ عِنْدَ سَمَاعِہٖ--- قِیَامًا صُفُوْفًا اَوْجُثِیًّا عَلَی الرُّکَبِ--- فَعِنْدَ ذٰلِکَ قَامَ الْاِمَامُ السُّبْکِیُّ وَجَمِیْعُ مَنْ فِی الْمَجْلِسِ اَنِسٌ کَثِیْرَۃٌ بِذٰلِکَ الْمَجْلِسِ وَکَفٰی ذَالِکَ وَفِی الْاِقْتِدَاءِ۔

بے شک وقت ذکر نام پاک حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام قیام کرنا امام تقی الملۃ والدین سبکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پایا گیا جو اس امت مرحومہ کے عالم اور دین و تقویٰ میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پر ان کے معاصرین ائمہ کرام مشائخ اسلام نے ان کی متابعت کی۔ بعض علماء یعنی انہی امام اجل کے صاجزادے امام شیخ الاسلام ابو نصر عبدالوہاب ابن ابی الحسن تقی الملۃ والدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں نقل فرمایا کہ امام سبکی کے حضور ایک جماعت کثیرہ اس زمانہ کے علماء کی مجتمع ہوئی۔ اس مجلس میں کسی نے امام صرصری کے یہ اشعار نعت حضور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مدح مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہ بھی تھوڑی ہی ہے کہ جو سب سے اچھا خوشنویس ہو اس کے ہاتھ سے چاندی کے پتر پر سونے کے پانی سے لکھی جائے اور جو لوگ شرف دینی رکھتے ہیں وہ ان کی نعت سن کر صف باندھ کر سرو قد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں۔ ان اشعار کے سنتے ہی حضرت امام سبکی و جملہ علمائے کرام حاضرین مجلس مبارک نے قیام فرمایا اور اس کی وجہ سے اس مجلس میں نہایت انس حاصل ہوا۔ علامہ جلیل حلبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس قدر پیروی کے لیے کفایت کرتا ہے۔

اقول: یہ امام صرصری صاحب قصیدہ نعتیہ وہ ہیں جنہیں علامہ محمد بن علی شامی مستند مانعین نے سبل الہدیٰ والرشاد میں اپنے زمانہ کا حسان اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محب صادق فرمایا اور امام اجل حضرت امام الائمہ تقی الملۃ والدین سبکی قدس سرہ الشریف کی جلالت شان و رفعت مکان تو آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہے۔ یہاں تک کہ مانعین کے پیشوا مولوی نذیر حسین اپنے ایک مہری فتوے میں ان کا بالاجماع امام جلیل و مجتہد کبیر ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اس زمانہ کے اعیان علماء و مشائخ اسلام کا ان کے ساتھ اس پر موافقت فرمانا بحمد اللہ تعالیٰ متبعین سلف صالحین کے لیے ایک کافی سند ہے۔ آخر نہ دیکھا کہ علامہ حلبی نے ارشاد فرمایا: اس قدر اقتدار کے لیے بس ہے۔

عالم کامل عارف باللہ سید سند مولانا سید جعفر برزنجی قدس سرہ العزیز جن کا رسالہ عقد الجوھر فی مولد النبی الازھر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرمین محترمین و دیگر بلاد دار الاسلام میں رائج ہے اور مستند مانعین مولانا رفیع الدین نے تاریخ الحرمین میں اس رسالے اور اس مصنف جلیل القدر کی نہایت مدح و ثنا لکھی ہے۔ اپنے اسی رسالہ مبارکہ میں فرماتے ہیں:

قَدِ اسْتَحْسَنَ الْقِیَامُ عِنْدَ ذِکْرِ وِلَادَتِہِ الشَّرِیْفَۃِ اَئِمَّۃٌ ذُوْ رِوَایَۃٍ وَّرَوِیَّۃٍ فَطُوْبٰی لِمَنْ

بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن سمجھا ہے جو

كَانَ تَعْظِيْمُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَايَةُ مَرَامِهٖ۔

صاحب روایت و درایت تھے تو شادمانی اس کے لیے جس کی نہایت مقصود و مراد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

ذکر ولادت کے وقت قیام باعث ثواب کثیر و فضل کبیر ہے

فاضل اجل سیدی جعفر بن اسماعیل بن زین العابدین علوی مدنی نے اس کی شرح اَلْكَوْكَبُ الْاَزْهَرُ عَلٰى عَقْدِ الْجَوْهَرِ میں اس مضمون پر تقریر فرمائی۔ فقیہ محدث مولانا عثمان بن حسن دمیاطی اپنے رسالہ اثبات قیام میں فرماتے ہیں:

اَلْقِيَامُ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْرٌ لَا شَكَّ فِيْ اِسْتِحْبَابِهٖ وَاسْتِحْسَانِهٖ وَنُدُبِهٖ يَحْصُلُ لِفَاعِلِهٖ مِنَ الثَّوَابِ الْاَوْفَرِ الْخَيْرِ الْكَبِيْرِ لِاَنَّهٗ تَعْظِيْمٌ اَىْ تَعْظِيْمٌ لِلنَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ذِى الْخُلُقِ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ اَخْرَجَنَا اللّٰهُ بِهٖ مِنْ ظُلُمَاتِ الْكُفْرِ اِلَى الْاِيْمَانِ وَخَلَّصَنَا اللّٰهُ بِهٖ مِنْ نَارِ الْجَهْلِ اِلٰى جَنَّاتِ الْمَعَارِفِ وَالْاِيْقَانِ فَتَعْظِيْمُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مُسَارَعَةٌ اِلٰى رِضَاءِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَاِظْهَارُ اَقْوٰى شَعَائِرِ الدِّيْنِ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔

قرات مولد شریف میں ذکر ولادت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو قیام کرنا بے شک مستحب و مستحسن و مندوب ہے۔ جس کے فاعل کو ثواب کثیرہ و فضل کبیر حاصل ہو گا کہ وہ تعظیم ہے اور کیسی تعظیم ہے ان نبی کریم صاحب خلق عظیم علیہ الصلاۃ والسلام کی جن کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ظلمات کفر سے نور ایمان کی طرف لایا اور ان کے سبب ہمیں دوزخ جہل سے بچا کر بہشت معرفت و یقین میں داخل فرمایا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوشنودی رب العالمین کی طرف دوڑنا ہے اور قوی ترین شعائر دین کا آشکار کرنا اور جو تعظیم کرے شعائر خدا کی تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے اور جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے۔

پھر بعد نقل دلائل فرمایا ہے:

فَاسْتُفِيْدَ مِنْ مَجْمُوْعِ مَا ذَكَرْنَا اِسْتِحْبَابُ الْقِيَامِ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهٖ لِمَا فِىْ ذٰلِكَ مِنَ التَّعْظِيْمِ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقَالُ الْقِيَامُ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدْعَةٌ لِاَنَّا نَقُوْلُ لَيْسَ كُلُّ بِدْعَةٍ مَذْمُوْمَةً كَمَا اَجَابَ بِذٰلِكَ الْاِمَامُ الْمُحَقِّقُ الْوَلِىُّ اَبُوْ زُرْعَةَ الْعِرَاقِىُّ حَيْثُ سُئِلَ عَنْ فِعْلِ الْمَوْلِدِ اَمُسْتَحَبٌّ اَوْ مَكْرُوْهٌ وَهَلْ وَرَدَ فِيْهِ شَيْءٌ اَوْ فَعَلَ بِهٖ مَنْ

یعنی ان سب دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر ولادت شریفہ کے وقت قیام مستحب ہے، اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے، کوئی یہ نہ کہے کہ یہ قیام تو بدعت ہے اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی جیسا کہ یہی جواب دیا امام محقق ولی ابوزرعہ عراقی نے جب ان سے مجلس میلاد کو پوچھا گیا تھا کہ مستحب ہے یا مکروہ اور اس میں کچھ وارد ہے یا کسی پیشوا نے کی ہے تو جواب میں فرمایا: ولیمہ کھانا اور کھلانا ہر وقت مستحب ہے۔ پھر اس صورت کا کیا پوچھنا جب اس کے ساتھ اس ماہ مبارک میں ظہور نبوت کی خوشی مل جائے اور ہمیں یہ امر سلف سے معلوم نہیں نہ بدعت ہونے سے کراہت لازم

يُقْتَدٰى بِهٖ فَاَجَابَ بِقَوْلِهٖ الْوَلِيْمَةُ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ مُسْتَحَبٌّ كُلَّ وَقْتٍ فَكَيْفَ اِذَا اِنْضَمَّ اِلٰى ذٰلِكَ السُّرُوْرُ بِظُهُوْرِ نُوْرِ النُّبُوَّةِ فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ الشَّرِيْفِ فَلَا نَعْلَمُ ذٰلِكَ عَنِ السَّلَفِ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِهٖ بِدْعَةً كَوْنُهٗ مَكْرُوْهًا فَكَمْ مِنْ بِدْعَةٍ مُسْتَحَبَّةٍ بَلْ وَاجِبَةٍ اِذَا لَمْ تَنْضَمَّ بِذٰلِكَ مَفْسَدَةٌ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ۔

کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں، جب ان کے ساتھ کوئی خرابی مضموم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

پھرارشاد فرماتے ہیں:

قَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلٰى اِسْتِحْسَانِ الْقِيَامِ الْمَذْكُوْرِ وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ۔

بے شک امت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اہلسنت و جماعت کا اجماع و اتفاق ہے کہ یہ قیام مستحسن ہے اور بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔

امام علامہ مدالقی رحمتہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

جَرَتْ عَادَةُ الْقَوْمِ بِقِيَامِ النَّاسِ اِذَا انْتَهَى الْمَدَّاحُ اِلٰى ذِكْرِ مَوْلِدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ بِدْعَةٌ مُسْتَحَبَّةٌ لِمَا فِيْهِ مِنْ اِظْهَارِ السُّرُوْرِ وَالتَّعْظِيْمِ --- الخ

(المولی الدمیاطی)

یعنی عادت قوم کی جاری ہے کہ جب مدح خواں ذکر میلاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ بدعت مستحبہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش پر خوشی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کا اظہار ہے۔

علامہ ابو زید اپنے رسالہ میلاد میں لکھتے ہیں:

اِسْتَحْسَنَ الْقِيَامُ عِنْدَ ذِكْرِ الْوِلَادَةِ۔

ذکر ولادت کے وقت قیام مستحسن ہے۔

خاتمۃ المحدثین زین الحرم عین الکرم مولانا سید احمد زین دحلان مکی قدس سرہ المکی اپنی کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں:

مِنْ تَعْظِيْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَرَحُ بِلَيْلَةِ وِلَادَتِهٖ وَقِرَاءَةُ الْمَوْلِدِ وَالْقِيَامُ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِمَّا يَتَعَادَى النَّاسُ فِعْلَهٗ مِنْ اَنْوَاعِ الْبِرِّ فَاِنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ مِنْ تَعْظِيْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اَفْرَدَتْ مَسْئَلَةُ الْمَوْلِدِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا بِالتَّالِيْفِ وَاعْتَنٰى بِذٰلِكَ كَثِيْرٌ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم سے مراد ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شب ولادت کی خوشی کرنا اور مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت اقدس کے وقت کھڑا ہونا اور مجلس شریف میں حاضرین کو کھانا دینا اور ان کے سوا اور نیکی کی باتیں کہ مسلمانوں میں رائج ہیں کہ یہ سب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم سے ہیں اور یہ مسئلہ مجلس میلاد اور اس کے متعلقات کا ایسا ہے جس میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں اور بکثرت علمائے دین نے اس کا اہتمام فرمایا اور دلائل و براہین

مِّنَ الْعُلَمَاءِ قَالُوْا فِیْ ذٰلِکَ مُصَنَّفَاتٌ مَّشْحُوْنَۃٌ بِالْاَدِلَّۃِ وَالْبَرَاھِیْنِ فَلَا حَاجَۃَ لَنَا اِلَی الْاِطَالَۃِ بِذٰلِکَ۔

سے بھری ہوئی کتابیں اس میں تالیف فرمائیں تو ہمیں اس مسئلہ میں تطویل کلام کی حاجت نہیں۔

ذکر ولادت پر قیام کو سلف صالحین نے مستحسن کہا ہے

شیخ مشائخنا خاتمہ المحققین امام العلماء سید المدرسین مفتی الحنفیہ بہ مکہ المحمیہ سیدنا و برکتنا علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاوے میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْقِیَامُ عِنْدَ ذِکْرِ مَوْلِدِہٖ الْاَعْطَرِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَحْسَنَہٗ جَمْعٌ مِّنَ السَّلَفِ فَھُوَ بِدْعَۃٌ حَسَنَۃٌ۔

ذکر مولد اعطر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کو ایک جماعت سلف نے مستحسن کہا تو وہ بدعت حسنہ ہے۔

پھر علامہ انباری کی مورد الظمان سے نقل فرماتے ہیں:

قَامَ الْاِمَامُ السُّبْکِیُّ وَجَمِیْعُ مَنْ بِالْمَجْلِسِ وَکَفٰی بِمِثْلِ ذٰلِکَ فِی الْاِقْتِدَاءِ۔ اھ ملخصا۔

امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس نے قیام کیا اور اس قدر اقتدا کے لیے بس ہے۔ (الفتاوے)

مولانا جمال عمر قدس سرہ کے اس فتوے پر موافقت فرمائی۔ مولانا صدیق بن عبدالرحمٰن کمال مدرس مسجد حرام اور حضرت علامہ الوری علم الھدیٰ مولانا و شیخنا و برکتنا سید سند احمد زین وحلان وشافعی اور مولانا محمد بن محمد کتبی مکی اور مولانا حسن بن ابراہیم مکی مالکی مفتی مالکیہ وغیرہم اکابر علماء نے۔ نَفَعَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِعُلُوْمِھِمْ۔ آمین۔

یہی مولانا حسین دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اِسْتَحْسَنَہٗ کَثِیْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَھُوَ حَسَنٌ لِمَا یَجِبُ عَلَیْنَا تَعْظِیْمُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا اور وہ حسن ہے کہ ہم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب۔

ذکر ولادت کی محفل میں روح محمدی موجود ہوتی ہے

مولانا محمد بن یحییٰ حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں:

نَعَمْ یَجِبُ الْقِیَامُ عِنْدَ ذِکْرِ وِلَادَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ یَحْضُرُ رُوْحَانِیَّۃٌ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعِنْدَ ذٰلِکَ وَیَجِبُ التَّعْظِیْمُ وَالْقِیَامُ۔

ہاں ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام ضرور ہے کہ روح اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتی ہے تو اس وقت تعظیم و قیام لازم ہو۔

قولہ: رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَجِبُ الْقِیَامُ --- الخ اقول: اَرَادَ التَّاکِیْدَ فِیْ مَحَلِّ الْاَدَبِ کَقَوْلِ الْقَائِلِ حَبِیْبِہٖ حَقُّکَ وَاجِبٌ عَلَیَّ وَھُوَ مِنَ الْمُحَاوَرَاتِ الشَّائِعَۃِ بَیْنَھُمْ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی

مَنْ تَتَبَّعَ كَلِمَاتِهِمْ وَأَمَّا حُضُورُ رُوحَانِيَّةِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَلٰى مَا نَصِلُ وَنُفْتَحُ اَبِي وَمَوْلَائِي مِقْدَامُ الْعُلَمَاءِ الْكِرَامِ فِي كِتَابِهِ اِذَاقَةُ الْاٰثَامِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

مولانا عبد اللہ بن محمد مفتی حنفیہ فرماتے ہیں:

اِسْتَحْسَنَهُ كَثِيْرُوْنَ۔ اسے بہت سے علماء نے مستحسن رکھا۔

شیخ مشائخنا مولانا الامام الاجل الفقیہ المحدث سراج العلماء عبد اللہ سراج مکی مفتی حنفیہ فرماتے:

تَوَارَثَهُ الْاَئِمَّةُ الْاَعْلَامُ وَاَقَرَّهُ الْاَئِمَّةُ وَالْحُكَّامُ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرِ مُنْكِرٍ وَرَدٍّ وَلِهٰذَا كَانَ حَسَنًا وَمَنْ يَسْتَحِقُّ التَّعْظِيْمَ غَيْرُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَكْفِي اَثَرُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔

یہ قیام مشہور اماموں میں برابر متوارث چلا آتا ہے اور اسے ائمہ وحکام نے برقرار رکھا اور کسی نے رد وانکار نہ کیا للذا مستحب ٹھہرا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون مستحق تعظیم ہے اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کافی ہے کہ جس چیز کو اہل اسلام نیک سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی نیک ہے۔

اسی طرح مفتی عمر بن ابی بکر شافعی نے اس کے استحباب واستحسان پر تصریح فرمائی۔ فتوئے علمائے حرمین محترمین جس پر مفتی مکہ معظمہ مولانا محمد بن حسین کتبی حنفی اور رئیس العلماء شیخ المدرسین مولانا جمال حنفی اور مفتی مالکیہ مولانا حسین ابراہیم مکی اور سید المحققین مولانا احمد بن زین شافعی اور مدرس مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مولانا محمد بن محمد غرب شافعی اور مولانا عبد الکریم بن عبد الحکیم حنفی مدنی اور فقیہ جلیل مولانا عبد الجبار حنبلی، بصری نزیل مدینہ منورہ اور مولانا ابراہیم بن محمد خیار حسینی شافعی مدنی کی مہریں ہیں اور اصل فتویٰ مزین بخطوط ومواہیر علماء ممدوحین فقیر نے بچشم خود دیکھا اور مدتوں فقیر کے پاس رہا جس میں اکثر مسائل متنازع فیہا پر بحث فرمائی ہے اور بدلائل باہرہ مذہب وہابیت کو سراسر مردود وباطل ٹھہرایا ہے۔

قیام کو حرام وممنوع کہنا محققین کے نزدیک فاسد ہے

اس میں دربارۂ قیام مذکورہ اَمَّا قِيَامُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهِ عَلَيْهِ۔

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِي ذٰلِكَ الْمَحْفَلِ اِشَاعَةً لِلتَّعْظِيْمِ وَاِظْهَارًا لِلْاِحْتِرَامِ فَقَدْ صَرَّحَ فِي اِنْسَانِ الْعُيُوْنِ الْمَشْهُوْرِ بِالسِّيْرَةِ الْحَلَبِيَّةِ بِاسْتِحْسَانِهِ كَذٰلِكَ وَقَالَ الْعَلَّامَةُ الْبَرْزَنْجِيُّ فِي رِسَالَةِ الْمَوْلِدِ قَدِ اسْتَحْسَنَ الْقِيَامَ عِنْدَ ذِكْرِ مَوْلِدِهِ الشَّرِيْفِ اَئِمَّةٌ ذُوْ رِوَايَةٍ وَرَوِيَّةٍ فَطُوْبٰى لِمَنْ كَانَ تَعْظِيْمُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَايَةَ مَرَامِهِ وَمَرْمَاهُ اِنْتِهَاءً بِلَفْظِهِ اَمَّا الْحُكْمُ بِحُرْمَةِ ذٰلِكَ التَّعْظِيْمِ وَمُمَانَعَةٍ بِدَلِيْلِ

یعنی ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت اس محفل میں اہل اسلام کا اشاعت تعظیم واظہار احترام کے لیے قیام کرنا بتصریح انسان العیون مشہور بہ سیرت حلبیہ مستحسن ہے اور علامہ برزنجی رسالہ مولد میں فرماتے ہیں قیام وقت ذکر مولد شریف ائمہ ذو روایت ودرایت کے نزدیک مستحب ہے تو خوشی ہو اسے جس کی غایت مراد ومرام تعظیم حضور سید الانام علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔ انتہی۔ اور اس کی تعظیم کو بدیں وجہ کہ اس خصوصیت کے ساتھ حدیث میں مذکور نہیں، حرام وممنوع کہنا جمہور محققین کے نزدیک فاسد ہے۔ عین العلم میں فرماتے ہیں جس چیز سے شرع میں نہی نہ آئی

عَدَمِ ذِكْرِهٖ بِالْخُصُوْصِ فِي السَّنَةِ فَهُوَ فَاسِدٌ عِنْدَ جَمْهُوْرِ الْمُحَقِّقِيْنَ قَالَ فِيْ عَيْنِ الْعِلْمِ وَالْاَسْرَارِ بِالْمُسَاعِدِ فِيْمَا لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَصَارَ مُعْتَادًا بَعْدَ عَصْرِهِمْ حَسَنٌ وَاِنْ كَانَ بِدْعَةً الخ اَقُوْلُ وَالدَّلِيْلُ عَلٰى هٰذَا مَارُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفًا مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ خَالِقُوا النَّاسَ بِاَخْلَاقِهِمْ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ الْاِمَامُ حُجَّةُ الْاِسْلَامِ فِي الْاِحْيَاءِ الْاَدَبِ الْخَامِسِ مُوَافَقَةُ الْقَوْمِ فِي الْقِيَامِ اِذَا قَامَ وَاحِدٌ مِّنْهُمْ فِيْ وَجْدٍ صَادِقٍ مِنْ غَيْرِ رِيَاءٍ اَوْ تَكَلُّفٍ اَوْ قَامَ بِاخْتِيَارٍ مِّنْ غَيْرِ وَجْدٍ فَلَا بُدَّ مِنَ الْمُوَافَقَةِ وَذٰلِكَ مِنْ اَدَبِ الصُّحْبَةِ وَلِكُلِّ قَوْمٍ رَسْمٌ وَلَا بُدَّ مِنْ مُخَالَقَةِ النَّاسِ بِاَخْلَاقِهِمْ كَمَا وَرَدَ فِي الْخَبَرِ لَاسِيَّمَا اِذَا كَانَتْ اَخْلَاقًا فِيْهَا حُسْنُ الْعِشْرَةِ وَطِيْبُ الْقَلْبِ وَقَوْلُ الْقَائِلِ اِنَّ ذٰلِكَ بِدْعَةٌ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّحَابَةِ فَلَيْسَ كُلَّمَا يُحْكَمُ بِاِبَاحَتِهٖ مَنْقُوْلًا مِّنَ الصَّحَابَةِ وَاِنَّمَا الْمَحْذُوْرُ بِدْعَةٌ تُرَاغِمُ سُنَّةً مَامُوْرًا بِهَا وَلَمْ يَنْقُلِ النَّهْيُ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ هٰذَا وَكَذٰلِكَ سَائِرُ اَنْوَاعِ الْمُسَاعَدَاتِ اِذَا قَصَدَ بِهَا تَطْيِيْبُ الْقَلْبِ وَاصْطَلَحَ عَلَيْهَا جَمَاعَةٌ فَالْاَحْسَنُ الْمُسَاعَدَةُ عَلَيْهَا اِلَّا فِيْمَا وَرَدَ نَهْيٌ لَا يَقْبَلُ التَّاوِيْلَ اِنْتَهٰى كَلَامُ الْاِمَامِ حُجَّةُ الْاِسْلَامِ بِاخْتِصَارِ الْمَرَامِ۔

اور بعد زمانہ سلف کے لوگوں میں جاری ہوئی اس میں موافقت کر کے مسلمانوں کا دل خوش کرنا بہتر ہے' اگرچہ وہ چیز بدعت ہو الخ۔ میں کہتا ہوں اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اور خود ان کے قول سے مروی ہوئی کہ اہل اسلام جس چیز کو نیک جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہے اور وہ حدیث کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا کہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اور امام حجۃ الاسلام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ پانچواں ادب قوم کی موافقت کرنا ہے۔ قیام میں جب کوئی ان میں سے سچے وجد میں بے نمائش و تکلف یا بلا وجد اپنے اختیار سے کھڑا ہو تو ضرور ہے کہ سب حاضرین ان کی موافقت کریں اور کھڑے ہو جائیں کہ یہ آداب صحبت سے ہے اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا۔ خصوصاً جب ان عادتوں میں اچھا برتاؤ اور دلوں کو خوشنودی ہو اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ بدعت ہے' صحابہ سے ثابت نہیں تو یہ کب ہے کہ جس چیز کے جواز کا حکم دیا جائے وہ صحابہ سے منقول ہو۔ بری وہ بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کا کاٹ کرے اور ان باتوں سے نہی کہیں نہ آئی اور ایسے ہی سب مساعدتین جب ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو اور ایک جماعت نے اس پر اتفاق کر لیا ہو تو بہتری یہی ہے کہ ان کی موافقت کی جائے مگر ان باتوں میں جن سے ایسی صریح نہی وارد ہوئی کہ لائق تاویل بھی نہیں یہاں تک امام حجۃ الاسلام غزالی کا ارشاد باختصار منقول ہوا۔ انتہی۔

علمائے مدینہ کے نزدیک بھی قیام وذکر ولادت مستحب ہے

آخر روضہ النعیم میں جو فتاویٰ علمائے کرام مطبوع ہوئے ان میں فتوائے حضرات علمائے مدینہ منورہ میں بعد اثبات حسن و

خوبی محفل میلاد شریف مذکور۔

وَالْحَاصِلُ اِنَّ مَا يَضَعُ مِنَ الْوَلَائِمِ فِي الْمَوْلِدِ الشَّرِيفِ وَ قِرَاءَةِ بِحَضْرَةِ الْمُسْلِمِينَ وَاِنْفَاقِ الْبَرَاتِ وَالْقِيَامِ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَةِ الرَّسُولِ الْاَمِينِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَشِّ مَاءِ الْوَرُوْدِ وَالْعَاءِ الْبُخُوْرِ وَتَزْيِيْنُ الْمَكَانِ وَ قِرَاءَةِ شَيْئٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَالصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِظْهَارِ الْفَرَحِ وَالسُّرُوْرِ فَلَا شُبْهَةَ فِيْ اَنَّهُ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ مُسْتَحَبَّةٌ وَفَضِيْلَةٌ شَرِيْفَةٌ مُسْتَحْسَنَةٌ اِذْ لَيْسَ كُلُّ بِدْعَةٍ حَرَامًا بَلْ قَدْ تَكُوْنُ وَاجِبَةً كَنَصْبِ الْاَدِلَّةِ لِلرَّدِّ عَلَى الْفِرَقِ الضَّالَّةِ وَتَعَلُّمِ النَّحْوِ وَسَائِرِ الْعُلُوْمِ الْمُعَيِّنَةِ عَلٰى فَهْمِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ كَمَا يَنْبَغِيْ وَمَنْدُوْبَةً كَبِنَاءِ الرُّبُطِ وَالْمَدَارِسِ وَمُبَاحَةً كَالتَّوَسُّعِ فِي الْمَاٰكِلِ وَالْمَشَارِبِ اللَّذِيْذَةِ وَالثِّيَابِ كَمَا فِيْ شَرْحِ الْمُنَاوِيْ عَلٰى جَامِعِ الصَّغِيْرِ عَنْ تَهْذِيْبِ النَّوَوِيِّ فَلَا يُنْكِرُهَا اِلَّا مُبْتَدِعٌ لَا اسْتِمَاعَ لِقَوْلِهِ بَلْ عَلٰى حَاكِمِ الْاِسْلَامِ اَنْ يُعَزِّرَهُ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

یعنی خلاصہ مقصود یہ ہے کہ میلاد شریف میں ولیمے کرنا اور حال ولادت اقدس رسول امین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور گلاب چھڑکنا اور خوشبوئیں سلگانا اور مکان آراستہ کرنا اور کچھ قرآن اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھنا اور فرحت و سرور کا ظاہر کرنا' بے شک بدعت حسنہ ہے۔ مستحبہ اور فضیلت شریف مستحنہ ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی' بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے' جیسے گمراہ فرقوں کے رد کے لیے دلائل قائم کرنا اور وغیرہ' وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن و حدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے سرائیں اور مدرسے قائم کرنا اور کبھی مباح جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا جیسے کہ علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب امام علامہ نووی سے نقل کیا تو ان امور کا انکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا' اس کی بات سننا نہ چاہیے' بلکہ حاکم اسلام پر واجب ہے کہ اسے سزا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم' انتہی۔

علماء مکہ کے نزدیک میلاد و قیام مستحب ہے

اس فتویٰ پر مولانا عبدالجبار وابراہیم بن خیار وغیرہا تیس علماء کی مہریں ہیں اور فتوائے علمائے مکہ معظمہ میں میلاد و قیام کا استحباب علماء سلف سے نقل کرکے فرماتے ہیں:

فَالْمُنْكِرُ لِهٰذَا مُبْتَدِعٌ بِدْعَةً سَيِّئَةً مَذْمُوْمَةً لِاِنْكَارِهٖ عَلٰى شَيْئٍ حَسَنٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْمُسْلِمِيْنَ كَمَا جَاءَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ

پس مجلس و قیام کا منکر بدعتی ہے اور اس منکر کی بدعت سیئہ و مذمومہ کو اس نے ایسی چیز پر انکار کیا جو خدا و اہل اسلام کے نزدیک نیک تھی جیسا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آیا ہے کہ جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں' وہ خدا کے نزدیک نیک ہے اور یہاں مسلمانوں سے کامل مسلمان مراد ہیں

وَالْمُرَادُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ هٰهُنَا الَّذِيْنَ كَمَّلُوا الْاِسْلَامَ كَالْعُلَمَاءِ الْعَالِمِيْنَ وَعُلَمَاءِ الْعَرَبِ وَالْمِصْرَ وَالشَّامَ وَالرُّوْمَ وَالْاُنْدُلُسَ كُلِّهِمْ رَوَاهُ حَسَنًا مِّنْ زَمَانِ السَّلَفِ اِلَى الْاٰنَ فَصَارَ الْاِجْمَاعُ وَالْاَمْرُ الَّذِيْ ثَبَتَ بِاِجْمَاعِ الْاُمَّةِ فَهُوَ حَقٌّ لَيْسَ بِضَلَالٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ فَعَلٰى حَاكِمِ الشَّرِيْعَةِ تَعْزِيْرُ الْمُنْكِرِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

جیسے علمائے باعمل اور مجلس وقیام کو علمائے عرب ومصر وشام وروم واندلس نے سلف سے آج تک مستحسن جانا تو اجماع ہو گیا اور جو امر اجماع امت سے ثابت ہو وہ حق ہے گمراہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کرتی' پس حاکم شرع پر لازم ہے کہ منکر کو سزادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ انتھی۔

اس فتوے پر حضرت سید العلماء احمد دحلان مفتی شافعیہ وجناب مستطاب شیخنا وبرکتنا سراج الفضلاء مولانا عبد الرحمٰن سراج مفتی حنفیہ ومولانا حسن حنبلیہ ومولانا محمد اشرفی مفتی مالکیہ وغیرہم پینتالیس علماء کی مہریں ہیں۔

ذکر میلاد وقیام علماء جدہ کے نزدیک بھی مستحب ہے

فتوائے علمائے جدہ میں مجیب اول مولانا باصر بن علی بن احمد مجلس میلاد اور اس میں قیام وتعین یوم وتزئین مکان واستعمال خوشبو وقراءت قرآن واظہار سرور واطعام طعام کی نسبت فرماتے ہیں:

بِهٰذَا الصُّوْرَةِ الْمَجْمُوْعَةُ مِنَ الْاَشْيَاءِ الْمَذْكُوْرَةِ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ مُّسْتَحَبَّةٌ شَرْعًا لَا يُنْكِرُهَا اِلَّا مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ شُعْبَةٌ مِّنْ شُعَبِ النِّفَاقِ وَالْبُغْضُ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَيْفَ يُسَوَّغُ لَهٗ ذٰلِكَ مَعَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔

جس مجلس میں یہ سب باتیں کی جائیں وہ شرعاً بدعت حسنہ مستحبہ ہے' جس کا انکار نہ کرے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق کی شاخوں سے ایک شاخ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت ہے اور یہ انکار اسے کیونکر روا ہو گا' حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔

مولانا عباس بن جعفر بن صادق فرماتے ہیں:

مَا اَجَابَ بِهِ الشَّيْخُ الْعَلَّامَةُ فَهُوَ الصَّوَابُ لَا يُخَالِفُهُ اِلَّا اَهْلُ النِّفَاقِ وَمَا فِي السُّوَالِ كُلِّهٖ حَسَنٌ كَيْفَ لَا وَقَدْ قَصَدَ بِذَالِكَ تَعْظِيْمُ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَرَمَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ زِيَارَةٍ فِي الدُّنْيَا وَلَا مِنْ شَفَاعَةٍ فِي الْاُخْرٰى وَمَنْ اَنْكَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ مَحْرُوْمٌ مِّنْهُمَا۔

شیخ علامہ باصر بن احمد بن علی نے جو جواب دیا وہی حق ہے۔ اس کا خلاف نہ کریں گے مگر منافقین اور جو کچھ سوال میں مذکور ہے سب حسن ہے اور کیوں نہ حسن ہو کہ اس سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محروم نہ کرے ان کی زیارت سے دنیا میں اور ان کی شفاعت سے آخرت میں اور جو اس سے انکار کرے گا وہ ان دونوں سے محروم ہے۔

ولادت و معجزات کا ذکر کرنا اور سننا سنت ہے

مولانا احمد فتاح لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ ذِكْرَ وِلَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا وَقَعَ مِنْ مُعْجِزَاتٍ وَالْحُضُوْرَ لِسَمَاعَةٍ سُنَّةٌ بِلَا شَكٍّ وَرَيْبٍ لٰكِنْ مَعَ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ الْمَجْمُوْعَةِ مِنَ الْاَشْيَاءِ الْمَذْكُوْرَةِ كَمَا هُوَ الْمَعْمُوْلُ فِي الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيْفَيْنِ وَجَمِيْعِ دِيَارِ الْعَرَبِ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ مُسْتَحَبَّةٌ يُثَابُ فَاعِلُهَا وَيُعَاقَبُ مُنْكِرُهَا وَمَانِعُهَا۔

جان تو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت و معجزات کا ذکر اور اس کے سننے کو حاضر ہونا بے شک سنت ہے مگر یہ ہیئت مجموعی جس میں قیام وغیرہ اشیائے مذکورہ ہوتی ہیں جیسا کہ حرمین شریفین اور تمام دیار عرب کا معمول ہے۔ یہ بدعت حسنہ مستحبہ ہے جس کے کرنے والے کو ثواب اور منکر و مانع پر عذاب۔

مولانا محمد بن سلیمان لکھتے ہیں:

نَعَمْ اَصْلُ ذِكْرِ الْمَوْلِدِ الشَّرِيْفِ وَسَمَاعُهُ سُنَّةٌ وَبِهٰذَا الْكَيْفِيَّةِ الْمَجْمُوْعَةِ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ مُسْتَحَبَّةٌ وَفَضِيْلَةٌ عَظِيْمَةٌ مَقْبُوْلَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى كَمَا جَاءَ فِيْ اَثَرِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَالْمُسْلِمُوْنَ مِنْ زَمَانِ السَّلَفِ اِلَى الْاٰنِ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْعِرْفَانِ كُلِّهِمْ رَاَوْهُ حَسَنًا بِلَا نُقْصَانٍ فَلَا يُنْكِرُ وَلَا يَمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ اِلَّا مَانِعُ الْخَيْرِ وَالْاِحْسَانِ وَذَالِكَ عَمَلُ الشَّيْطَانِ۔

ہاں! اصل ذکر مولد شریف اور اس کا سننا سنت ہے اور اس کیفیت مجموعی کے ساتھ جس میں قیام وغیرہ ہوتا ہے، بدعت حسنہ مستحبہ اور بڑی فضیلت پسندیدہ ہے کہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وارد جسے مسلمان نیک سمجھیں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے اور مسلمان سلف سے آج تک علماء و اولیاء سب سے منع و انکار نہ کرے گا مگر وہ کہ خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہوگا اور یہ کام شیطان کا ہے۔

مولانا احمد جبلس لکھتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ عَلَى الْمُصْطَفٰى نَعَمْ ذِكْرُ وِلَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعْجِزَاتِهٖ وَحُلْيَتِهٖ وَالْحُضُوْرِ لِسَمَاعَةٍ وَتَزْيِيْنِ الْمَكَانِ وَرَشِّ مَاءِ الْوُرُوْدِ الْبُخُوْرِ بِالْعُوْدِ وَتَعْيِيْنِ الْيَوْمِ وَالْقِيَامِ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِطْعَامِ الطَّعَامِ وَتَقْسِيْمِ التَّمْرِ وَتِرَاءَةِ شَيْئٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ كُلُّهَا مُسْتَحَبَّةٌ

خدا کو حمد ہے اور وہ کافی ہے اور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود۔ ہاں! ولادت و معجزات و حلیہ شریفہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرنا اور اس کے سننے کو حاضر ہونا اور مکان سجانا اور گلاب چھڑکانا اور اگر بتی سلگانا اور دن مقرر کرنا اور ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور کھانا کھلانا اور خرمے بانٹنا اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھنا، سب بلاشک و شبہ مستحب ہے۔

بِلَا شَكٍّ وَرَيْبٍ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالْغَيْبِ۔

ذکر و میلاد قیام کے استحباب پر علماء عرب و مصر، شام و روم اور اندلس متفق ہیں

مولانا محمد صالح لکھتے ہیں:

اُمَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَرَبِ وَالْمِصْرِ وَالشَّامِ وَالرُّوْمِ وَالْاَنْدُلُسِ وَجَمِيْعِ بِلَادِ الْاِسْلَامِ مُجْتَمِعٌ وَمُتَّفِقٌ عَلٰى اِسْتِحْبَابِهٖ وَاسْتِحْسَانِهٖ۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت عرب و مصر و شام و روم و اندلس و تمام بلاد اسلام سے اس کے استحباب و استحسان پر اجماع و اتفاق کیے ہوئے ہے اور اسی طرح احمد بن عثمان و احمد بن عجلان و محمد صدقہ و عبد الرحیم بن محمد زبیدی نے لکھا اور تصدیق کیا۔

فتوائے علماء جدیدہ میں مولانا یحییٰ بن مکرم فرماتے ہیں:

اَلَّفَ فِيْ ذٰلِكَ الْعُلَمَاءُ وَحَثُّوْا عَنْ فِعْلِهٖ فَقَالُوْا لَا يُنْكِرُهَا اِلَّا مُبْتَدِعٌ فَعَلٰى حَاكِمِ الشَّرِيْعَةِ اَنْ يُّعَزِّرَهٗ۔

علماء نے اس بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں اور اس کے فعل پر رغبت دی اور فرمایا: اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی تو حاکم شرع پر اس کی تعزیر لازم۔

مولانا علی شامی فرماتے ہیں:

لَا يُنْكِرُهَا هٰذَا اِلَّا مَنْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ وَقَدْ نَصَّ عُلَمَاءُ السُّنَّةِ عَلٰى اَنَّ هٰذَا مِنَ الْمُسْتَحْسِنِ الْمُثَابِ عَلَيْهِ وَرَدُّوا الرَّدَّ الْحَسَنَ عَلٰى مُنْكِرِهٖ۔۔۔۔الخ

اس کا انکار نہ کرے گا مگر وہ جس کے دل پر خدا نے مہر کر دی اور بے شک علمائے اہل سنت نے تصریح فرمائی کہ یہ مستحسن و کار ثواب ہے اور منکر کا خوب رد فرمایا ہے۔

مولانا علی بن عبد اللہ لکھتے ہیں:

لَا يَشُكُّ فِيْهِ اِلَّا مُبْتَدِعٌ يَّلِيْقُ بِهِ التَّعْزِيْرُ۔

اس میں شک نہیں کرے گا سوائے بدعتی جو قابل سزا ہو گا۔

مولانا علی طحان لکھتے ہیں:

قِرَاءَةُ الْمَوْلِدِ الشَّرِيْفِ وَالْقِيَامِ فِيْهِ مُسْتَحَبٌّ وَمَنْ اَنْكَرَ ذٰلِكَ فَهُوَ الْجَحُوْدُ لَا يَعْرِفُ مَرَاتِبَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

مولد شریف پڑھنا اور اس میں قیام کرنا مستحب ہے اور منکر ہٹ دھرم ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر معلوم نہیں۔

مولانا محمد بن داؤد عبد الرحمٰن لکھتے ہیں:

مُسْتَحَبٌّ يُثَابُ فَاعِلُهٗ وَلَا يُنْكِرُهٗ اِلَّا مُبْتَدِعٌ۔

مستحب ہے کرنے والا ثواب پائے گا اور منکر بدعتی۔

مولانا محمد بن عبد اللہ لکھتے ہیں:

قِرَاءَةُ الْمَوْلِدِ الشَّرِيْفِ وَالْقِيَامِ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُلُّ شَيْئٍ فِي السُّؤَالِ حَسَنٌ بِتَعْظِيْمِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ يَّسْتَحِقُّ التَّعْظِيْمَ غَيْرَهٗ۔

مولد شریف پڑھنا اور ذکر تلاوت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں سب بہ سبب تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن ہیں' حضور کے سوا تعظیم کا مستحق کون ہے۔

مولانا احمد بن محمد بن حلل لکھتے ہیں:

هُوَ الصَّوَابُ اللَّائِقُ بِتَعْظِيْمِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلٰى حَاكِمِ الشَّرِيْعَةِ الْمُطَهَّرَةِ زَجْرُ مَنْ اَنْكَرَ وَتَعْزِيْرُهٗ۔

یہی حق ہے اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناسب۔ پس حاکم شریعت مطہرہ پر لازم ہے کہ منکر کو جھڑکے اور سزا دے۔

مولانا عبدالرحمٰن بن حضری لکھتے ہیں:

اِسْتَحْسَنُوا الْقِيَامَ تَعْظِيْمًا لَهٗ اِذَا جَاءَ ذِكْرُ مَوْلِدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِمَّا صَارَ تَعْظِيْمًا لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَبَ عَلَيْنَا اَدَاؤُهٗ وَالْقِيَامُ بِهٖ وَلَا يُنْكِرُ مَا ذَكَرْنَا اِلَّا مُبْتَدِعٌ مُخَالِفٌ عَنْ طَرِيْقِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ لَا اِسْتِمَاعَ وَلَا اِصْغَاءَ لِكَلَامِهٖ وَعَلٰى حَاكِمِ الْاِسْلَامِ تَعْزِيْرُهٗ۔

علماء نے وقت ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ٹھہرائی تو اس کا ادا کرنا اور بجالانا ہم پر واجب ہو گیا اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر بد عتی مخالف طریقہ اہل سنت و جماعت جس کی بات نہ سننے کے قابل' نہ توجہ کے لائق اور حاکم اسلام پر اس کی تعزیر واجب ہے۔

ذکر میلاد و قیام کے استحباب پر سو سے زائد علماء کی تصریح

بالجملہ! سردست اس قدر کتب و فتاوے و افعال و اقوال علماء ائمہ سے اس قیام مبارک کے استحسان و استحباب کی سند صریح حاضر ہے جس میں سو سے زائد علماء ائمہ کی تحقیق و تصدیق روشن و ظاہر ہے اور رسالہ غایۃ المرام میں علمائے ہند کے بھی فتوے چھپے ہیں جن پر پچاس سے زائد مہر و دستخط ہیں۔ اب منصف انصاف کرے آیا اس قدر علمائے مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' جدہ و جدیدہ و روم و شام و مصر و دمیاط و یمن و زبید و بصرہ و غرموط و حلب و حبش و برزنج و برع و کرد و داغستان و اندلس و ہند کا اتفاق قابل قبول ارباب عقول نہ ہو گا یا معاذ اللہ یہ عمائد شریعت صدہا سال سے آج تک سب کے سب مبتدع و بدمذہب اور ایک بدعت ضلالت کے مستحب و مستحسن ماننے والے ٹھہریں گے۔ تعجب نہ کیجئے تو ہم ایک تدبیر بتائیں۔ ذرا اپنے دل کو خیالات این و آں سے رہائی دیجئے اور آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجئے کہ گویا یہ سینکڑوں اکابر سب کے سب ایک وقت میں زندہ موجود ہیں اور اپنے مراتب عالیہ کے ساتھ ایک مکان عالی شان میں جمع ہوئے اور ان کے حضور مسئلہ قیام پیش ہوا ہے اور ان سب عمائد نے یک زبان ہو کر بلند آواز سے فرمایا ہے بے شک مستحب ہے۔ وہ کون ہے جو اسے منع کرتا ہے ذرا ہمارے سامنے آئے۔ اس وقت ان کی شوکت و جبروت کو خیال کیجئے اور مشتے چند مانعین ہندوستان میں ایک کا منہ چراغ لے کر دیکھئے کہ ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جا کر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے اور یوں تو۔

چو شیراں برفتند از مرغزار
زند روبہ لنگ لاف شکار

سواد اعظم کی اتباع لازم ہے

جسے چاہیے کہہ دیجئے وہ کیا تھے ہم ان کی کب مانتے ہیں۔ ان کا قول کیا حجت ہو سکتا ہے یہ بھی نہ سہی' بالفرض! اگر ان سب اکابر سے بیان مسئلہ میں غلط و خطا ہو جائے تو نقل و روایت میں تو معاذ اللہ کذب و افترا نہ کریں گے' اب اوپر کی عبارتیں دیکھیے کہ کتنے علمائے اہل سنت و جماعت و علمائے بلاد دارالاسلام کا اس فعل کے استحباب واستحسان پر اجماع نقل کیا ہے' کیا اجماع اہلسنت بھی پایہ قبول سے ساقط اور ہنوز دلیل و سند کی حاجت باقی ہے؟ اچھا یہ بھی جانے دو اور ان چند ہندیوں کا خلاف کہ وہ بھی جب کسی طرح کا دینی بندوبست وانتظام نہ رہا اور ہر ایک جو منہ میں آئے بک دینے کا اختیار ملا وقت و موقع پا کر بہک اٹھے ہیں۔ قادح اجماع جانو' تاہم ہماری طرف سواد اعظم میں تو شک نہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔ بڑے گروہ کی پیروی کرو کہ جو اکیلا رہا اکیلا دوزخ میں گیا۔

اور فرماتے ہیں:

اِنَّمَا يَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔ بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے۔

انصاف کیجئے تو حضرت امام اجل محقق اعظم سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور اس وقت کے اکابر علماء واعیان قضاۃ و مشائخ واسلام کا قیام ہی مسلمانوں کے لیے حجت کافیہ تھا۔ جس کے بعد اور سند کی احتیاج نہ تھی جیسا کہ علامہ جلیل علی بن برہان حلبی و علامہ انباری وغیرہما علماء نے تصریح فرمائی' نہ کہ ان ائمہ کے بعد یہ قیام تمام بلاد دارالاسلام کے خواص و عوام میں صدہا سال سے شائع وذائع رہے اور ہزار ہا علماء واولیاء اس پر اتفاق واجماع فرمائیں۔ جب بھی آپ صاحبوں کے نزدیک لائق تسلیم نہ ہو' صد حیف! ہزار افسوس! کہ قرنہا قرن سے علمائے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم سب معاذ اللہ بدعتی و غلط۔ گو کہ غلط کار ٹھہریں اور سچے پکے سنی بنیں تو یہ چند ہی ہندی جنہیں اس ملک میں احکام اسلام جاری نہ ہونے نے ڈھیلی باگ کر دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

یہ ہے مجمل تحقیق استحباب قیام پر صرف ایک دلیل کی اس کے سوا دلائل متکاثرہ وحجج باہرہ و براہین قاہرہ قرآن وحدیث و اصول و قوعد شرع سے اس پر قائم ہیں جن کی تفصیل و توضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل و تفضیح بر طرز بدیع و نہج نجیح حضرت حجتہ الخلف بقیہ السلف تاج العلماء راس الکملاء سیدی و مولائی خدمت والد ماجد حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خان صاحب قادری برکاتی احمدی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی نے رسالہ مستطابہ اَذَاقَةَ الْاٰثَامِ لِمَانِعِي عَمَلِ الْمَوْلِدِ وَالْقِيَامِ میں بما لا مزید علیہ بیان فرمائی جسے تحقیق بے عدیل و تدقیق بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہو' اسے مژدہ دیجئے کہ اس پاک مبارک رسالہ کے مائدہ فائدہ سے زلہ ربا ہو رہا' یہ کہ یہ قیام ذکر ولادت کے وقت کیوں ہے؟ اس کی وجہ نہایت روشن' اولاً: صدہا سال سے علمائے کرام و بلاد دارالسلام میں یونہی معمول' ثانیاً: ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ ذکر پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم مثال ذات اقدس کے ہے اور صور تعظیم سے ایک صورت قیام بھی ہے اور یہ صورت قدوم و معظم بجالائی جاتی ہے اور ذکر ولادت حضور سید المعظمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو یہ تعظیم

اسی ذکر کے ساتھ مناسب ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میاں نذیر حسن دہلوی اور ملا مجتہد دہلوی کا تعاقب

ہمارے فرقہ اہل سنت و جماعت پر رحمت الہیہ کی تمامی سے ہے کہ اس مسئلے میں بہت منکرین کو اپنے گھر بھی جائے دست و پا زدن باقی نہیں، وہ بزور زبان قیام کو بدعت و ناجائز کہتے جاتے ہیں۔ مگر ان کے امام و مولا مرشد و آقا مجتہد الطائفہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کہ آج وہابیہ ہندوستان کے سرو سردار اور ان کے یہاں لقب شیخ الکل فی الکل کے سزاوار ہیں، جن کی نسبت وہابیت ہند کی ناک طائفہ بھر کے بڑے متکلم بے باک کشور توہب کے افسر فوجی میاں بشیر الدین صاحب قنوجی نے اپنے رسالہ ممانعت مجلس و قیام مسمے بہ غایت الکلام میں لکھا: "زبدۃ المحققین وعمدۃ المحدثین مولانا سید نذیر حسین شاہ جہان آبادی از اولیائے عصرو اکابر علمائے زمان است الی آخر الہذیان"۔ یہ حضرت من حیث لا یشعر جواز و استحباب قیام تسلیم فرما چکے۔ امام اجل عالم الامہ کاشف الغمہ سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور ان کے حضار مجلس کا نعت و ذکر حضور اصطفا علیہ افضل التحیۃ والثناء سن کر قیام فرمانا تو ہم اوپر ثابت کر آئے اور اس سے ملا مجتہدی دہلوی بھی انکار نہیں کرسکتے کہ خود اسی مسئلہ میں ان کے امام مستند علامہ شامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی سبل الہدیٰ والرشاد میں یہ حکایت نقل فرمائی۔ اب سنئے کہ مجتہد بہادر اپنے ایک دستخطی مہری مصدقہ فتوے میں کہ فقیر کے پاس اصلی موجود ہے، کیا کچھ تسلیم فرماتے ہیں۔ ان امام ہمام کی نسبت لکھا ہے: "تقی الدین سبکی کے اجتہاد پر علماء کا اجماع ہے"۔ امام علامہ مجتہد ابن حجر مکی ان کی تعریف میں فرماتے ہیں: اَلْاِمَامُ الْمَجْمَعُ عَلٰی جَلَالَتِہٖ وَاجْتِہَادِہٖ" یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ امام تقی الدین کا مجتہد ہونا ان تیرہ صدی کے مجتہد کو مقبول ہے اور اسی فتوے میں ہے: "جب ایک امام صحیح الاجتہاد نے ایک کام کیا تو ضرور ہے کہ اس کا اجتہاد اس کی طرف مودی ہوا اور اجتہاد مجتہد بے شک حجت شرعیہ ہے"۔

اب کیا کلام رہا کہ اس قیام کے جواز پر حجت شرعیہ قائم اور سنئے اسی فتوے میں ہے "جیسے ائمہ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت نہیں ٹھہر سکتا، جو کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار و رہبان پرست ہے کہ مجتہد چاہے اگلا ہو یا پچھلا وہ تو مظہر حکم خدا ہے نہ مثبت"۔ اب تو ماننا پڑے گا کہ جو شخص قیام کو بدعت ضلالت کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار و رہبان پرست ہے اور سنئے تمام طائفہ جو ایسی جگہ اس خبط پر ناز کرتا تھا کہ یہ قیام حادث ہے اور حدیث میں محدثات کی مذمت و مجتہد صاحب نے یہ دروازہ بھی بند کر دیا کہ اسی فتوے میں ہے خدا نے مجتہدوں کو اس لیے بنایا ہے کہ جو واقعہ تازہ پیدا ہو، اس کا ان اماموں پر طعن بعینہ قرآن و حدیث پر طعن ہے اور ایسی جگہ حدیث "مَنْ اَحْدَثَ --- الخ" پڑھنا اول تو جھوٹ دوسرے بے محل۔ اس مقام کا زیادہ احقاق و اکمال اور دلائل مانعین کا ازہاق و ابطال فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے رسالہ "الصارم الالٰہی علی عمائد المشرب الواھی" پر محمول کہ رد فتوائے مولوی نذیر حسین دہلوی میں زیر قصد تالیف ہے۔ وہاں انشاء اللہ العزیز فیض الٰہی نئے طور سے بندہ اذل ارذل کے لیے کار فرمائے عنایت و اعانت ہو گا جو کچھ لکھا جائے گا محض اقرار و اعتراف عمائد فرقہ سے مثبت ہو گا۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

مقام دوم

اس مقام کی شرح و تفصیل مفضی نہایت اطناب و تطویل کہ اگر اس کا ایک حصہ بیان میں آئے تو کتاب مستقل ہو

جائے، معہذا ہمارے علمائے عرب و عجم بحمد اللہ تعالیٰ اس سے فارغ ہو چکے کوئی دقیقہ احقاق حق و باطل کا اٹھا نہ رکھا، علی الخصوص حضرت حامی السنن ماحی الفتن حجتہ اللہ فی الارضین معجزہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سیدی و مولائی خدمت والدم روح اللہ روحہ و نور ضریحہ نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں وہ تحقیقات بدیعہ و تدقیقات منیعہ ارشاد فرمائیں جن کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حق کے لیے نہیں مگر غایت انجلاء و بیان اور باطل کو نصیب نہیں، بلکہ موت بے امان، والحمد للہ رب العالمین۔ لہٰذا فقیر یہاں چند اجمالی نکتوں پر بر سبیل اشارہ و ایماء اکتفا کرتا ہے، اگر اسی قدر چشم انصاف میں پسند آیا فبہا، ورنہ انشاء اللہ تعالیٰ فقیر تفصیل و تکمیل کے لیے حاضر۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نہی کی دلیل شرعی نہ ہو تو وہ مباح ہے

نکتہ ۱: اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت ہے اور اس کی برائی پر دلیل شرعی ناطق وہی تو ممنوع و مذموم ہے، باقی سب چیزیں جائز و مباح رہیں گی، خاص ان کا وجود جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو شخص جس فعل کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے، اس پر واجب کہ اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کرے اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل قائم کرے اور دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔ جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ و مستدرک حاکم میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مِمَّا عَفَا عَنْہُ۔

حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرما دیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے، یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں۔

مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

فِیْہِ اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَآءِ الْاِبَاحَۃُ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔

شیخ محقق شرح میں فرماتے ہیں "وایں وایں دلیل ست بر آنکہ اصل در اشیاء اباحت ست"

نصر کتاب الحجہ میں فرماتے ہیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَکُمْ وَھُوَ اَعْلَمُ بَعْضَکُمْ فَبَعَثَ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ وَاَنْزَلَ عَلَیْکُمْ کِتَابًا وَحَدَّ لَکُمْ فِیْہِ حُدُوْدًا اَمَرَکُمْ اَنْ لَّا تَعْتَدُوْھَا وَفَرَضَ فَرَائِضَ اَمَرَکُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْھَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ نَھَاکُمْ اَنْ تَنْتَھِکُوْھَا وَتَرَکَ اَشْیَاءَ لَمْ یَدَعْھَا نِسْیَانًا

بے شک اللہ عزوجل نے تمہیں پیدا کیا، اور وہ تمہاری ناتوانی جانتا ہے۔ تو تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا اور تم پر ایک کتاب اتاری اور اس میں تمہارے لیے کچھ حدیں باندھیں اور تمہیں حکم دیا کہ ان سے نہ بڑھو اور کچھ فرض کیے اور تمہیں حکم دیا کہ ان کی پیروی کرو اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں اور تمہیں ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا اور کچھ

فَلَا تَتَكَلَّفُوْهَا وَاِنَّمَا تَرَكَهَا رَحْمَةً لَّكُمْ۔

چیزیں اس نے چھوڑ دیں کہ بھول کر نہ چھوڑیں' ان میں تکلف نہ کرو اور اس نے تو تم پر رحمت ہی کے لیے انہیں چھوڑا ہے۔

از خود کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہنا اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنا ہے

امام عارف سیدی عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

لَيْسَ الْاِحْتِيَاطُ فِی الْاِفْتِرَاءِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِاِثْبَاتِ الْحُرْمَةِ اَوِ الْكَرَاهَةِ الَّذِيْنَ لَا بُدَّ لَهُمَا مِنْ دَلِيْلٍ بَلْ فِی الْاِبَاحَةِ الَّتِیْ هِیَ الْاَصْلُ۔

یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افترا کر دو کہ حرمت و کراہت کے لیے تو دلیل درکار ہے' بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

مولانا علی قاری رسالہ اقتداء بالمخالف میں فرماتے ہیں:

مِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ الْاَصْلَ فِیْ كُلِّ مَسْئَلَةٍ هُوَ الصِّحَّةُ وَاَمَّا الْقَوْلُ بِالْفَسَادِ اَوِ الْكَرَاهَةِ فَيُحْتَاجُ اِلٰی حُجَّةٍ مِّنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاِجْمَاعِ الْاُمَّةِ۔

یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے اور اس کے سوا بہت آیات و احادیث سے یہ مطلب ثابت اور اکابر ائمہ سلف و خلف کے کلام میں اس کی تصریح موجود' یہاں تک کہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے فتوائے مصدقہ مہری دستخطی میں ہے: اومد ہوش بے عقل خدا اور سول نے ناجائز کہاں کہا ہے۔۔۔الخ۔اھ ملخصا۔

پس مجلس میلاد و قیام وغیرہما بہت امور متنازع فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں' شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لیے دلیل ہے' تو ہم سے سند مانگنا سخت نادانی اور بحکم مجتہد بہادر عقل و ہوش سے جدائی ہے۔ ہاں! تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا اور رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا' اگر ثبوت نہ دو اور انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرع مطہر پر افتراع کیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ' سُبْحَانَ اللّٰهِ الٹا سند کا مطالبہ ہم سے۔

ہر خصوصیت کا ثبوت شرعی ضروری نہیں

نکتہ: عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے آج تک علماء میں شائع و ضائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی' ہمیشہ محمود رہے گی' تاوقتیکہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے۔ مثلاً مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد آجائے گی بہتر ہی ہوگی۔ ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں' مگر پاخانہ میں بیٹھ کر یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت' غرض! جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی' بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاج دلیل

ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے: شَاعَ وَذَاعَ اِحْتِجَاجُهُمْ سَلَفًا وَخَلَفًا بِالْعُمُوْمَاتِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ۔ اسی میں ہے: اَلْعَمَلُ بِالْمُطْلَقِ يَقْتَضِي الْاِطْلَاقَ تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے: يُعْمَلُ بِهِ اَنْ يَّجْرِيَ فِيْ كُلِّ مَا صَدَقَ عَلَيْهِ الْمُطْلَقِ۔ یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیر میں ہے جب عام و مطلق چھوڑا تو یقیناً اپنے عموم و اطلاق سے استدلال برابر زمانہ صحابہ کرام سے آج تک بلا نکیر رائج ہے۔

ذکر رسول عین ذکر الٰہی ہے

اب سنئے ذکر الٰہی کی خوبی شرعاً مطلقاً ثابت:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ خدا کو یاد کرو بہت یاد کرو۔

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء اللہ و اولیاء اللہ علیہم الصلوۃ والسلام کی یاد عین خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد ہے تو اسی لیے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ اللہ کے ولی ہیں معہذا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد مجالس و محافل میں یونہی ہوتی ہے کہ حضرت حق و تبارک و تعالیٰ نے انہیں یہ مراتب بخشے' یہ کمال عطا فرمائے' اب چاہے اسے نعت سمجھ لو یعنی ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے ہیں جنہیں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسے ایسے درجے دیئے۔ اس وقت یہ کلام کریمہ "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ" کی قبیل سے ہوگا چاہے حمد سمجھ لو یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے۔ اس وقت یہ کلام کریمہ "سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ وَكَرِيْمَهٖ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى" کے طور پر ہو جائے گا' حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے فرماتا ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اور بلند کیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر۔

امام علامہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ شفا شریف میں اس آیت کریمہ کی تفسیر سیدی ابن عطا قدس سرہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں: "جَعَلْتُكَ ذِكْرًا مِّنْ ذِكْرِيْ فَمَنْ ذَكَرَكَ ذَكَرَنِيْ" یعنی حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کی جو تمہارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا۔

بالجملہ! کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کر سکتا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد بعینہ خدا کی یاد ہے۔ پس بحکم اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی حسن و محمود ہی رہے گی اور مجلس میلاد و صلاۃ بعد اذان وغیرہما کسی خاص طریقہ کے لیے ثبوت مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہوگی۔ ہاں! جو کوئی اس طرق کو ممنوع کہے' وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے' اسی طرح نعمت الٰہیہ کے بیان و اظہار کا ہمیں مطلقاً حکم دیا گیا۔

قَالَ تَعَالٰى وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو۔

اور ولادت اقدس حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے۔ تو اس کے خوب بیان و اظہار کا نص قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا اور بیان و اظہار مجمع میں بخوبی ہوگا تو ضرور چاہیے کہ جس قدر ہو سکے لوگ جمع کیے جائیں اور انہیں ذکر ولادت باسعادت سنایا جائے' اسی کا نام مجلس میلاد ہے۔

نبی کی تعظیم بہر طریق محمود ہے

علی ہذا القیاس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآن عظیم سے مطلقاً ثابت:

قَالَ تَعَالٰی اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔

اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

قَالَ تَعَالٰی وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۔

جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے' وہ بے شک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰی وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَذٰلِکَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔

جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے یہاں۔

پس بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقہ سے کی جائے گی حسن و محمود ہی رہے گی اور خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا' ہاں! اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا' اس لیے علامہ ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں:

تَعْظِيْمُ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَمِيْعِ اَنْوَاعِ التَّعْظِيْمِ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا مُشَارَكَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فِي الْاُلُوْهِيَّةِ اَمْرٌ مُّسْتَحْسَنٌ عِنْدَ مَنْ نَوَّرَ اللّٰهُ اَبْصَارَهُمْ۔

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو' ہر طرح امر مستحسن ہے۔ ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے۔

پس یہ قیام کہ وقت ذکر ولادت شریفہ اہل اسلام محض بنظر تعظیم و اکرام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام بجالاتے ہیں' بے شک حسن و محمود ٹھہرے گا تاوقتیکہ مانعین خاص اس صورت کی برائی کا قرآن و حدیث سے ثبوت نہ دیں "وانی لهم ذلک"۔ تنبیہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ تابعین و تبع تابعین تو درکنار خود قرآن عظیم سے مجلس و قیام کی خوبی ثابت ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

نکتہ ۳: ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک کسی فعل کے لیے رخصت یا ممانعت ماننا اس پر موقوف کہ قرآن و حدیث میں خاص اس کا نام لے کر جائز کہا یا منع کیا ہو' یا اس کی کچھ حاجت نہیں' بلکہ کسی عام یا مطلق مامور بہ یا عام یا مطلق منہی عنہ کے تحت داخل ہونا کفایت کرتا ہے۔ برتقدیر اول تم پر فرض ہوا کہ بالخصوص مجلس و قیام مجلس کے نام کے ساتھ قرآن و حدیث سے حکم ممانعت دکھاؤ۔ برتقدیر ثانی کیا وجہ کہ ہم سے رخصت خاصہ کا ثبوت مانگتے ہو اور باآنکہ یہ افعال اطلاقات ذکر و تحدیث و تعظیم و توقیر کے تحت میں داخل ہیں' جائز نہیں مانتے۔

کسی فعل کی اچھائی یا برائی زمانہ پر موقوف نہیں

نکتہ ۴: حضرات مانعین کا تمام طائفہ اس مرض میں گرفتار کہ قرن و زمانہ کو حاکم شرعی بنایا ہے جو نئی بات کہ قرآن و حدیث میں بایں ہیئت کذائی کہیں اس کا ذکر نہیں جب فلاں زمانہ میں ہو تو ضلالت و گمراہی' حالانکہ شرعاً و عقلاً کسی طرح زمانہ کو احکام شرع یا کسی فعل کی تحسین و تقبیح پر قابو نہیں' نیک بات کسی وقت میں ہو نیک ہے اور برا کام کسی زمانہ میں ہو برا ہے۔ آخر بلوائے مصر واقعہ کربلا حادثہ حرہ و بدعات خوارج و شناعات' روافض و خباثات نواصب و خرافات معتزلہ وغیرہا امور شنیعہ

زمانہ صحابہ و تابعین میں حادث ہوئے، مگر معاذ اللہ اس وجہ سے وہ نیک نہیں ٹھہر سکتے اور بنائے مدارس و تصنیف کتب و تدوین علوم و رد مبتدعین و تعلیم و تعلم نحو و صرف و طرق اذکار، و صور اشغال، اولیائے سلاسل قدست اسرار ہم وغیرہا امور حسنہ ان کے بعد شائع ہوئے، مگر عیاذاً باللہ اس وجہ سے بد نہیں قرار پاسکتے کہ اس کا مدار نفس فعل کے وقبح پر ہے۔ جس کام کی خوبی صراحتاً یا اشارتاً قرآن و حدیث سے ثابت ہے، وہ بے شک قبیح ٹھہرے گا، خواہ کسی وقت میں حادث ہو، جمہور محققین ائمہ و علماء نے اس قاعدہ کی تصریح فرمائی۔

اگرچہ منکرین براہ سینہ زوری نہ مانیں۔ امام ولی الدین ابوزرعہ عراقی کا قول پہلے گزرا کہ کسی چیز کا نوپید ہونا موجب کراہت نہیں کہ بہتیری بدعتیں مستحب، بلکہ واجب ہوتی ہیں جب کہ ان کے ساتھ کوئی مفسدہ شرعیہ نہ ہو، اسی طرح امام علامہ مرشد ملت حکیم امت سیدنا و مولانا حجتہ الحق والاسلام محمد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد بھی اوپر مذکور ہے۔ صحابہ سے منقول نہ ہونا باعث ممانعت نہیں، بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کا رد کرے اور کیمیائے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں: "ایں ہمہ اگرچہ بدعت ست و از صحابہ تابعین نقل نہ کردہ اند، لیکن نہ ہرچہ بدعت بود نہ شاید کہ بسیاری بدعت نیکو باشد، پس بدعتیکہ مذموم ست آنکہ مخالف سنت باشد"۔ امام بیہقی وغیرہ علمائے حضرات امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اَلْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْاُمُوْرِ ضَرْبَانِ اَحَدُهُمَا مَا اَحْدَثَ مِمَّا يُخَالِفُ كِتَابًا اَوْ سُنَّةً اَوْ اَثَرًا وَاِجْمَاعًا فَهٰذِهِ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ وَالثَّانِيْ مَا اَحْدَثَ مِنَ الْخَيْرِ وَلَا خِلَافَ فِيْهِ لِوَاحِدٍ مِّنْ هٰذَا وَهِيَ غَيْرُ مَذْمُوْمَةٍ:

نو پید باتیں دو قسم کی ہیں: ایک وہ کہ قرآن یا احادیث یا آثار یا اجماع کے خلاف نکالی جائیں یہ تو بدعت گمراہی ہے، دوسرے اچھی بات کہ احداث کی جائے اور اس میں ان چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بری نہیں۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

وَالْبِدْعَةُ اِنْ كَانَتْ مِمَّا تَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَحْسِنٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَاِنْ كَانَتْ تَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَقْبِحٍ فَهِيَ مُسْتَقْبِحَةٌ وَاِلَّا فَمِنْ قِسْمِ الْمُبَاحِ۔

بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو تو وہ قسم مباح سے ہے۔

اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی۔ اب مجلس و قیام وغیرہما امور متنازع فیہا کی نسبت تمہارا یہ کہنا کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں نہ تھے لہٰذا ممنوع ہیں، محض باطل ہو گیا۔ ہاں! اس وقت ممنوع ہو سکتے ہیں جب تم کافی ثبوت دو کہ خاص ان افعال میں شرعاً کوئی برائی ہے، ورنہ اگر کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو محمود اور بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے تو مباح ہو کر محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیت نیک کیا جائے شرعاً محمود ہو جاتا ہے۔ کمافی بحرالرائق وغیرہ۔ کیوں کیسے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ ان افعال کی سند زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے مانگنا کس قدر نادانی جہالت تھا۔ والحمد للہ۔

اکابر امت جس کو مستحسن کہیں وہ مستحسن ہے

نکتہ ۵: بڑی مستند ان حضرات کی حدیث خیر القرون قرنی ہے۔ اس میں بحمد اللہ ان کے مطلب کی بو بھی نہیں۔ حدیث میں تو صرف اس قدر ارشاد ہوا کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، اس کے بعد جھوٹ اور خیانت اور تن

پروری اور خواہی نخواہی گواہی دینے کا شوق لوگوں میں شائع ہو جائے گا۔ اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ ان زمانوں کے بعد کچھ حادث ہو گا اگرچہ کسی اصل شرعی یا عام مطلق مامور بہ کے تحت میں داخل ہو شنیع و مذموم ٹھہرے گا جو اس کے ثبوت کا دعویٰ رکھتا ہو بیان کرے کہ حدیث کے کون سے لفظ کا یہ مطلب ہے۔ اے عزیز! یہ تو بالبداہتہ باطل کو زمانہ صحابہ و تابعین میں شر مطلقاً نہ تھا' نہ ان کے بعد خیر مطلقاً رہی۔ ہاں! اس قدر میں شک نہیں کہ سلف میں اکثر لوگ خدا ترس' متقی' پرہیزگار تھے' بعد کو فتنے فساد پھیلتے گئے۔ پھر یہ کن میں' انہی لوگوں میں علم و محبت اکابر سے بہرہ نہیں رکھتے' ورنہ علمائے دین ہر طبقہ اور ہر زمانہ منبع و مجمع خیر رہے ہیں۔

مگر ہوا یہ کہ ان زمانوں میں علم بکثرت تھا کم لوگ جاہل رہتے اور جو جاہل تھے' وہ علماء کے فرمانبردار' اس لیے شر و فساد کو کم دخل ملتا کہ دین متین دامن علم سے وابستہ ہے۔ اس کے بعد علم کم ہو تا گیا۔ جہل نے فروغ پایا' جاہلوں نے سرکشی و خود سری اختیار کی' لاجرم فتنوں نے سر اٹھایا' اب یہیں یہ دیکھ لیجئے کہ صدہا سال سے علمائے دین مجلس و قیام کو مستحب و مستحسن کہتے چلے آتے ہیں تم لوگ ان کا حکم نہیں مانتے۔ انہیں سرتابیوں نے اس زمانہ کو زمانہ شر بنادیا' تو یہ جس قدر مذمتیں ہیں' زمانہ مابعد کے جہال کی طرف راجع ہیں۔ ان سے کون سا استدلال کرتا ہے' نہ ہمارا یہ عقیدہ کہ جس زمانہ کے جاہل جو بات چاہیں' اپنی طرف سے نکال لیں وہ مطلقاً محمود ہو جائے گی۔ کلام علماء میں ہے کہ جس امر کو یہ اکابر امت مستحب و مستحسن کہیں' وہ بے شک مستحب و مستحسن ہے' چاہے کبھی واقع ہو کہ علمائے دین کسی وقت میں مصدر و مظہر شر نہیں ہوتے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

محدثات حسنہ ہر زمانے میں حسن ہیں

نکتہ ۶: اگر کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا نقصان احادیث میں مذکور ہونا اسی کو مستلزم ہو کہ اس زمانہ کے محدثات خیر ٹھہریں اور مابعد کے شر تو اکثر زمانہ صحابہ و تابعین سے بھی ہاتھ اٹھا رکھئے۔

اَخْرَجَ الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ عَنْ اَنَسٍ رَّضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِيْ بَنُو الْمُصْطَلِقِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا سَلْ لَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مَنْ نَّدْفَعُ صَدَقَاتِنَا بَعْدَكَ فَقَالَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ قَالُوْا فَاِنْ حُدِّثَ بِاَبِيْ بَكْرٍ حَدَثٌ قَالَ مَنْ قَالَ اِلٰى عُمَرَ قَالُوْا فَاِنْ حُدِّثَ بِعُمَرَ حَدَثٌ فَقَالَ اِلٰى عُثْمَانَ قَالُوْا فَاِنْ حُدِّثَ بِعُثْمَانَ حَدَثٌ فَقَالَ اِنْ حُدِّثَ بِعُثْمَانَ حَدَثٌ فَتَبًّا لَّكُمُ الدَّهْرَ فَتَبَّاهُ۔ ملخصا۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے بنی مصطلق نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ حضور سے پوچھوں حضور کے بعد ہم اپنے اموال زکوٰۃ کسے دیں گے؟ فرمایا: ابو بکر کو۔ کہا' اگر ابو بکر کو کوئی حادثہ واقع پیش آئے۔ فرمایا: عمر کو۔ عرض کی اگر عمر کو کوئی حادثہ واقع ہو۔ فرمایا: عثمان کو۔ کہا' اگر عثمان کو کوئی حادثہ مونہہ دکھائے۔ فرمایا: اگر عثمان کا بھی واقعہ ہو تو خرابی ہے تمہارے لیے ہمیشہ' پھر خرابی ہے۔

وَاَخْرَجَ اَبُوْنُعَيْمٍ فِي الْحُلْيَةِ وَالطَّبْرَانِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب انتقال فرماؤں میں اور ابو بکر و عمر و عثمان' تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ مرجائے'

عَنْهُ فِی حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ اَجَلُہٗ وَعُمَرَ وَ عُثْمَانَ اَجَلُہٗ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَمُوْتَ فَمُتْ۔

تو مرجانا۔

وَاَخْرَجَ اَبُوْنُعَیْمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَمُتُّ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَمُوْتَ فَمُتْ۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب انتقال فرماؤں میں اور ابوبکر و عمر و عثمان تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ مرجائے تو مرجانا۔

وَاَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ عَنْ عَصَمَۃَ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْحَکَ اِذَا مَاتَ عُمَرُ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَمُوْتَ فَمُتْ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر افسوس جب عمر مرجائے تو اگر مرسکے تو مرجانا۔ حَسَّنَہ الامامَ جلالَ الدین وفی الحدیث۔

قصہ اب تمہارے طور پر چاہیے کہ زمانہ پاک حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، بلکہ صرف زمانہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک خیر رہے، پھر جو کچھ حادث ہو اگرچہ عین خلافت حقہ راشدہ سیدنا و مولانا امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ میں وہ معاذ اللہ سب شر و قبیح و مذموم و بدعت ضلالت قرار پائے۔ خدا ایسی بری سمجھ سے اپنی پناہ میں رکھے اور مزہ یہ کہ ان احادیث کے مقابل حدیث خیر القرون بھی نہیں لاسکتے کہ تمہارے امام اکبر مولوی اسمٰعیل دہلوی انہیں احادیث اور ان کے امثال پر نظر کرکے حدیث خیر القرون کے معنی ہی کچھ اور بتا گئے ہیں، دیکھیے "ازالۃ الخفاء" میں کیا کچھ فرمایا ہے۔ حدیث خیر القرون ذکر کرکے لکھتے ہیں:

"بنائے استدلال بر توجیہ صحیح ست کہ اکثر احادیث شاہد آنست قرن اول از زمانہ ہجرت آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تا زمان وفات وی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قرن ثانی از ابتدائی خلافت صدیق تا وفات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما و قرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ است و قرن در لغت قوم متقاربین فی السن بعد ازاں قومی راکہ در ریاست و خلافت مقترن باشند قرن گفتہ شد چوں خلیفہ دیگر باشد دوزرائی حضور دیگر امرائے امصار دیگر و رؤسائی جیوش دیگر و حربیان دیگر وزمیان دیگر تفاوت قرن بہم می رسد"۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"قرن اول زمان آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بود از ہجرت تا وفات و قرن ثانی زمانہ شیخین و قرن ثالث زمان ذی النورین بعد ازاں اختلاف ہا پدید آمد و فتنہا ظاہر گردیدند"۔

بالجملہ اس قدر تو شک نہیں کہ یہ معنی بھی حدیث میں صاف محتمل اور بعد احتمال کے تمہارا استدلال یقیناً ساقط وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

علماء امت کے بارش کی مانند ہیں

نکتہ ۷: اگر کسی زمانہ کی تعریف حدیث میں آنا اسی کا موجب ہو کہ اس کے محدثات خیر قرار پائیں تو بسم اللہ وہ حدیث ملاحظہ ہو کہ امام ترمذی نے بہ سند حسن حضرت انس اور امام احمد نے حضرت عمار بن یاسر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں عمار بن یاسر و سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی اور محقق دہلوی نے اشعتہ اللمعات شرح مشکوۃ میں بنظر کثرت طرق اس کی صحت پر حکم دیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یَدْرِیْ اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ آخِرُہٗ۔

میری امت کی کہاوت ایسی ہے جیسے مینہ کہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اگلا بہتر ہے یا پچھلا۔

شیخ محقق شرح میں لکھتے ہیں: "کنایہ است از بودن ہمہ امت خیر چنانکہ مطر ہمہ نافعت"۔

امام مسلم اپنی شرح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی:

لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ اَوْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ ظَاھِرُوْنَ عَلَی النَّاسِ۔

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا۔ انہیں نقصان نہ پہنچائے گا جو انہیں چھوڑے گا یا ان کا خلاف کرے گا، یہاں تک کہ خدا کا وعدہ آئے گا اس حال میں کہ وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

شاہ ولی اللہ "ازالتہ الخفاء" میں لکھتے ہیں:

"گمان میر کہ در زمان شرور ہمہ کس شریر بودہ اند و عنایت ہائے الٰہی در تہذیب نفوس بے کار افتاد، بلکہ ایں جا اسرار عجیب است۔

عیب می جملہ بہ گفتی سبزش نیز بگوید نفی حکمت ممکن از بہر دل عامی چند در ہر زمانہ طائفہ را ضبط انوار و برکات ساختہ اند"

کہئے اب کدھر گئی ان قرون کی تخصیص اور کیوں نہ خیر ٹھہریں گے وہ امور جو علمائے و عرفائے مابعد میں بلحاظ اصول و عموم و اطلاق شائع ہوئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

کسی چیز کے حسن ہونے کا مدار زمانہ پر موقوف نہیں

نکتہ ۸: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے محاورات و مکالمات کو دیکھئے تو وہ خود صاف صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ کچھ ہمارے زمانہ میں ہونے نہ ہونے پر مدار خیریت و شریت نہیں۔ دیکھئے! بہت نئی باتیں کہ زمانہ پاک حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نہ تھیں، ان کے زمانہ میں پیدا ہوئیں اور وہ انہیں برا کہتے اور نہایت تشدد و انکار فرماتے اور بہت تازہ باتیں حادث ہوتیں کہ ان کو بدعت و محدثات مان کر خود کرتے اور لوگوں کو اجازت دیتے اور خیر و حسن بتاتے۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔

نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ۔

کیا اچھی بدعت ہے یہ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چاشت کی نسبت فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْبِدْعَۃُ وَنِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ وَاِنَّھَا لِمَنْ

بے شک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بے

اَحۡسَنَ مَا اَحۡدَثَهُ النَّاسُ۔ شک وہ ان بہتر چیزوں میں سے بہتر ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں۔

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اَحۡدَثۡتُمۡ قِيَامَ رَمَضَانَ فَدُوۡمُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ وَلَا تَتۡرُكُوۡا۔ تم لوگوں نے قیام رمضان نیا نکالا تو اب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کیے جاؤ اور کبھی نہ چھوڑنا۔

دیکھو! یہاں تو صحابہ کرام نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کیا اور انہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسجد میں ایک شخص کو ثویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا:

اُخۡرُجۡ بِنَا مِنۡ عِنۡدِ هٰذَا الۡمُبۡتَدِعِ۔ نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے۔

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو نماز میں بسم اللہ با آواز بلند پڑھتے سن کر فرمایا:

اَیۡ بُنَیَّ مُحۡدَثٌ اِیَّاكَ وَالۡحَدَثَ۔ اے میرے بیٹے! یہ نو پیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔

یہ فعل بھی اسی زمانہ میں واقع ہوئے تھے انہیں بدعت سیئہ مذمومہ ٹھہرایا۔

تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اپنے زمانہ میں ہونے نہ ہونے پر مدار نہ تھا' بلکہ نفس فعل کو دیکھتے اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا اجازت دیتے' ورنہ منع فرماتے اور یہی طریقہ بعینہ زمانہ تابعین وتبع تابعین میں رائج رہا۔ اپنے زمانہ کی بعض نو پیدا چیزوں کو منع کرتے' بعض کو جائز رکھتے اور اس منع واجازت کے لیے آخر کوئی معیار تھی اور وہ نہ تھی مگر نفس فعل کی بھلائی یا برائی تو باتفاق صحابہ و تابعین قاعدہ شرعیہ وہی قرار پایا کہ حسن حسن ہے۔ اگرچہ بنا ہو اور قبیح قبیح ہے گو پرانا ہو' پھر ان کے بعد یہ اصل کیونکر بدل سکتی ہے' ہماری شرع بحمد اللہ ابدی ہے جو قاعدے اس کے پہلے تھے' قیامت تک رہیں گے۔ معاذ اللہ! زید و عمرو کا قانون تو ہے ہی نہیں کہ تیسرے سال بدل جائے۔

ہر نیا کام فی نفسہ اچھا ہونا چاہیے

نکتہ ۹: یہ اعتراض کہ پیشوائے دین نے تو یہ فعل کیا ہی نہیں ہم کیونکر کریں' زمانہ صحابہ میں پیش ہو کر رد ہو چکا اور بفرمان جلیل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و سیدنا فاروق اعظم وغیرہما صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرار پا چکا کہ بات کا فی نفسہ نیک ہونا چاہیے۔ اگرچہ پیشوائے دین نے نہ کی ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

عَنۡ زَيۡدِ بۡنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنۡهُ قَالَ اَرۡسَلَ اِلَيَّ اَبُوۡبَكۡرٍ مَقۡتَلَ اَهۡلِ الۡيَمَامَةِ فَاِذَا عُمَرُ بۡنُ الۡخَطَّابِ عِنۡدَهٗ قَالَ اَبُوۡبَكۡرٍ اِنَّ عُمَرَ اَتَانِيۡ فَقَالَ اِنَّ الۡقَتۡلَ قَدِ اسۡتَحَرَّ يَوۡمَ الۡيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الۡقُرۡاٰنِ وَاِنِّيۡ اَخۡشٰى اِنِ اسۡتَحَرَّ الۡقَتۡلُ بِالۡقُرَّاءِ بِالۡمَوَاطِنِ فَيَذۡهَبُ كَثِيۡرٌ مِّنَ الۡقُرۡاٰنِ وَاِنِّيۡ اَرٰى اَنۡ تَاۡمُرَ بِجَمۡعِ الۡقُرۡاٰنِ قُلۡتُ لِعُمَرَ كَيۡفَ تَفۡعَلُ شَيۡئًا لَمۡ يَفۡعَلۡهُ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یونہی لڑائیوں میں حافظ شہید ہوتے گئے تو بہت قرآن جاتا رہے گا' میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لینے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کرو گے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عُمَرُ هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِذٰلِكَ وَرَاَيْتُ فِيْ ذَالِكَ الَّذِيْ رَاٰى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْاٰنَ وَاجْمَعْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِيْ نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ اَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا اَمَرَنِيْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ بَكْرٍ كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ اَبُوْبَكْرٍ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ لَهٗ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ وَاَجْمَعُهُ الْحَدِيْثَ۔

نے جواب دیا اگر چہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے' صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے اس معاملہ میں بحث کرتے رہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے میرا سینہ اس امر کے لیے کھول دیا اور میری رائے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی رائے سے موافق ہوگئی۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر جمع قرآن کا حکم دیا۔ انہیں بھی وہی شبہ گزرا اور عرض کی' بھلا آپ ایسی بات کیوں کرتے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کی۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی جواب دیا کہ خدا کی قسم! بات تو بھلائی کی ہے پھر دونوں صاحبوں میں بحث ہوتی رہی یہاں تک کہ ان کی رائے بھی شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے کے ساتھ موافق ہوئی اور انہوں نے قرآن عظیم جمع کیا۔

دیکھو! جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہوتا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا ہم صحابہ ہیں۔ ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے' بلکہ یہ جواب فرمایا کہ اگر چہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا' پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن عظیم باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ اب غضب کی بات ہے کہ ان حضرات کو سودا اچھلے اور جو بات کہ صحابہ کرام میں طے ہو چکی پھر اکھیڑیں۔

اسلاف کی محبت و تعظیم سراسر خیر ہے

نکتہ ۱۰: جو اعتراض ہم پر کرتے ہیں کہ تم کیا صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے محبت و تعظیم میں زیادہ ہو کہ کچھ انہوں نے نہ کیا تم کرتے ہو' لطف یہ ہے کہ بعینہ وہی اعتراض اگر قابل تسلیم ہو تو تبع تابعین پر باعتبار تابعین اور تابعین پر باعتبار صحابہ اور صحابہ پر باعتبار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وارد۔ مثلاً جس فعل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ و تابعین نے نہ کیا اور تبع تابعین کے زمانہ میں پیدا ہو تم اسے بدعت نہیں کہتے۔ ہم کہتے ہیں اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین ہی کرتے۔ تبع تابعین کیا ان سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں جو انہوں نے نہ کیا یہ کریں گے' اسی طرح تابعین کے زمانہ میں جو کچھ پیدا ہوا اس پر وارد ہوگا کہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کیوں نہ کرتے۔ تابعین کچھ ان سے بڑھ کر ٹھہرے' علیٰ ہٰذا القیاس جو نئی باتیں صحابہ نے کیں ان میں بھی تمہاری طرح کہا جائے گا۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ! ان کی خوبی نہ معلوم ہوئی یا صحابہ کو افعال خیر کی طرف زیادہ توجہ تھی، غرض! یہ بات ان مدہوشوں نے ایسی کہی جس کی بنا پر عیاذاً باللہ! عیاذاً باللہ! تمام صحابہ و تابعین بھی بدعتی ٹھہرائے جاتے ہیں مگر اصلی وہی ہے کہ نہ کرنا اور بات ہے اور منع کرنا اور چیز' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا' تو صحابہ کو کون مانع ہے کہ اسے نہ کریں اور صحابہ نہ کریں تو تابعین کو کون عائق وہ نہ کریں تو تبع تابعین پر الزام نہیں' وہ نہ کریں تو ہم پر مضائقہ نہیں' بس اتنا ہونا چاہیے کہ شرع کے نزدیک وہ کام برا نہ ہو۔ عجب لطف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کا قطعانہ کرنا تو حجت ہوا اور تبع تابعین کو باوجود ان سب کے نہ کرنے کی اجازت ملی مگر تبع میں وہ خوبی ہے کہ جب وہ بھی نہ کریں تو اب پچھلوں کے لیے راستہ بند ہو گیا۔ اس بے عقلی کی کچھ بھی حد ہے۔

اس سے تو اپنے یہاں کے ایک بڑے امام نواب صدیق حسن خان شوہر ریاست بھوپال ہی کا مذہب اختیار کر لو تو بہت اعتراضوں سے بچو کہ انہوں نے بے دھڑک فرما دیا جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا۔ سب بدعت و گمراہی ہے۔ اب چاہے صحابہ کریں خواہ تابعین کوئی ہو بدعتی ہے یہاں تک کہ بوجہ ترویج تراویح امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ گمراہ ٹھہرا دیا اور اعدائے دین کے پیرو مرشد عبداللہ ابن سبا کی روح مقبوح کو بہت خوش کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○ مجلس و قیام کا انکار کرتے کرتے کہاں تک نوبت پہنچی۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

نکتہ ۱۱: امام علامہ احمد بن قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

اَلْفِعْلُ یَدُلُّ عَلَی الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ لَا یَدُلُّ عَلَی الْمَنْعِ۔ کرنے سے تو جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب مغفور تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں "نکردن چیزے دیگر ست و منع فرمودن چیزے دیگر۔۔۔ الخ" ملخصاً۔

تمہاری جہالت کہ تم نے کسی فعل کے نہ کرنے کو اس فعل سے ممانعت سمجھ رکھا ہے۔

اصحاب رسول اعلاء کلمۃ اللہ کی مصروفیات کے باعث امور جزئیہ و رد شبہات پر توجہ نہ دے سکے

نکتہ ۱۲: سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست۔ حقیقت الامریہ ہے کہ صحابہ و تابعین کو اعلائے کلمۃ اللہ و حفظ بیضہ اسلام و نشر دین متین و قتل و قہر کافرین و اصلاح بلاد و عباد و اطفائے آتش فساد و اشاعت فرائض و حدود الٰہیہ و اصلاح ذات البین و محافظت اصول ایمان و حفظ و روایت حدیث وغیرہا امور کلیہ مہمہ سے فرصت نہ تھی۔ لہٰذا یہ امور جزئیہ مستحبہ تو کیا معنی بلکہ تاسیس قواعد و اصول و تفریع جزئیات و فروع و تصنیف و تدوین علوم و نظم دلائل حق و رد شبہات اہل بدعت وغیرہا امور عظیمہ کی طرف بھی توجہ کامل نہ فرما سکے۔ جب بفضل اللہ تعالیٰ ان کے زور بازو نے دین الٰہی کی بنیاد مستحکم کر دی اور مشارق و مغارب میں ملت حنفیہ کی جڑ جم گئی۔

اس وقت ائمہ و علمائے مابعد نے تخت و بخت ساز گار پا کر بیخ دین جمانے والوں کی ہمت بلند کے قدم لیے باغبان حقیقی کے فضل پر تکیہ کر کے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے' اب تو بے خلش صرصر اندیشہ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں۔ فکر صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھودیں۔ ذہن رواں نے زلال تحقیق کی ندیاں بہائیں۔ علماء و اولیاء کی آنکھیں ان پاک مبارک نونہالوں کے لیے تھالے بنیں۔ خواہان دین و ملت کی نسیم انفاس متبرکہ نے عطر بازیاں فرمائیں' یہاں تک کہ مصطفیٰ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باغ ہرا بھرا پھولا پھلا لہلہایا اور اس کے بھینے پھولوں' سہانے پتوں نے چشم و کام و دماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا' والحمد للہ رب العالمین اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے کہ یہ کنپھیاں جواب پھوٹیں جب کہاں تھیں' یہ پتیاں جواب نکلیں پہلے کیوں نہال تھیں۔ یہ پتی پتی ڈالیاں جواب جھومتی ہیں نو پیدا ہیں' یہ ننھی ننھی کلیاں جواب مہکتی ہیں' تازہ جلوہ نما ہیں' اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے تو اس کی حماقت پر اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی وہ فرصت پاتے تو یہ سب کر دکھاتے۔ آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے محروم رہے گا۔ بھلا غور کرنے کی بات ہے۔

ایک حکیم فرزانہ کے گھر آگ لگ گئی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھولے بھالے اندر مکان کے گھر گئے اور لاکھوں روپے کا مال اسباب بھی تھا۔ اس دانشمند نے مال کی طرف مطلق خیال نہ کیا' اپنی جان پر کھیل کر بچوں کو سلامت نکال لیا۔ یہ واقعہ چند بے خرد بھی دیکھ رہے تھے۔ اتفاقاً ان کے یہاں بھی آگ لگی' یہاں نرا مال ہی مال تھا۔ کھڑے ہوئے دیکھتے رہے اور سارا مال خاکستر ہو گیا۔ کسی نے اعتراض کیا تو بولے تم احمق ہو ہم اس حکیم دانشور کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں' اس کے گھر آگ لگی تھی تو اس نے مال کب نکالا تھا جو ہم نکالتے مگر بے وقوف اتنا نہ سمجھے کہ اس اولوالعزم حکیم کو بچوں کے بچانے سے فرصت کہاں تھی کہ مال نکالتا' نہ یہ کہ اس نے مال نکالنا برا جان کر چھوڑا تھا' اللہ تعالیٰ کسی کو اوندھی سمجھ نہ دے۔ آمین۔

آج کے بے شمار امور قرون ثلاثہ میں نہ تھے

نکتہ ۱۳: ہم نے مانا کہ جو کچھ قرون ثلاثہ میں نہ تھا سب منع ہے۔ اب ذرا حضرات مانعین اپنی خبر لیں کہ مدرسے جاری کرنا اور لوگوں سے ماہوار چندہ لینا اور طلبہ کے لیے مطبع نو لکشور سے فیصدی دس روپے کمیشن لے کر کتابیں منگانا اور تخصیص روز جمعہ کے بعد از نماز جمعہ وعظ کا التزام کرنا' جہاں وعظ کہنے جائیں نذرانہ لینا' دعوتیں اڑانا' مناظروں کے لیے پنچ اور جلسے مقرر کرنا' مخالفین کے رد میں کتابیں لکھوانا' چھپوانا' واعظوں کا شہر شہر گشت لگانا۔ صحاح کے دو دو ورق پڑھ کر محدثی کی سند لینا اور ان کے سوا ہزاروں باتیں کہ سب اکابر و اصاغر طائفہ بلا نکیر رائج ہیں۔ قرون ثلاثہ میں کب تھیں۔ اور ان پیشوایان فرقہ جدیدہ کا تو ذکر ہی کیا جو دو دو روپے نذرانہ لے کر مسئلوں پر مہر کریں۔ مدعی مدعا علیہ دونوں کے ہاتھ میں حضرت کا فتویٰ حج کو جائیں تو حمایت کے لیے کمشنر دہلی و کمشنر بمبئی کی چٹھیاں ضرور ہوں' شاید یہ باتیں قرون ثلاثہ میں تھیں یا تمہارے لیے پروانہ معافی آگیا ہے کہ جو چاہو کرو تم پر کچھ مواخذہ نہیں' یا یہ نکتہ چینیاں انہیں باتوں میں ہیں جنہیں تعظیم و محبت حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ ہو' باقی سب حلال و شیر مادر۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْاَكْبَرِ۔

حضور اکرم ﷺ کا ادب بہر طریق محمود ہے

نکتہ ۱۴: واجب الحفظ --- افسوس کیا الٹا زمانہ ہے۔ امور تعظیم و ادب میں سلف صالح سے آج تک برابر ائمہ دین کا یہی ادب رہا ہے کہ ورود و عدم ورود خصوصیات پر نظر نہ کی' بلکہ تصریحاً قاعدہ کلیہ بتایا:

كُلُّ مَا كَانَ اَدْخَلَ فِي الْاَدَبِ وَالْاِجْلَالِ كَانَ حَسَنًا۔

جس بات کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم میں زیادہ دخل ہو' وہ بہتر ہے۔

"كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْاِمَامُ الْمُحَقِّقُ عَلَى الْاِطْلَاقِ فَقِيهُ النَّفْسِ سَيِّدِيْ كَمَالُ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ

مُحَمَّد فِی فَتْحِ الْقَدِیْرِ وَتِلْمِیْذُهُ الشَّیْخُ رَحِمَهُ اللّٰهُ السِّنْدِیُّ فِی الْمَنْسَکِ الْمُتَوَسَّطِ وَاَقَدَهُ الْفَاضِلُ الْقَارِیُّ فِی الْمَنْسَکِ الْمُتَوَسِّطِ وَاَقَدَهُ الْفَاضِلُ الْقَارِیُّ فِی الْمَسْلَکِ الْمُتَقَسِّطِ وَاَثَرَهُ فِی الْعَالَمْگِیْرِیَّةِ وَغَیْرِهَا اور امام ابن حجر کا قول گزرا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر طرح بہتر ہے جب تک کہ الوہیت اللہ میں شریک نہ ہو' اسی لیے سلفاً' وخلفاً جس مسلمان نے کسی نئے طریقے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب کیا اس ایجاد کو علماء نے اس کی مدائح میں شمار کیا' نہ یہ کہ معاذ اللہ بدعتی گمراہ ٹھہرا دیا۔ یہ بلا انہیں مدعیان دین وادب میں پھیلی کہ ہر بات پر پوچھتے ہیں فلاں نے کب کیں' فلاں نے کب کیں' حالانکہ خود ہزاروں باتیں کرتے ہیں جو فلاں نے کیں' نہ فلاں نے کیں۔ مگر یہ بھی طریق تعظیم نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والتسلیم کے گھٹانے مٹانے کے لیے ایک حیلہ نکال کر زبان سے کہتے جائیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور بلطائف حیل جہاں تک بن پڑے امور محبت وتعظیم میں کلام کرتے جائیں' آخر ان کا امام اکبر تقویۃ الایمان میں تصریح کر چکا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف ایسے کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو' بلکہ اس میں سے کمی کرو' یہ ایمان ہے' یہ دین اور یہ دعویٰ ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

خیر بات بڑھتی ہے مطلب پر آیئے۔ ہاں! تو اگر میں ان امور کا استیعاب کروں جو دربارۂ آداب وتعظیم حادث ہوتے گئے اور اس احداث کو علماء نے موجد کے مدائح سے گنا' تو ایک دفتر طویل ہوتا ہے' لہٰذا چند مثالوں پر اقتصار کرتا ہوں۔

مثال ۱: سیدنا امام مالک صاحب المذہب عالم المدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باآنکہ مثل سیدنا عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتباع سلف وصحابہ کرام کا احداث میں نہایت ہی اہتمام رکھتے تھے' اس پر ان کے ایمان ومحبت کا تقاضا ہوا کہ ادب حدیث خوانی میں وہ وہ باتیں ایجاد فرمائیں جو صحابہ وتابعین سے ہرگز منقول نہ ہوئیں اور وہ ایجاد تمام علماء کے نزدیک امام مالک کے فضائل جلیلہ سے ٹھہرا اور ان کی غایت ادب ومحبت پر دلیل قرار پایا۔ امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں:

قَالَ مَطَرٌ فَکَانَ اِذَا اَتَی النَّاسُ مَالِکًا خَرَجَتْ اِلَیْهِمْ جَارِیَةٌ فَتَقُوْلُ لَهُمْ یَقُوْلُ لَکُمُ الشَّیْخُ تُرِیْدُوْنَ الْحَدِیْثَ اَوِالْمَسَائِلَ فَاِنْ قَالُوْا الْحَدِیْثَ دَخَلَ مُغْتَسِلَهُ وَاغْتَسَلَ وَتَطَیَّبَ وَلَبِسَ ثِیَابًا جَدِیْدَةً وَلَبِسَ سَاجَهُ وَتَعَمَّمَ وَوَضَعَ عَلٰی رَاْسِهِ رِدَاءَهُ وَتُلْقٰی لَهُ مِنَصَّةٌ فَیَخْرُجُ فَیَجْلِسُ عَلَیْهَا وَعَلَیْهِ الْخُشُوْعُ وَلَایَزَالُ یَتَبَخَّرُ بِالْعُوْدِ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غَیْرُهُ وَلَمْ یَکُنْ یَجْلِسُ عَلٰی تِلْکَ الْمِنَصَّةِ اِلَّا اِذَا حَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

یعنی جب لوگ مالک بن انس کے پاس علم حاصل کرنے آتے۔ ایک کنیز آکر پوچھتی' شیخ تم سے فرماتے ہیں تم حدیث سیکھنے آئے ہو یا فقہ ومسائل' اگر انہوں نے جواب دیا فقہ ومسائل جب تو آپ تشریف لے آتے اور اگر کہا حدیث تو پہلے غسل فرماتے' خوشبو لگاتے' نئے کپڑے پہنتے' طیلسان اوڑھتے اور عمامہ باندھتے' چادر سر مبارک پر رکھتے' ان کے لیے ایک تخت مثل تخت عروس بچھا دیا جاتا۔ اس وقت باہر تشریف لاتے اور نہایت خشوع وخضوع سے اس پر جلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے تھے اگر سلگاتے اور اس تخت پر اسی وقت بیٹھتے تھے جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا ہوتی۔ حضرت سے اس کا سبب پوچھا گیا' فرمایا: میں دوست

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ اَبِيْ اُوَيْسٍ نُقِيْلُ لِمَالِكٍ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ اُحِبُّ اَنْ اُعَظِّمَ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اُحَدِّثُ بِهٖ اِلَّا عَلٰى طَهَارَةٍ مُّتَمَكِّنًا۔

رکھتا ہوں کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کروں اور میں حدیث نہیں بیان کرتا جب تک وضو کر کے خوب سکون و وقار کے ساتھ نہ بیٹھ لوں۔

مثال ۲: اسی میں ہے:

كَانَ مَالِكٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَا يَرْكَبُ دَابَّةً بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَ يَقُوْلُ اَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ اَطَاَ تُرْبَةً فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَافِرِ دَابَّةٍ۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے' اور فرماتے مجھے شرم آتی ہے خدا تعالیٰ سے کہ جس زمین میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوں' اسے جانور کے سم سے روندوں۔

مثال ۳: اسی میں ہے:

وَقَدْ حَكَى اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيُّ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ فَضْلَوَيْهِ الزَّاهِدِ وَكَانَ مِنَ الْغُزَاةِ الرُّمَاةِ اَنَّهٗ قَالَ مَا مَسَسْتُ الْقَوْسَ بِيَدَيَّ اِلَّا عَلٰى طَهَارَةٍ مُنْذُ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الْقَوْسَ بِيَدِهٖ۔

امام ابو عبد الرحمٰن سلمی احمد بن فضلویہ زاہد غازی تیرانداز سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کمان بے وضو ہاتھ سے نہ چھوئی' جب سے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کمان دست اقدس میں لی ہے۔

مثال ۴: امام ابن حاج مالکی کہ مستندین مانعین میں سے ہیں اور احداث کی ممانعت میں نہایت تصلب رکھتے ہیں۔ مدخل میں فرماتے ہیں وَتَقَدَّمَتْ حِكَايَةُ بَعْضِهِمْ اَنَّهٗ جَاوَرَ بِمَكَّةَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَلَمْ يَبُلْ فِي الْحَرَمِ وَلَمْ يَضْطَجِعْ فَمِثْلُ هٰذَا يُسْتَحَبُّ لَهُ الْمُجَاوَرَةُ اَوْ يُؤْمَرُ بِهَا۔
بعض صالحین چالیس برس مکہ معظمہ کے مجاور رہے اور کبھی حرم محترم میں پیشاب نہ کیا' نہ لیٹے۔ ابن حاج کہتے ہیں ایسے شخص کو مجاورت مستحب ہے' یا یوں کہئے اسے مجاورت کا حکم دیا جائے گا۔

مثال ۵: اسی میں ہے:

وَقَدْ جَاءَ بَعْضُهُمْ اِلٰى زِيَارَةِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَدْخُلِ الْمَدِيْنَةَ بَلْ زَارَ مِنْ خَارِجِهَا اَدَبًا مِّنْهُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَعَ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ اَلَا تَدْخُلُ فَقَالَ اَمِثْلِيْ يَدْخُلُ بَلَدَ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَجِدُ نَفْسِيْ تَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ اَوْ كَمَا قَالَ۔

بعض صالحین زیارت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حاضر ہوئے تو شہر میں نہ گئے' بلکہ باہر سے زیارت کر لی اور یہ ادب تھا اس مرحوم کا اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اس پر کسی نے کہا' اندر نہیں چلتے۔ کہا: کیا مجھ سا داخل ہو سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہر میں' میں اپنے میں اتنی قدرت نہیں پاتا ہوں۔

مثال ۶: اسی میں ہے:

قَدْ قَالَ لِیْ سَیِّدِیْ اَبُوْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَمَّا دَخَلَ مَسْجِدَ الْمَدِیْنَةِ مَا جُبِلْتُ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا الْجُلُوْسَ فِی الصَّلٰوۃِ اَوْ کَلَامًا هٰذَا مَعْنَاهُ وَمَا زِلْتُ وَاقِفًا هُنَاكَ حَتّٰی رَحِلَ الْمَرْکَبُ۔

یعنی مجھ سے میرے سردار ابو محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں مسجد مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جب تک رہا مسجد شریف میں قعدہ نماز کے سوا نہ بیٹھا اور برابر حضور میں کھڑا رہا جب تک قافلہ نے کوچ نہ کیا۔

مثال ۷: اس کے متصل انہیں امام سے نقل کرتے ہیں:

وَلَمْ اَخْرُجْ اِلٰی بَقِیْعٍ وَلَا غَیْرِهٖ وَلَمْ اَزُرْ غَیْرَهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ قَدْ خَطَرَ لِیْ اَنْ اَخْرُجَ اِلٰی بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ فَقُلْتُ اِلٰی اَیْنَ اَذْهَبُ هٰذَا بَابُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَلْمَفْتُوْحُ لِلسَّائِلِیْنَ وَالطَّالِبِیْنَ وَالْمُنْکِرِیْنَ وَالْمُضْطَرِّیْنَ وَالْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنَ وَلَیْسَ ثُمَّ مَنْ یَقْصُدُ مِثْلَهٗ فَمَنْ عَمِلَ عَلٰی هٰذَا ظَفَرَ وَنَجَعَ بِالْمَامُوْلِ وَالْمَطْلُوْبِ وَکَمَا قَالَ۔

میں حضوری چھوڑ کر نہ بقیع کو گیا نہ کہیں اور گیا' نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کی زیارت کی اور ایک دفعہ میرے دل میں آیا تھا کہ زیارت بقیع کو جاؤں' پھر میں نے کہا: کہاں جاؤں گا؟ یہ ہے اللہ کا دروازہ کھلا ہوا سائلوں اور مانگنے والوں اور دل شکنوں اور بے چاروں اور مسکینوں کے لیے اور وہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کون ہے جس کا قصد کیا جائے۔ فرماتے ہیں' پس جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد مطلب ہاتھ آئے گا۔

اب فقیر سرکار قادریہ غفر اللہ تعالیٰ لہ بھی اس فتوے کو انہیں مبارک لفظوں پر ختم کرتا ہے کہ جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد مطلب ہاتھ آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور اپنے رب کریم تبارک وتعالیٰ کے فضل سے امید رکھتا ہے کہ یہ فتویٰ نہ صرف مسئلہ قیام ہی میں بیان کافی و برہان شافی ہو' بلکہ بحول اللہ تعالیٰ اکثر مسائل نزاعیہ میں قول فیصل قرار پائے اور جسے چاہے اس کے لیے شاہراہ تحقیق پر مشعل ہدایت ہو جائے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَسِرَاجِ اُفُقِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اٰمِیْنَ' اٰمِیْنَ' اٰمِیْنَ۔

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری جامعہ نظامیہ رضویہ (لاہور)

مسلک شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

مسلک شیخ کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امابعد! اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ رہی ہے کہ انسانیت کو شرک و کفر اور گمراہی سے نکالنے کے لیے انبیاء کرام بھیجے گئے۔ فکر انسانی صدیوں کے ارتقاء کے بعد جہاں پہنچتی ہے' اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مقدس ہستیوں نے لمحوں میں وہاں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات' امور آخرت اور عالم کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں بڑے بڑے فلسفیوں اور دانشوروں نے کیا کیا موشگافیاں نہ کیں' لیکن وہ اپنے وابستگان دامن کو دولت یقین فراہم نہ کر سکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بناء پر وہ جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کر گئے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ البتہ پیغمبرانہ جدوجہد اور مشن کو جاری رکھنے کے لیے امت مسلمہ کے جلیل القدر افراد آگے بڑھے۔ انہوں نے امت کے دعوت و ارشاد کا کام پورے ولولے اور لگن سے کیا' بلکہ دین متین کے مقدس چہرے سے گرد و غبار صاف کرنے میں تمام صلاحیتیں بھی صرف کر دیں۔ انہی جلیل القدر شخصیات میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔

پاسبان دین مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) علوم دینیہ کے نامور مبلغ اور ناشر' دینی حمیت و غیرت کے پیکر' امام المحدثین شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دینی اور ملی کارناموں کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت کی حیات مبارکہ کا تذکرہ پیش کر دیا جائے۔

حیات مبارکہ

امام اہلسنت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بمقام شہر دہلی ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد میں سے آغا محمد ترک بخاری' سلطان محمد علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی میں وارد ہوئے اور بلند و بالا مناصب پر فائز

رہے۔ بخارا سے ہجرت کے وقت متعلقین اور مریدین کی ایک جماعت ان کے ہمراہ تھی۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، تکملہ اخبار الاخیار (طبع مجتبائی، دہلی) ص ۲۸۹)

آپ کے والد ماجد سیف الدین دہلوی شعروسخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحب حال بزرگ تھے۔ سلسلہ قادریہ میں شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ (خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندوۃ مصنفین، دہلی، ص ۸۷-۶۶)

حضرت شیخ نے تکملہ اخبار الاخیار میں ان کے متعدد ملفوظات نقل کیے ہیں، چند ایک ملاحظہ ہوں:

۱- مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو مخلوق کے لیے کام کرتے ہیں، تاکہ ان کے نزدیک اہمیت حاصل کر سکیں۔ کام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، مخلوق سے کیا کام؟

۲- جب دیکھا جاتا ہے کہ علماء اور فضلاء جاہ و عزت اور کثرت اسباب کے حاصل کرنے اور مال و دولت کے جمع کرنے میں مخلوق خدا کے ساتھ الجھے رہتے ہیں، اور لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا اور اکابر میں سے نہیں ہوں۔

۳- (شیخ محقق فرماتے ہیں کہ مجھے والد گرامی نے کئی دفعہ فرمایا) کسی شخص کے ساتھ علمی بحث میں جھگڑا نہ کرنا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ حق دوسری جانب ہے تو قبول کر لینا، ورنہ دو تین بار کہنا اگر مانیں تو کہنا کہ بندہ کو اسی طرح معلوم ہے، جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ بھی ہو سکتا ہے، جھگڑا کس بات کا؟

۴- اگر تمہیں اپنے پیر اور استاد سے محبت اور عقیدت ہو تو اس سلسلے میں کسی سے لڑائی نہ کرو، تعصب اختیار نہ کرو، یہ محبت کا کام ہے، جسے محبت نہ ہو وہ کیا کام کرے گا۔ فائدہ بزرگوں کی عقیدت، محبت اور پیروی میں ہے۔ تم جو جنگ کر رہے ہو وہ اپنے نفس کے لیے ہے نہ کہ بزرگوں کے لیے۔

۵- طریقت کے بہت معاملات ہیں، جنہیں اس راہ کے اصحاب ہمت ادا کرتے ہیں۔ حقیقت کا اصل کام یہ ہے کہ ہر وقت اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے ساتھ ہے۔ ایک لحظہ بھی اس خیال سے غافل نہ رہے۔ دست در کار و دل بایار۔

شیخ محقق نے نہ صرف ان کی نصیحتوں کو عمر بھر یاد رکھا، بلکہ ان پر عمل پیرا رہے۔

شیخ سیف اللہ دہلوی ۲۰ شعبان ۹۹۰ھ کو پاس انفاس میں مشغول تھے، اسی حالت میں رحمت حق کی آغوش میں پہنچ گئے۔

تحصیل علم

شیخ محقق کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے علم سلیم اور فہم و دانش کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ حافظہ حیرت انگیز حد تک قوی تھا، خود فرماتے ہیں:

"دو اڑھائی سال کی عمر میں دودھ چھڑائے جانے کا واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، تکملہ اخبار الاخیار فارسی، مجتبائی، دہلی، ص ۳۰۰)

والد ماجد نے ظاہری اور باطنی تربیت پر بھرپور توجہ دی، دو تین ماہ میں قرآن پاک پڑھا دیا۔ پھر شیخ عبدالحق علوم دینیہ حاصل کرنے لگے۔ جب عربی نصاب اور منطق و کلام تک پہنچے تو ماوراء النہر(۱) کے دانشوروں کے پاس حاضر ہوئے

(۱) نہر سے نہر جیحون مراد ہے۔ ماوراء النہر سے مراد وہ شہر ہیں جو اس نہر کے شمال میں واقع ہیں مثلاً بخارا، سمرقند، نسف، منجاب، فجند، خوارزم اور کاشغر وغیرہ۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

اور سات آٹھ سال دن رات محنت کر کے علوم دینیہ حاصل کیے۔ شیخ نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے۔ ذوق و شوق اور علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ --- ہر روز اکیس بائیس گھنٹے پڑھتے اور مطالعہ میں مصروف رہتے۔ اپنی محنت شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اگر اتنا ذوق و شوق مولا تعالیٰ کی طلب اور باطن کی ریاضت میں ہوتا تو معاملہ کہاں تک پہنچتا"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اخبار الاخیار فارسی، ص ۳۰۲)

ذکاوت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ دوران سبق عجیب عجیب بحثیں اور مفید باتیں ذہن میں آتیں۔ اساتذہ کے سامنے پیش کرتے تو وہ کہتے: "ہم، تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا، تم پر کوئی احسان نہیں ہے"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اخبار الاخیار فارسی، ص ۳۰۲)

سترہ سال کی عمر میں اس وقت کے درجہ علوم سے فارغ ہوگئے۔ بعد ازاں ایک سال میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محقق ۹۹۶ھ ۸۸-۱۵۸۷ء میں حجاز مقدس پہنچے۔ ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء تک وہاں قیام کیا۔ اس دوران حج و زیارت کے علاوہ مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی اور روحانی استفادہ کیا۔ مشکوٰۃ شریف کے علاوہ تصوف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اسی اثناء میں شیخ سے اجازت لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ ۲۲ ربیع الثانی ۹۹۷ھ سے آخر رجب ۹۹۸ھ تک وہاں قیام کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوازش ہائے بے پایاں سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں:

"اس فقیر حقیر نے حضرت خبیر بشیر نذیر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو انعام و اکرام کی بشارتیں پائی ہیں، ان کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا"۔ (عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اخبار الاخیار فارسی، ص ۳۰۴)

بیعت و خلافت

حضرت شیخ محقق کو بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا بے حد شوق تھا۔ جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا، شوق بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں شمار ہوئے۔ ابتداء میں والد ماجد کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ پھر ان کے ایماء پر سلسلہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (م ۱۰۰۱ھ) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مکہ معظمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی علیہ الرحمۃ سے بیعت کی۔ ارشاد و سلوک کی منزلیں طے کیں اور شیخ نے انہیں چار سلسلوں: چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ کی اجازت عطا فرمائی۔

شیخ محقق ہندوستان واپس آئے تو باوجود یہ کہ سلسلہ قادریہ میں بیعت و خلافت رکھتے تھے، سلسلہ نقشبندیہ میں تعارف کامل حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ محقق نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی اشارے پر بیعت کی تھی۔

(خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۳۷)

تصانیف

حضرت شیخ محقق نے اپنی حیات مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کیا، ان کی تصانیف دنیا بھر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ فنی اعتبار سے ان کی تصانیف درج ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں:

(۱) تفسیر (۲) تجوید (۳) حدیث (۴) عقائد (۵) فقہ (۶) تصوف (۷) اخلاق (۸) اعمال (۹) منطق (۱۰) تاریخ (۱۱) سیر (۱۲) نحو (۱۳) ذاتی حالات (۱۴) خطبات (۱۵) مکاتیب (۱۶) اشعار۔

(خلیق احمد نظامی' حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی' ص ۲۷۲)

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کی تعداد ساٹھ ہے۔ چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ اشعۃ اللمعات' مشکوۃ شریف کا فارسی ترجمہ اور شرح' چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اردو میں اس کے ترجمہ کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی' چنانچہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دو جلدوں کا ترجمہ تین جلدوں میں کیا۔ ان کی علالت اور پھر وصال کے سبب یہ کام راقم کے ذمہ لگا۔ راقم نے ترجمہ کی چوتھی اور پانچویں جلدیں مکمل کرلی ہیں' ترجمہ کی چھٹی جلد بھی چھپ چکی ہے۔ ساتویں اور آخری جلد کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ یہ سب کام فرید بک سٹال' لاہور کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔

۲۔ لمعات فی شرح مشکوۃ المصابیح (عربی) مشکوۃ شریف کی عربی شرح جس کی چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

۳۔ شرح السعادت (فارسی)

۴۔ مدارج النبوۃ (فارسی) سیرت طیبہ کی اہم ترین اور لافانی کتاب۔

۵۔ اخبار الاخیار (فارسی) ہندوستان کے علماء اور مشائخ کا مستند تذکرہ۔

۶۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب (فارسی) تاریخ مدینہ کے نام سے اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔

۷۔ زبدۃ الاسرار (عربی) مناقب سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' تلخیص بہجۃ الاسرار۔

۸۔ شرح فتوح الغیب (فارسی) سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف مبارک' فتوح الغیب کی شرح۔

۹۔ زبدۃ الاثار (فارسی) زبدۃ الاسرار کا ترجمہ مع اضافات۔

۱۰۔ تکمیل الایمان (فارسی) اسلامی عقائد اور مسلک اہل سنت وجماعت۔

۱۱۔ ماثبت بالسنۃ (عربی) بارہ مہینوں کے اسلامی معمولات' کتاب وسنت اور طریق اسلاف کی روشنی میں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ڈاکٹر زبیر احمد کے حوالے سے شیخ محقق کی تصانیف میں الکمال فی اسماء الرجال کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ الاکمال' امام ولی الدین' صاحب مشکوۃ کی تصنیف اور مشکوۃ شریف کے آخر میں چھپی ہوئی عام دستیاب ہے۔

رسالہ ضرب الاقدام

پیر عبد الغفار کشمیری ثم لاہوری نے ۱۳۴۹ھ میں پانچ رسائل کا مجموعہ شائع کیا تھا۔ ان میں ایک رسالہ ضرب الاقدام بھی ہے' اس کی ابتداء میں لکھا ہے "رسالہ ضرب الاقدام من تصنیف زبدۃ المحققین شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" اس رسالے میں حضرت شیخ محقق نے صلوۃ غوثیہ کا ثبوت اور جواز پیش کیا ہے۔

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء کو آسمان علم ومعرفت کا نیر درخشاں' حدیث نبویہ کا عظیم شارح' دین اسلام اور مقام مصطفیٰ

نوٹ: جناب نظامی صاحب نے نمبر ۹ پر فلسفہ (منطق کا شمار کیا ہے) حالانکہ فلسفہ میں ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

کا محافظ اور مسلک اہل سنت کا پاسبان دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہو کر دہلی کے ایک گوشے میں محو استراحت ہوا۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وقدس سرہ۔

شیخ محقق کی دینی اور علمی خدمات

حضرت شیخ محقق نے اپنی طویل زندگی دین اسلام کے تحفظ اور اس کا پیغام عام کرنے اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے میں صرف کردی۔ دین متین کے خلاف اٹھنے والے نئے نئے فتنوں کی موثر سرکوبی کی مسلک۔ اہل سنت وجماعت کی شاندار ترجمانی کی۔

اس دور میں مہدوی تحریک عروج پر تھی۔ جس کا آغاز سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے سے متعلق تھا' بعد ازاں مہدویت کا تصور اس سطح تک جا پہنچا کہ دین اسلام کے قطعی عقیدے ختم نبوت سے ٹکرا گیا۔ اس تحریک کا بانی سید جونپوری کہتا تھا کہ ہر وہ کمال جو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا مجھے بھی حاصل ہو گیا' فرق صرف یہ ہے کہ وہ کمالات وہاں اصالۃً تھے اور یہاں تبعاً' ہیں۔ اتباع رسول اس درجہ کو پہنچ گئی کہ امتی نبی کی مثل ہو گیا۔ علامہ ابن حجر مکی' حضرت علی متقی اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"اگر سولہویں صدی اور سترہویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا اور برقرار رکھنا تھا۔

تصور امام' عقیدۂ مہدویت' نظریہ الفی (یعنی دین اسلام کی عمر صرف ایک ہزار سال ہے ۱۲ق ن) دین الٰہی یہ سب تحریکیں پیغمبر اسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔

شیخ عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع مقام کی پوری پوری وضاحت کردی"۔

(خلیق احمد نظامی' پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی' ص ۲۷۲)

فیضی کے شیخ محقق سے گہرے تعلقات تھے۔ فیضی کے خطوط پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے شیخ سے کتنی عقیدت و محبت تھی۔ شیخ اگر چاہتے تو فیضی اور ابوالفضل کے ذریعے دربار اکبری میں بڑے سے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کرسکتے تھے لیکن انہوں نے فقر و فاقہ اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی اور ان کے فقر و غیور نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ عظمت اسلام پر حرف آئے۔ فیضی جیسا علامہ اور مخلص دوست جب صراط مستقیم سے بھٹک گیا تو اس کی فرمائش کے باوجود شیخ نے اس سے ملنا پسند نہ کیا۔

فہرس التوالیف' میں شیخ محقق نے جس قدر تند و تیز تبصرہ فیضی کے بارے میں کیا ہے کسی دوسرے معاصر کے بارے میں نہیں کیا' غیرت ایمانی کا لہو ان کے قلم سے ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت اور کلام کی پختگی میں ممتاز روزگار تھا' لیکن افسوس کہ اس نے کفر اور گمراہی کے گڑھے میں گر کر بدبختی کا نشان اپنے حالات کی پیشانی پر لگالیا۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملت اور دین والوں کے لیے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینے سے بھی پرہیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمائے

اگر وہ مومن ہیں"۔ (ترجمہ) (خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۴۳)

علم حدیث کی تشریح اور ترویج

علم حدیث شمالی ہند سے تقریباً ختم ہو چکا تھا، جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ محقق نے علوم دینیہ خصوصاً علم حدیث کی شمع روشن کی، انہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو ایک مشن کے طور پر اپنایا تو ہندوستان کی فضائیں قال اللہ اور قال الرسول کی دلنواز صداؤں سے گونج اٹھیں۔

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان کے خاندان کی حدیثی خدمات کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ نور الحق بن شیخ محقق (متوفی ۹ شوال ۱۰۷۳ھ) نے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح تیسیر القاری کے نام سے فارسی میں لکھی۔ انداز وہی ہے جو شیخ محقق کی اشعۃ اللمعات میں ہے۔ شرح ترمذی، لکھی جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شیخ نور الحق کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نور اللہ نے شمائل ترمذی کی شرح اشرف الوسائل کے نام سے لکھی، شیخ محب اللہ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخر الدین نے حصن حصین کی شرح فارسی میں لکھی، حافظ محمد فخر الدین کے صاحبزادے شیخ الاسلام محمد، دہلی میں صدر الصدور کے عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے بخاری شریف کی شرح چھ جلدوں میں لکھی اور تیسیر القاری کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔

شیخ الاسلام محمد کے صاحبزادے شیخ سلام اللہ موطا امام مالک کی شرح، شرح مجلی بحل اسرار الموطا دو جلدوں میں لکھی۔ اس کے علاوہ شرح شمائل ترمذی لکھی۔ شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ محمد سالم نے رسالہ نور الایمان اور رسالہ اصول الایمان لکھا۔

(خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۴۳)

غرض! یہ کہ شیخ محقق اور ان کے خاندان نے علوم دینیہ اور حدیث شریف کی جو خدمات انجام دی ہیں، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس وقت مسند تدریس بچھائی، اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔ گیارہویں صدی ہجری کے شروع سے تیرھویں صدی کے آخر تک علم حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئیں، ان کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا ہے۔ یہ سب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اثر تھا"۔

(خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۴۳)

شیخ محقق کی دینی خدمات کے بارے میں چند تاثرات ملاحظہ ہوں:

حضرت علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے شیخ محقق کے تذکرے کا آغاز ان کلمات سے کیا ہے:

"وہ صوری اور معنوی کمال کے جامع اور جمال نبوی کے عاشق صادق تھے، انہیں شریعت کا عظیم حصہ ملا۔

مورخین میں سے کسی نے اجمالاً اور کسی نے تفصیلاً ان کا تذکرہ کیا ہے۔ دہلی میں واقع ان کے مزار کے گنبد میں ایک پتھر پر ان کے مختصر حالات فارسی میں لکھے گئے ہیں' میں ان کا عربی میں ترجمہ کر رہا ہوں"۔

(غلام علی آزاد بلگرامی' علامہ سید: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' طبع حیدر آباد دکن ۱۳۰۳ھ' ص ۵۲)

مولوی فقیر محمد جہلمی' علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"باون سال کی عمر میں ظاہر و باطن کی جمعیت سے کنیت (قدرت) حاصل کر کے تکمیل فرزندان و طالبان میں مشغول ہوئے اور نشر علوم خصوصاً علم شریف حدیث میں ایسی طرز سے جو ولایت عجم میں کسی کو علمائے متقدمین و متاخرین سے حاصل ہوا تھا' ممتاز و مستثنیٰ ہوئے اور فنون علمیہ خصوصاً فن حدیث میں کتب معتبرہ تصنیف کیں۔ جن پر علمائے زمانہ فخر کرتے اور ان کو اپنا دستور العمل جانتے ہیں اور اہل دانش خواص و عوام دل و جان سے ان کے خریدار ہیں"۔ (فقیر محمد جہلمی' مولوی: حدائق الحنفیہ' مکتبہ حسن سہیل' لاہور' ص ۴۳۰)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کہتے ہیں:

"ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں علم حدیث نہیں تھا' بلکہ کبریت احمر کی طرح کمیاب تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بعض علماء' مثلاً شیخ عبد الحق ترک دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ اور ان جیسے دوسرے علماء پر اسی علم کا فیضان کیا۔ شیخ وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علم حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہترین انداز میں یہ علم سکھایا۔ پھر یہ منصب ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق متوفی ۱۰۸۳ء نے سنبھالا"۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی' الحطہ (طبع لاہور) ص ۱۶۱-۱۶۰)

شیخ محقق کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ کی تمام تصانیف علماء کے نزدیک مقبول اور محبوب ہیں۔ علماء انہیں شوق سے پڑھتے ہیں اور واقعی اس لائق ہیں' ان کی عبارات میں قوت' فصاحت اور سلاست ہے۔ کان انہیں محبوب رکھتے ہیں اور دل لطف اندوز ہوتے ہیں"۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی' الحطہ (طبع لاہور) ص ۲۱۴)

مولوی فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

"آپ کی فضیلت اور تنقید حدیث میں کوئی موافق و مخالف شک نہیں کر سکتا' مگر وہ جس کو اللہ انصاف سے اندھا کر دے یا تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ دے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا۔

(فقیر محمد جہلمی' مولوی: حدائق الحنفیہ' ص ۴۳۱)

عقائد

اہل سنت و جماعت کے عقائد' کتب کلام مثلاً شرح عقائد' تمہید ابوشکور سالمی' المعتقد المنتقد اور تکمیل الایمان وغیرہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ دور آخر میں کچھ مسائل کو نزاعی بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اس امر کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ شیخ محقق نے ان مسائل کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

شیخ محقق کو حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہری والہانہ عقیدت و محبت تھی جو ہر مسلمان کو ہونی چاہیے۔ مدینہ منورہ کے احترام کے پیش نظر وہاں ننگے پاؤں پھرتے تھے۔ (خلیق احمد نظامی' پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی' ص ۱۱۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو شیخ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ان کا قلم حدود شریعت میں رہتے ہوئے اپنی جولانیاں دکھاتا ہے۔

شیخ محقق نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نعت پیش کی تھی' اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ثنائیش گو دلے چوں نیست ایفائیش نہ تو ممکن
بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکفا کن
مخواں او را خدایا ازبہر شرع و حفظ دیں
دگر ہر وصف کش میخواہی اند مدحش انشا کن
خراہم در غم ہجر جمالت یارسول اللہ
جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن
جہاں تاریک شد از ظلم سیاہ کاراں
بیاؤ عالمے را روشن از نور تجلی کن

☆ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کہو' لیکن چونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے' اس لیے یہ ایک شعر پڑھ کر آپ کی اجمالی تعریف پر اکتفا کرو۔

☆ حکم شریعت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو' اس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جو وصف چاہو تحریر کردو۔

☆ یارسول اللہ! آپ کے جمال اقدس کے ہجر کے غم میں پریشان ہوں' اپنا دیدار عطا فرمائیں' اور محب صادق کی جان پر رحم فرمائیں۔

☆ سیاہ کاروں کے ظلم سے دنیا تاریک ہوگئی ہے۔ آپ تشریف لائیں اور نور تجلی سے جہان کو روشن فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ تیسرے شعر پر پہنچے تو رقت طاری ہوگئی اور زار و قطار رونے لگے۔ خود شیخ محقق کا بیان ہے کہ انہیں چار مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

(خلیق احمد نظامی' پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی' ص ۱۱۸-۱۱۶)

علم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث شریف میں ہے "فَعَلِمْتُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" شیخ محقق اس کا ترجمہ اور شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پس میں نے جان لیا وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جزئی اور کلی علوم اور ان کا احاطہ حاصل ہوگیا"۔

(عبد الحق محدث دہلوی' شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر) ج ۱' ص ۳۳۳)

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذات الٰہی کی تمام شانوں' اللہ تعالیٰ کی صفات کے احکام' افعال و آثار کے

اسماء کے جاننے والے اور تمام ظاہر و باطن اور اول و آخر علوم کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور فَوقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْم کا مصداق ہیں۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (مکتوبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ا، ص ۲)

ایک دوسری جگہ میں فرماتے ہیں:

"حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر پہلی دفعہ صور پھونکنے تک جو کچھ دنیا میں ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا گیا، یہاں تک کہ اول سے آخر تک تمام احوال آپ کو معلوم ہو گئے۔ آپ نے بعض احوال کی خبر صحابہ کو بھی دی"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (مکتوبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ص ۱۴۴)

ان تصریحات سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت شیخ محقق کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کے تمام احوال اور ذات باری تعالیٰ کی شیون اور صفات کا علم عطا فرمایا۔ اسی وسیع تر علم کو علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کہا جاتا ہے۔

اختیار و تصرف

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ بن کعب سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا۔ سئل (مانگو) حضرت شیخ محقق نے اس کی شرح میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدرت و اختیارات بیان کرتے ہوئے سماں باندھ دیا ہے۔

یہ مطلقاً فرمایا مانگو، کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس سے مطلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دست اقدس میں ہے جو چاہیں، جسے چاہیں اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(دنیا و آخرت آپ کی بخشش کا حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے)

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیاد ہرچہ می خواہی تمنا کن

(اگر تو دنیا کی آرزو رکھتا ہے تو ان کے دربار میں آ، اور جو چاہتا ہے آرزو کر)

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتوبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ا، ص ۳۹۶)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"جن و انس کے تمام ملک اور ملکوت اور تمام جہان، اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تصرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ قدرت و تصرف میں تھے"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتوبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ا، ص ۴۳۲)

حاضر و ناظر

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روضہ مقدسہ میں تشریف فرما ہیں۔ بہ عطاء الٰہی تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اسی مطلب کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں:

"اس کے بعد اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ آپ جس جگہ چاہیں بعینہ اس جسم مبارک کے ساتھ یا جسم مثال کے ذریعے تشریف لے جائیں، خواہ آسمان پر یا زمین پر، اسی طرح قبر میں یا قبر کے علاوہ اس کا احتمال ہے، جب کہ ہر حال میں روضہ مبارکہ کے ساتھ خاص نسبت برقرار رہتی ہے"۔

(عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ۲، ص ۴۵۰)

سلوک اقرب السبل فرماتے ہیں:

"علمائے امت کے کثیر مذاہب اور اختلافات کے باوجود کسی ایک شخص کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاویل اور مجاز کے شائبہ کے بغیر حقیقت حیات سے قائم و باقی ہیں، اور اعمال امت پر حاضر و ناظر، طالبان حقیقت اور بارگاہ رسالت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے فیض رساں اور مربی ہیں"۔ (عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل (بر اخبار الاخیار) ص ۵۵)

اس کے علاوہ مدارج النبوۃ فارسی، ج ۱، ص ۶۲۱، اور اشعۃ اللمعات، فارسی، ج ۱، ص ۴۰۱، پر بھی یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے---

جسم بے سایہ----

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیونکہ زمین جائے کثافت و نجاست ہے، دھوپ میں بھی آپ کا سایہ نہیں دیکھا گیا، اسی طرح علماء نے بیان کیا ہے تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عین نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا"۔ (عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوت فارسی، ج ۱، ص ۱۱۸)

دیدار الٰہی

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"مختار یہ ہے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، لیکن بالاتفاق واقع نہیں ہے، ہاں! حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شب معراج واقع ہے"۔

(عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۱، ص ۴۲۴)

حیات انبیاء کرام و اولیاء عظام

مدارج میں فرماتے ہیں:

"انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات علماء ملت کے درمیان متفق علیہ ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ زندگی، شہداء اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی زندگی سے کامل تر اور قوی تر ہے۔ ان کی زندگی معنوی اور اخروی ہے اور انبیاء کرام کی زندگی حسی اور دنیاوی ہے۔ اس بارے میں احادیث اور آثار واقع ہیں"۔ (عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۴۴۷)

نیز ملاحظہ ہو اشعۃ اللمعات، فارسی، ج ا، ص ۵۷۴۔

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

"بعض مشائخ نے کہا کہ میں نے چار اولیاء کرام کو پایا کہ وہ قبروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح ظاہری حیات میں کرتے تھے یا اس سے زیادہ"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۲۱۳)

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"انبیاء کرام حیات حقیقی دنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیات اخروی معنوی سے زندہ ہیں"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات، ج ۲، ص ۴۰۲)

سماع موتی

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

"تمام اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اموات کے لیے جاننے اور سننے والے اور محرکات ثابت ہیں"۔ (جذب القلوب فارسی (نو لکشور لکھنؤ) ص ۲-۲۰۱)

زیارت قبور

"تمام مومنوں کی قبروں اور روحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے جس کی بناء پر وہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام اوقات میں زیارت مستحب ہے"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب فارسی (نو لکشور لکھنؤ) ص ۲۰۶)

زیارت روضہ انور

جذب القلوب میں ہے:

"حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت افضل سنتوں اور موکد مستحبات میں سے ہے۔ اس پر علمائے دین کا قولی اور فعلی اجماع ہے"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب فارسی (نو لکشور لکھنؤ) ص ۲۱۰)

توسل واستعانت

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تیرے نبی کے طفیل اور ان انبیاء کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے۔ اس حدیث سے وصال سے پہلے اور اس کے بعد دونوں حالتوں میں توسل ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد' جب دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے وصال کے بعد توسل جائز ہے تو سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ بلکہ اس حدیث کی بنا پر بعد از وصال اولیا کرام سے توسل کا قیاس کریں تو بعید نہیں ہے۔ ہاں! اگر حضور سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے تو قیاس درست نہ ہوگا؟ مگر دلیل کہاں"۔ (عبد الحق محدث دہلوی' شیخ محقق: جذب القلوب فارسی (نو لکشور لکھنؤ) ص ۲۲۱)

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"امام غزالی نے فرمایا کہ زندگی میں جس ہستی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ ان کے وصال کے بعد بھی ان سے مدد طلب کی جائے گی"۔ (عبد الحق محدث دہلوی' شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی' ج ۱' ص ۷۱۵)

اشعۃ اللمعات فارسی جلد سوم میں تفصیلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:

"منکرین کی خواہش کے برعکس اس جگہ کلام طویل ہو گیا' کیونکہ ہمارے زمانے کے قریب ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو اولیاء اللہ سے استمداد کا منکر ہے۔ اور ان کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست قرار دیتا ہے اور جو منہ میں آتا ہے' کہہ دیتا ہے"۔

(عبد الحق محدث دہلوی' شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی' ج ۳' ص ۴۰۲)

شفاعت

ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فاسقوں اور گنہگاروں نے دنیا میں اہل طاعت و تقویٰ کی کوئی امداد اور خدمت کی ہوگی تو آخرت میں اس کا نتیجہ پائیں گے اور ان کی شفاعت اور امداد سے جنت میں جائیں گے"۔

(عبد الحق محدث دہلوی' شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی' ج ۴' ص ۴۰۵)

امام ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے۔ (۱) انبیاء پھر (۲) علماء پھر (۳) شہداء۔ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ان تین گروہوں کی شفاعت کی تخصیص ان کی فضیلت و کرامت کی زیادتی کی بناء پر ہے' ورنہ تمام اہل خیر مسلمانوں کے لیے شفاعت ثابت ہے۔ اس سلسلے میں مشہور حدیثیں وارد ہیں۔ خواہ گناہوں کی بخشش کے لیے ہو یا درجات کی بلندی کے لیے اور شفاعت کا انکار بدعت و گمراہی ہے جیسے کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے"۔

(عبد الحق محدث دہلوی' شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی' ج ۴' ص ۴۰۸)

محفل میلاد

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

"ابولہب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا' اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی اور سوموار کے دن اس سے عذاب اٹھالیا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس جگہ میلاد منانے والوں کے لیے ایک دلیل ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی ولادت باسعادت کی رات خوشی مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں۔ ابولہب جو کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن پاک میں نازل ہوئی، اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت پر خوشی منانے اور اپنی کنیز کا دودھ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے صرف کرنے پر جزادی گئی۔ مسلمان جو محبت اور سرور سے مالا مال ہے اور اس سلسلے میں مال خرچ کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام کی پیدا کردہ بدعتوں مثلاً گانے، حرام آلات کے استعمال اور منکرات سے خالی ہو، تاکہ طریقہ اتباع محرومیت کا سبب نہ ہو"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۱۹)

ایصال ثواب

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:

"مردوں کے لیے زندوں کی دعائیں اور بہ نیت ثواب صدقہ دینے میں اہل قبور کے لیے عظیم نفع ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں اور آثار وارد ہیں۔ نماز جنازہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکمیل الایمان فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۷۷-۷۶)

اس کے علاوہ اشعۃ اللمعات فارسی، ج ا، ص ۷۹۷ میں ملاحظہ ہو۔

عرس

ماثبت من السنہ میں فرماتے ہیں:

"مغرب کے بعض متاخرین مشائخ نے فرمایا کہ جس دن اولیاء کرام بارگاہ عزت اور مقامات مقدس میں پہنچتے ہیں۔ اس دن باقی دنوں کی نسبت زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید کی جاتی ہے۔ اور یہ ان امور میں سے ہیں جنہیں علماء متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: ماثبت من السنہ عربی، اردو طبع لاہور، ص ۲۲۴)

مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا

شیخ محقق فرماتے ہیں:

"آخر زمانہ چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے، اس لیے مشائخ اور اولیاء کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت کو دیکھتے ہوئے کچھ چیزوں کا اضافہ کیا، تاکہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو۔ خصوصاً ہندوستان میں جہاں دشمنان دین ہنود اور دوسرے کافر بہت سے ہیں۔ ان مقامات کی شان و شوکت سے وہ لوگ مرعوب اور مطیع ہوں گے، بہت سے اعمال، افعال اور طریقے ایسے ہیں جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کیے جاتے ہیں اور بعد کے زمانوں میں پسندیدہ قرار دیئے گئے"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: شرح سفر السعادۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ص ۲۷۲)

قادریت

حضرت شیخ محقق کو اگرچہ دوسرے سلاسل میں بھی بیعت و خلافت حاصل تھی، لیکن ان پر نسبت قادریت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نسبت ہی کو اپنے لیے طرہ امتیاز قرار دیتے تھے۔ فتوح الغیب کی فارسی میں شرح لکھی تو احتراماً اس کی ابتداء میں اپنا نہیں لکھا۔ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس احقر کے نام کے ذکر کی کیا حیثیت اور مجال ہے؟ کہ اس جگہ ذکر کیا جاسکے''۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: شرح فتوح الغیب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۴۲۴)

اخبار الاخیار میں متحدہ ہندوستان کے مشائخ کرام کا تذکرہ ہے، لیکن شیخ محقق کا حسن عقیدت دیکھیے کہ انہوں نے سب سے پہلے سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی کا تذکرہ کیا ہے۔

مسلک

شیخ محقق مسلک اہل سنت و جماعت کے امام ہیں۔ ان کے عقائد کا مختصر جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ کے عقائد اور معمولات وہی ہیں جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مسلک امام ربانی طبع لاہور، از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی۔ یہی معمولات و عقائد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہاں ملتے ہیں؟ القول الجلی کی بازیافت، از حکیم سید محمود احمد برکاتی میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ مقالہ رضا اکیڈمی لاہور نے حال ہی میں طبع کیا ہے۔

علماء دیوبند اگرچہ شیخ محقق کا نام احترام سے لیتے ہیں، تاہم وہ اپنے مکتب فکر کا تعلق ان سے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مولوی انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے مولوی انظر شاہ کشمیری، استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں وہ خاموشی کی زبان میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں:

''ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہیے۔ غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں--- شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے ہیں انہیں تو جانے دیجیے۔ ان کے صاحبزادے شیخ نورالحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ تک معروف و متداول رہی۔ اس کے خانوادہ کی خدمات علماء ولی اللہی کے کنبہ کی طرح اگرچہ جلیل و وقیع نہیں۔(۱) تاہم حدیث و قرآن سے ہند کو واقف کرنے میں شیخ عبدالحق مرحوم کا بھی حصہ ہے۔

پھر یہ رائے بھی بدل گئی۔ اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی۔ نیز حضرت شیخ عبدالحق مرحوم کا فکر کلیتاً دیوبند سے جوڑ بھی نہیں کھاتا۔ غالباً میری بات بہت سوال کو چونکا دینے والی ہو، مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحب نظر عالم کی رائے میں اپنے لیے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ: ''شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنت کا فرق واضح نہیں ہو سکا''۔ بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے''۔ (نظر شاہ کشمیری، مولوی: فٹ نوٹ، ماہنامہ البلاغ (شمارہ ذی الحجہ ۱۳۸۸ء) ص ۴۹)

(۱) چاند کے چہرے پر گرد و غبار ڈالنے والی بات ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف کی وسعت کی نفی کرنے کے لیے شیخ محقق کا نام ناجائز طور پر استعمال کیا ۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں"۔

(خلیل احمد انبیٹھوی: براہین قاطعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند' ص ۵۵)

حالانکہ شیخ محقق نے تصریح کی ہے کہ:

"ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح شدہ"۔

(عبدالحق محدث دہلوی' شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (سکھر) ج ۱' ص ۵۳' امام احمد رضا بریلوی)

"اس بات میں کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی روایت بھی صحیح نہیں ہے"۔

علاوہ ازیں شیخ نے یہ بات بطور حکایت نقل کی ہے' روایت ہرگز نہیں کی' حکایت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بریلی' بدایون' خیر آباد' اور رامپور کے علماء یعنی علماء اہل سنت ہی شیخ محقق کے جانشین اور ان کے مسلک کے امین ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی ایک جگہ چند اکابر ملت اسلامیہ کا ذکر کرنے کے بعد ان الفاظ میں شیخ محقق کا ذکر کرتے ہیں:

"شیخ شیوخ علماء الہند محقق فقیہہ' عارف نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت و عظمائے امت قَدَّسَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَسْرَارِھِم وَاَفَاضَ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِھِم وَاَنْوَارِھِم۔ (مجموعہ رسائل حصہ دوم (مدینہ پبلشنگ کمپنی) ص ۱۰۹)

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام اہل سنت' شیخ محقق شاہ عبدالحق دہلوی قدس سرہ العزیز کی تربت انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے' اولاد امجاد اور تمام اہل سنت و جماعت کو ان کے علمی ورثے کی حفاظت اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان کی تصانیف کے ذریعے احناف کے باہمی اختلافات کا خاتمہ فرمائے۔ آمین۔ بحرمتہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم

مولانا ابوداود محمد صادق (گوجرانوالہ)

مسلک شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ محدث دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ کا مسلک یہ ہے کہ بحکم حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں اور سب سے پہلے آپ ہی کے نور کی تخلیق ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "فیوض الحرمین" ص۹۷ پر نقل فرمایا:

قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا۔

اور بسبب اس کے چونکہ آپ کی بشریت نورانی بشریت ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے آپ کا سایہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمتہ نے نقل فرمایا کہ

"نور حق کے غلبہ کے باعث آپ کی بشریت اصلاً نہ رہی اور آپ کا سایہ زمین پر نہ گرتا تھا"۔

(تفسیر عزیزی سورت والضحیٰ، ص۲۳۶)

حوالہ مذکورہ: سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند ارجمند کے عقیدہ کے مطابق

اولاً: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان و بلا تنقید آپ کی حدیث صحیح ہے اور اسی لیے شاہ ولی اللہ صاحب نے اسے نقل کیا اور اس کی دلیل دی ہے۔

ثانیاً: شاہ صاحبان کے مسلک کے مطابق چونکہ بحکم حدیث آپ نور ہیں اور نور حق کے غلبہ کے باعث آپ کی بشریت اصلاً نہیں رہی۔ اسی لیے آپ کا سایہ نہ تھا۔ جب کہ شاہ ولی اللہ سے جھوٹی عقیدت رکھنے والے نورانیت کا انکار کرتے اور عامی بشریت کی رٹ لگاتے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ

شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما) کا مسلک مبارک مدلل طور پر پڑھنے کے بعد آیئے۔ اب اس کے برعکس دیوبندی وہابی مسلک ملاحظہ فرمایئے۔ مدرسہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث مولوی محمد سرفراز گکھڑوی نے اپنے دیوبندی وہابی عقیدہ کے تحت لکھا ہے کہ --- "اصل میں سایہ نہ ہونے اور نور کا مسئلہ اہل بدعت نے شیعہ سے لیا ہے"۔

(کتاب تنقید متین، ص۱۲۱، ۱۱۳)

تھی کے دانت

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور کے محاورہ کے تحت غور فرمایئے کہ دیوبندیوں کے صدر الصدور نے ڈنکے چوٹ پر کس طرح حدیث نبوی اور شاہ صاحبان کے عقیدہ نور اور سایہ نہ ہونے کی تردید و تکذیب کی ہے۔ اور شاہ صاحبان کو یدہ نور اور سایہ نہ ہونے کے مسئلہ میں شیعہ کا پیروکار اور اہل بدعت بنادیا ہے۔

حالانکہ شاہ ولی اللہ اور بالخصوص شاہ عبدالعزیز صاحب نے شیعہ شنیعہ کا جس مردانگی سے رد اور مسلک اہل سنت کا تحفظ یا ہے۔ کوئی جاہل و اجہل تو انہیں شیعہ کا پیروکار قرار دے سکتا ہے۔ مگر کوئی صاحب علم ان پر ایسی بہتان تراشی کا تصور بھی ں کر سکتا۔۔۔ والعیاذ باللہ۔

کیا یہ صراحتاً دھاندلی اور فراڈ نہیں کہ ایک طرف تو وہ شاہ ولی اللہ کے نام پر مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مگر دوسری طرف ان نور دشمنی اور شاہ ولی اللہ کی مخالفت کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف عقیدہ نور اور سایہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کی پیروی قرار دیتے ہیں۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے

ناک انکشاف

شاہ ولی اللہ صاحب کی طرح ان سے پہلے کے جلیل القدر بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی رف حدیث نبوی "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" کو نقل کیا ہے، بلکہ صراحتاً اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔

(مدارج النبوت، ج ۲، ص ۲)

چنانچہ حضرت شیخ پر اعتماد کرتے ہوئے امام دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی ترید حدیث کی بجائے بدیں الفاظ میں نقل کیا ہے کہ "شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ نے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے"۔
ی رشیدیہ، ص ۳۷۴)

لیکن مولوی سرفراز گکھڑوی کے استاذ و شیخ مولوی حسین علی واں بھچروی نے فارسی میں اور گکھڑوی صاحب کے بھائی لحمید سواتی نے اردو میں حدیث نبوی و نور محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عداوت میں تحریف و خیانت کا ارتکاب کرتے ئے بدیں الفاظ "مدارج النبوت و فتاویٰ رشیدیہ" پر ظلم ڈھایا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے "فتاویٰ رشیدیہ" میں ہے۔ "اس روایت کی کوئی اصل نہیں"۔ (شیخ عبدالحق نوشتہ کہ ایں راہیچ اصلے نیست) (تحفہ ابراہیمیہ، ص ۱۵۹)

اکبر

مسلمانو! یہ ہے ان دیوبندیوں کا اخلاق و کردار کہ بہ مصداق۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ان لوگوں کو حدیث نبوی و نور محمدی پر ایمان لانے کی تو توفیق نہیں مگر الٹا "مدارج النبوت و فتاویٰ رشیدیہ" میں تحریف کے اپنی مسخ شدہ ذہنیت کے تحت حدیث پاک کی صحت و اصلیت کو مسخ کر کے مثبت کو منفی اور ہاں کو نہ بنادیا۔
اس واردات کا ارتکاب کرتے ہوئے نہ کچھ خوف خدا محسوس کیا اور نہ نبی پاک کی حیا آئی، نہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی

شرم کی۔

مقام غور

ہے کہ جس حدیث نبوی کو شیخ محقق ولی اللہ جیسے محدث بلا انکار و جرح ایسی صحت و ذمہ داری کے ساتھ نقل کریں۔ اس میں شک و شبہ کی کیا گنجائش ہے اور اس کے باوجود اگر کسی کی بد نصیبی آڑے آئے اور وہ نہیں مانتا' تو نہ مانے مگر کسی کو ایسی علمی ڈکیتی اور کتب سلف میں تحریف و تبدیلی کا کیا حق پہنچتا ہے؟ اور یہ سب کچھ شان رسالت کے انکار و حدیث نبوی اور نور محمدی کی دشمنی اور مسلک شاہ ولی اللہ کی مخالفت کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

محفل میلاد

کتاب "فیض الحرمین" میں شاہ ولی اللہ صاحب نے خود اپنا واقعہ لکھا ہے کہ "میں مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مولد مبارک (جائے ولادت باسعادت) میں یوم میلاد شریف پر حاضر تھا۔ اور لوگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھتے تھے اور بیان کرتے تھے وہ معجزے جو آپ کے وقت ولادت میں ظاہر ہوئے تھے اور وہ مشاہدات جو اعلان نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے۔ (المنح، ص ۲۷، عربی مع اردو)

معلوم ہوا

کہ محفل میلاد بدعت و ظلمت نہیں بلکہ موجب برکت و نورانیت ہے۔ جس کا خود شاہ صاحب نے مشاہدہ کیا۔ نیز یہ کہ یوم میلاد منانا اور محافل و اجلاس کی تقاریب کا انعقاد کرنا' شاہ صاحب کے نزدیک حرام و بدعت نہیں تھا۔ ورنہ آپ ہرگز محفل میلاد میں یوم میلاد پر شرکت نہ کرتے۔ یہی نہیں بلکہ خود اہل مکہ مکرمہ بھی یوم میلاد کے قائل و عامل تھے۔

عرس مبارک

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت والد ماجد شاہ عبدالرحیم (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے تھے کہ "میں نے خواجہ بیرنگ کے ایک ایسے خلیفہ کو دیکھا جو انتہائی جلیل القدر بزرگ تھے اور تقریب عرس مناتے تھے۔ میں بھی کئی مرتبہ ان کے عرس مبارک میں شامل ہوا۔ عرس میں تبرک بھی تقسیم کرتے تھے"۔ (انفاس العارفین، ص ۸۲، ملخصا")

معلوم ہوا

کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے والد بزرگوار بزرگوں کے عرس و تبرک کے بھی قائل و عامل تھے اور عرس مبارک کو بدعت کہنے کے بجائے اس میں شمولیت فرماتے تھے اور عرس کرنے والوں کو بزرگ جانتے اور ان کی تعریف کرتے تھے۔

متفرق متنازعہ مسائل (حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف و تصریحات کی روشنی میں)

جاننا چاہیے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمتہ عالم اسلام و دنیائے علم و فضل کی ایک ممتاز شخصیت

ہیں اور اہل سنت کے ایک عظیم علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔
آپ حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی کے فرزند ارجمند اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم) کے والد ماجد ہیں۔
شاہ عبدالرحیم ایک صاحب حضوری بزرگ تھے۔ جن کی جلالت علمی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن پانچ سو جلیل القدر علماء و فقہاء نے شہر آفاق "فتاویٰ عالمگیری" مرتب کیا۔ آپ ان بزرگوں میں شامل تھے۔
اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے علمی مقام کا اندازہ۔
حضرت علامہ و فضل حق صاحب خیر آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے آپ کے سربر آوردہ شاگردوں کے علم و فضل سے ہو سکتا ہے۔
اس پس منظر اور پیش منظر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت بذات خود محتاج تعارف نہیں رہتی۔ آپ کی تصانیف اور ہر دور میں تلامذہ کے تسلسل کا فیضان بہت جامع وہمہ گیر ہے۔ اور پاک و ہند کا شاید ہی کوئی فارغ التحصیل و سند یافتہ عالم ہو جس کی سند آپ تک نہ پہنچی ہو' چاہے وہ کسی بھی مکتب فکر سے متعلق کیوں نہ ہو۔
یہی وجہ ہے کہ تمام مکاتب فکر آپ کی شخصیت کے معترف اور آپ کے علم و فضل کے قدردان ہیں اور اپنے علمی سلسلہ' اپنی تصانیف میں آپ کو بطور سند و حوالہ پیش کرتے ہیں اور آپ کی ذات کو حجت گردانتے ہیں۔
مگر اس تمام صورت حال کے باوجود یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ دیوبندی وہابی مکتب فکر نے اپنے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی (مصنف تقویت الایمان) کی ناجائز تائید و حمایت میں شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی نجدی وہابی ظاہر کرنے کے لیے "تحفتہ الموحدین" اور "البلاغ المبین" جیسی نجدی مسائل پر مشتمل من گھڑت کتب کو آپ کی طرف منسوب کیا۔ آپ کی تصانیف میں تحریف و الحاق کا ارتکاب کیا اور ان میں قطع و برید کرکے آپ کی عبارات سے غلط تاثر دینے کی کوشش کی۔
جس کی تفصیل کے لیے مترجم قصیدۂ اطیب النعم (مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور) ہفت روزہ "الہام" بہاولپور کے "شاہ ولی اللہ نمبر" اور فقیر کی تصنیف "دیوبندی حقائق" کا مطالعہ کریں۔
بہرحال! ہمیں ثابت کرنا ہے کہ مسلک شاہ ولی اللہ مسلک اہل سنت ہے۔ اور دیوبندی' مودودی' وہابی' اسماعیلی اور تقویت الایمانی مسلک شاہ ولی اللہ کے مسلک کے بالکل مخالف' بلکہ ان کے مسلک سے بغاوت ہے اور ان کے متعلق غلط تاثر دینا نہایت ہی مذموم حرکت ہے۔

الاعتصام کی شہادت

چنانچہ غیر مقلدین کے ترجمان ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور نے بھی بدیں الفاظ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ "شاہ ولی اللہ صاحب کا جو حصہ تصوف پر مشتمل ہے اس میں ایسا مواد ملتا ہے جس سے بریلوی کی خاص تائید ہوتی ہے"۔
(تقدیم انفاس العارفین' ص ۱۳۰ اردو)
مذکورہ تمہید کے بعد متفرق طور پر شاہ ولی اللہ کے عقائد و مسائل کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے' تاکہ معلوم ہو ان کا مسلک کیا ہے اور موجودہ مکاتب فکر میں کون ان سے موافق و متفق ہے اور کون نہیں؟

مجسم ثبوت

شاہ صاحب کا مسلک ان کی تصانیف "اطیب النغم، انفاس العارفین، در ثمین، فیوض الحرمین والقول الجمیل وغیرہ اہل مزارات محبوبان خدا و اصحاب قبر کی زندگی تکلم و تصرف، علم غیب مافی الارحام ومافی الصدور و فیضان قبر کا مجسم ثبوت ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ "میرے والد شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی قبر کی زیارت کو گئے تو شیخ نے قبر سے ان کے ساتھ کلام فرمایا اور انہیں بیٹا (یعنی شاہ ولی اللہ) پیدا ہونے کی بشارت دی اور اپنے نام پر قطب الدین نام رکھنے کا حکم فرمایا۔ پھر جب میری پیدائش ہوئی تو والد صاحب نے بھول کر ولی اللہ نام رکھ دیا مگر جب یاد آئی تو قطب الدین نام رکھا"۔ (تفہیمات الٰہیہ، ص ۱۸۵)

شاہ ولی اللہ نے "انفاس العارفین ص ۱۰" میں اسی واقعہ کے سلسلے میں مزید لکھا ہے کہ "والد ماجد نے فرمایا، جب شیخ قطب الدین کی روح مبارک نے ظاہر ہو کر بیٹے کی بشارت دی تو میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے کیونکہ اس وقت زوجہ کی عمر کے لحاظ سے اولاد کا ہونا ناممکن ہے لیکن آپ فوراً میرے اس وہم پر مطلع ہو گئے اور فرمایا "میرا مقصد پوتا نہیں بلکہ یہ فرزند خود تمہارا ہوگا چنانچہ عرصہ بعد دوسرا نکاح کا خیال پیدا ہوا اور اسی سے کاتب الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوئے"۔ (ملخصاً)

بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے تولد کے واقعہ مذکورہ کو نظر انداز کرنا اور من گھڑت و جعلی عبارات سے ان کے مسلک کے خلاف غلط تاثر دینا کتنا قابل مذمت ہے؟ اور سنئے۔

شان اولیت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ۔

یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ (تفہیمات ج ۲، ص ۹۶، فیوض الحرمین ص ۳۴)

نور محمدی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔

سب مخلوقات سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا۔

پھر نور محمدی کے واسطہ سے دیگر حقائق کا ظہور ہوا پس روح محمدی نبی الانبیاء ہے جس کے واسطہ سے ارواح انبیاء کو علوم معارف حاصل ہوئے۔ (فیوض الحرمین، ص ۹۷)

حدیث لولاک

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا:

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔

اگر آپ نے ہوتے تو افلاک نہ ہوتے۔

آپ ہی ہیں جن کے لیے میں نے پیدا کیا، جو بھی پیدا کیا۔ آپ نہ ہوتے تو علویات و سفلیات نہ ہوتے۔ آپ کتنے حسین ہیں؟ آپ کتنے جمیل ہیں؟ آپ کے لیے قدرت کا ظہور ہوا۔ آپ آپ ہیں، آپ جیسا کوئی محبوب نہیں ہے۔

(فیوض الحرمین، ص ۵۶)

حیات انبیاء

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک انبیاء مردہ نہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں۔ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں"۔ (فیوض الحرمین' ص ۶۸)

حاضر و ناظر

☆ میں جب بھی آپ کی قبر کی طرف متوجہ ہوا' آپ کو حاضر و ظاہر دیکھا۔

☆ میں نے آپ کی روح کو عیاں دیکھا اور معلوم کیا کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ حضور نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں اور امامت فرماتے ہیں' اور اس طرح حاضر و ناظر کے متعلق اور بھی اسی قسم کی جو باتیں کرتے ہیں وہ یہی نکتہ ہے۔ (ایسا ممکن ہے)

☆ بعض مرتبہ میں نے دیکھا کہ تمام فضا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدس سے بھری ہوئی ہے اور روح مبارک اس میں تیز ہوا کی طرح موجیں مار رہی ہے۔

☆ نیز مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ کا خاصہ ہے روح کو صورت جسم میں کرنا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنا منہ مبارک ان کی طرف فرماتے ہیں--- جیسا کہ یہ مشہور شعر ہے کہ (ترجمہ) "پہلوں کے سورج غروب ہوگئے اور ہمارا آفتاب ہمیشہ کی طرح بلندی پر رہے گا غروب نہیں ہوگا"۔ (فیوض الحرمین' ص ۲۷'۳'۲'۴۰)

☆ جبرئیل خود اپنی جگہ (سدرۃ المنتہیٰ) پر قائم ہے مگر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بصورت دحیہ کلبی حاضر ہوتا ہے۔ (انفاس العارفین ص ۲۳۷)

جبکہ شان محمد اس سے بالاتر ہے۔

علم غیب

عنایت ازلی کی وجہ سے نبوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہر نبی کو آنے والے عظیم واقعات کا طوفان اور قیامت وغیرہ کے آثار و قرائن سے مطلع کرتا رہتا ہے--- نبوت عالم النفس اور عالم آفاق میں حکما تدبیر عالم و مصالح کائنات کے رموز و اسرار پر محتوی و مشتمل ہوتی ہے۔

☆ انسانی روح میں ایک قوت پوشیدہ ہوتی ہے جسے لوح غیب کہتے ہیں' جب نبی اس سے علوم (غیب) حاصل کرتا ہے تو اسے فرشتہ وحی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ (انفاس العارفین' ص ۱۰۲'۲۴۴)

☆ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔

"مجھے اولین و آخرین کا علم عطا کیا گیا ہے"۔

تحقیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشارق و مغارب دکھائے گئے اور ان کی کنجیاں بھی عطا کی گئیں"۔ (تفہیمات' ج ۲' ص ۲۸۸)

"جو ہوا' جو ہوگا اور جو غائب ہے' آپ کو سب کا علم تام ہے"۔ (مصفی' ج ۲' ص ۲۹۶)

صلوۃ و سلام اور نداء یا رسول اللہ

"جب صبح کی نماز پڑھے تو سلام پھیرنے کے بعد "اوراد فتحیہ" کا وظیفہ کرے جو کہ چودہ سو اولیائے کرام کے متبرک کلام کا

مجموعہ ہے۔ (اس مجموعہ میں ۱۷ صیغوں کے ساتھ درود شریف بصیغہ نداء مذکور ہے۔ (اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ' اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ' اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْلَ اللّٰہِ' اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ) جو شخص یہ اوراد حضوری و پابندی کے ساتھ پڑھے گا وہ چودہ سو اولیاء کرام کی ولادت کا فیض پائے گا۔ (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ' ص ۲۴)

استمداد و استغاثہ

میں نے عرض کی یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہمیں بھی عطا فرمائیں' آپ رحمتہ للعالمین ہیں اور ہم خیرات لینے کے لیے حاضر ہوئے ہیں--- پس آپ نے میری عظیم اجمالی مدد فرمائی۔ نیز مجھے بتایا کہ میں آئندہ اپنی حاجات میں سے کیسے مدد طلب کروں۔ (فیوض الحرمین' ص ۲۹)

☆ مصیبت و سختی کے وقت جب میں نے تلاش کیا کہ کیا کوئی ناصر و مددگار ہے۔ جس کی میں پناہ لوں تو میں نے سوائے حبیب پاک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے کسی کو نہ پایا۔

☆ آپ باعتبار فراخی سینہ و بخشش کے تمام مخلوق سے زیادہ سخی ہیں۔ اور ہر طالب و سائل کے لیے آپ کا دست کرم سب سے زیادہ کشادہ ہے۔

☆ اے رسول اللہ! اے بہترین خلق! بروز حشر میں تیری عطا چاہتا ہوں۔ آپ کی ذات ہر بلا سے پناہ کا قلعہ ہے۔

☆ جب مصیبت ہجوم کر کے آ جائے تو آپ ہی مجھے پناہ دینے اور بچانے والے ہیں۔

☆ آپ ہی کی طرف میری توجہ ہے۔ آپ ہی سے پناہ چاہتا ہوں اور آپ ہی سے امید رکھتا ہوں۔

(قصیدہ اطیب النغم' ملخصاً)

مختار کل

آپ نے عالم غیب کی مدد سے کئی بار بھوکوں کو کھانا کھلایا اور پیاسوں کو پانی پلایا۔ (حالانکہ ظاہری سامان و اسباب موجود نہ تھے)

☆ کئی قریب الموت مریضوں کو آپ کی دعا نے صحت یاب کر دیا۔

☆ ام معبد کی خستہ حال بکری نے آپ کے لیے بہت دودھ دیا۔

☆ سراقہ کے گھوڑے کا پاؤں پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔

☆ جس کا ہاتھ آپ کے دست مبارک کو چھو گیا اس سے خوشبو مہک اٹھی' اور جس کے سر پر ہاتھ پھیرا اس کے بالوں میں بڑھاپا نہ اتر سکا۔

☆ اللہ نے آپ کو دکھا دیا جہاں تک زمین کے مشارق و مغارب میں آپ کی پادشاہی پہنچے گی۔

☆ پتھروں اور سنگ ریزوں اور گونگوں نے آپ سے کلام کیا۔

☆ کھجور کا پرانا تنا آپ کے فراق میں رو دیا۔

☆ آپ کے پاس چودھویں رات کا چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور یہ معجزہ عجیب ترین ہونے کے باوجود آپ کی شان اعجاز کے

لحاظ سے کوئی زیادہ عجیب و غریب نہیں۔ (اس لیے کہ آپ کی شان اعجازی اس سے بھی بہت زیادہ ہے) (قصیدہ اطیب النعم)

☆ بروز حشر عام لوگ آپ کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔ (مصفی، ج ۳، ص ۲۸۵)

وسیلہ نبی

مجھے آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے علاوہ کوئی نظر نہ آتا۔ جس کے دامن کو پکڑ کر کوئی غمزدہ مصیبت کے وقت پناہ لے سکے اور ہر توبہ کرنے والا حصول مغفرت کے لیے جہاں حاضر ہو سکے۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ۔ یعنی جب لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے پاس حاضر ہوں اور اللہ سے استغفار کریں۔ (الآیہ)

اور رسول ان کے لیے شفاعت فرمائے تو بہتر اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (قصیدہ اطیب النعم)

وسیلہ ولی

رسالہ "اصول ولایت" میں ہے کہ آیہ کریمہ "يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" میں جو فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو"۔

اس میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد اور شیخ طریقت کی طلب ہے۔ اور واصل محبوب کی راہیں اس سے کھلتی ہیں۔

(انفاس العارفین، ص ۳۲۵، القول الجمیل، ص ۲۱)

تبرکات

میرے والد نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ بحالت بیماری مجھے خواب میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، فرمایا: بیٹا کیا حال ہے؟ پھر صحت کی بشارت دی اور داڑھی مبارک کے دو بال عطا فرمائے۔ جب بیدار ہوئے تو بیماری غائب تھی اور موئے مبارک پاس تھے۔ جن میں سے والد صاحب نے مجھے ایک عطا کیا۔ (در ثمین، ص ۶)

اس واقعہ میں علم غیب حاضر و ناظر اور تصرف و تبرک کا واضح ثبوت ہے۔

والدین کریمین

حضور کے والدین بہترین بندگان خدا میں سے ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے خواب میں آپ کے وجود و کمال کی بشارت دی۔

(تفہیمات، ج ۲، ص ۹۸)

ظاہر ہے کہ خیار و بہترین بندگان خدا وہی ہو سکتے ہیں جو ایمان دار و نیکوکار ہوں، نہ کہ کافر و مشرک۔ (والعیاذ باللہ)

عبدالرسول نام

خلیفہ ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سید عبدالرسول مخلص مرید و مرد درویش تھے۔

شیخ عبدالنبی مقتداء طریقہ احسنیہ تھے۔ (انتباہ، ص ۵)

شیخ یونس کو عبدالنبی نام سے اس لیے پکارا جاتا کہ وہ لوگوں کو مسجد میں بٹھاتے اور نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر درود و صلوۃ پڑھواتے تھے۔ (انفاس العارفین، ص ۷۶، ۸۰، ۳۷۶)

معلوم ہوا: کہ عبدالرسول، عبدالغنی نام شرک و بدعت نہیں، بلکہ شاہ ولی اللہ کے بقول بزرگان دین کے اسماء میں سے ہیں۔ (رحمتہ اللہ علیہم)

درود شریف

"میں مکہ معظمہ میں بروز ولادت باسعادت (۱۲ ربیع الاول کو) مولد النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں حاضر تھا در آنحالیکہ لوگ آپ پر درود شریف پڑھ رہے تھے اور موقع ولادت و قبل بعثت کے معجزات بیان کر رہے تھے۔ پس میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے--- میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انوار ان ملائکہ سے ہیں جو ایسے مشاہد و مجالس پر مقرر ہیں۔ نیز میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ انوار رحمت سے ملے ہوئے ہیں"۔ (فیوض الحرمین، ص ۲۷)

میرے والد ماجد نے بتایا کہ "میں مولد شریف کے ایام میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہدیہ کے لیے کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ پاس نہ تھا کہ کھانا پکوا سکوں، پس میں نے (میلاد کی خوشی میں تبرکا) بھنے ہوئے چنے ہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہی چنے آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ بہت شاد و بشاش ہیں"۔

(در ثمین، ص ۸، انفاس العارفین، ص ۱۰۶)

عرس مبارک

والد ماجد فرماتے تھے کہ "میں نے خواجہ برنگ کے خلیفہ جلیل القدر و نورانی بزرگ شیخ نعمت اللہ کو دیکھا جو عرس مناتے تھے اور چھ سات سال کی عمر میں، میں بھی عرس میں حاضر ہوتا تھا--- وہ عرس میں تبرک کے لیے بہت چھوٹی روٹیاں تقسیم کرتے تھے۔ (انفاس العارفین، ص ۸۲)

"اعراس مشائخ کی پابندی، زیارت قبور کی ہمیشگی، فاتحہ خوانی کا التزام، ان کے ایصال ثواب کے لیے صدقہ دینا اور ان کے آثار و اولاد و متبعین کی تعظیم کرنا معمولات میں سے ہے"۔ (ہمعات، ص ۵۸)

ختم شریف

والد ماجد نے فرمایا: میں شیخ عبدالاحد (مجدد الف ثانی کے پوتے) کے گھر گیا تو وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے۔ (حضرت شیخ محمد) ختم خواجگان میں مشغول ہو گئے اور فراغت کے بعد فرمانے لگے کہ دعا قبول ہو گئی ہے۔

(انفاس العارفین، ص ۱۲۵، ۳۷۰)

جمعرات کو غوث الثقلین کی فاتحہ پڑھنے کے بعد وظائف شروع کرے۔ (ملخصاً، انتباہ، ص ۲۵)

گیارہویں شریف

مرزا مظہر جان جاناں (علیہ الرحمتہ) نے فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرات اولیاء اللہ مع خواجہ نقشبند و حضرت جنید

(رحمتہ اللہ علیہم) حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے استقبال کے لیے گئے اور آپ مع اویس قرنی تشریف لائے اور پھر یہ سب حضرات ایک پرنور حجرے میں داخل ہوگئے۔ میں نے دریافت کیا تو ایک بزرگ نے فرمایا "امروز عرس حضرت غوث الثقلین است بہ تقریب عرس تشریف بروند" یعنی آج غوث الثقلین کا عرس (گیارہویں شریف) ہے۔ اس تقریب میں تشریف لے گئے ہیں"۔ (ملخصاً۔ کلمات طیبات' ص ۱۸' ارشاد ولی اللہ دہلوی)

گیارہویں شریف کی کتنی عظیم نسبت کا بیان ہے۔

لغیر اللہ

بعض لوگ عرس و گیارہویں کے خلاف یہ تاثر دیتے ہیں کہ چونکہ اس میں غیر اللہ کا نام آگیا ہے اس لیے آیت "وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کے تحت یہ حرام ہے' حالانکہ شاہ ولی اللہ نے اس کے ترجمہ میں فرمایا ہے کہ "آنچہ نام غیر خدا بوقت ذبح او یاد کردہ شد"۔ (پارہ ۲' ص ۴۵' پ ۶' ص ۲۰۶)

معلوم ہوا: کہ "وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کے تحت وہ جانور حرام ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے' نہ کہ عرس و ختم گیارہویں وغیرہ جس میں دعا خیر و ایصال ثواب کے لیے نسبت کی جاتی ہے جو اولیاء کرام اہل سنت کا معمول ہے۔

غوث الاعظم

شاہ ولی اللہ نے غوث الاعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو شیخ اعظم اور غوث اعظم لکھا ہے۔ (تفہیمات' ص ۲۳' ۱۰۸ ج ۲) اور بحوالہ "الانتباہ" غوث الثقلین کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے' یعنی جن و انسانوں کے غوث اور سب سے بڑے غوث یعنی فریاد رس۔

مزید لکھا ہے کہ "آپ اپنی قبروں میں زندوں کی طرح تصرف کرتے اور اختیار استعمال فرماتے ہیں"۔ (ہمعات' ص ۶۱)

غوث اعظم نے (اپنے مقام و تصرف و اختیار کے متعلق) تفاخر و کلمات کبریائیہ کے ساتھ کلام فرمایا ہے اور آپ سے تسخیر عالم کا ظہور ہوا ہے۔ (جیسا کہ قصیدہ غوثیہ وغیرہ میں ارشاد فرمایا ہے) (ہمعات' ص ۸۳' از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

تقلید ائمہ

مذاہب اربعہ سے وابستگی کی تاکید اور ان کے ترک اور ان سے خروج کی شدید ممانعت کے بیان ہیں۔ جان لے کہ تحقیق مذاہب اربعہ سے وابستگی میں عظیم مصلحت ہے اور ان کے چھوڑنے میں بڑا فساد و بگاڑ ہے۔۔۔ بحکم حدیث "اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ" ان مذاہب حقہ کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے۔ (جو کہ فرمان رسالت اور حدیث مذکور کے خلاف ہے) (کتاب عقد الجید' ص ۵۵' ۵۶)

ان (مذاہب کے) چار اماموں کے علم نے سارے جہاں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور کوئی امام و عالم ان کا ہم پایہ نہیں ہے۔ (مصفیٰ' ج ۱' ص ۶)

طلاق ثلاثہ

اگر ایک کلمہ میں تین یا تین سے زیادہ طلاق دے تو تین ہی طلاق واقع ہو جائیں گی۔ (مصفیٰ' ص ۴۹' ج ۲)

قنیہ فتاویٰ اعتمادیہ اور فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے کہ جو مفتی (بغیر حلالہ) مطلقہ ثلاثہ کا پہلے خاوند سے نکاح کا فتویٰ دے' وہ مطلقہ ہی رہے گی (حلال نہیں ہوگی) اور مفتی کو سزا دی جائے گی۔ (عقد الجید' ص ۱۳۰' ۱۳۱)

۲۰ تراویح

۲۰ تراویح اور تین وتر حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے اور محلی نے امام بیہقی سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور ۲۰ تراویح کے تعین کا راز حضرات صحابہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فراست منورہ نے دریافت فرمایا۔

(ملخصاً مصفی شرح موطا' ج ۱' ص ۱۷۷' حجتہ اللہ البالغہ' ص ۱۸' ص ۲)

حرف آخر

الحمدللہ! اختصار کے باوجود حضرت محدث دہلوی علیہ الرحمتہ کا عقیدہ و مسلک ان کی تصانیف کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے جو اہل علم و انصاف کے لیے قابل توجہ ہے جس کی روشنی میں بلاتعصب سنی وہابی مسلک کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور اختلافات کو سمیٹا جا سکتا ہے' یہ مسلک دور اختلافات سے دو صدی سے زائد زمانہ پہلے کا ہے۔

نوٹ: اگر شاہ صاحب کی کوئی عبارت اس مسلک و عقیدہ کے خلاف پیش کی جائے تو اس کی تاویل ہوگی یا وہ انفرادی رائے ہوگی یا پھر جعلی و الحاقی' واللہ و رسولہ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول زیارت موئے مبارک

حضرت نے فرمایا کہ "قدیم طریقہ کے موافق ۱۲ ربیع الاول کو میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کچھ نیاز تقسیم کی اور آپ کے بال مبارک کی زیارت کرائی۔ تلاوت کلام پاک کے دوران میں ملاء اعلیٰ کا ورود ہوا (فرشتے نازل ہوئے) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پر فتوح نے اس فقیر اور اس سے محبت کرنے والوں کی طرف بہت التفات فرمائی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ ملاء اعلیٰ (فرشتوں کی ٹولی) اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت نیاز مندی اور عاجزی کی بنا پر بلندی کی طرف بڑھ رہی ہے (اوپر اٹھ رہی ہے) اور اس کی کیفیت کی برکتیں اور اس کی لپٹیں نازل ہو رہی ہیں"۔

(شاہ ولی اللہ: القول الجلی' ص ۷۴' مترجم ص ۹۸)

اس ملفوظ سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ

☆ خاص ۱۲ ربیع الاول شریف کو شاہ ولی اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فاتحہ اور نذر و نیاز دلوایا کرتے تھے اور یہ آپ کا پرانا طریقہ تھا۔

☆ اور نیک بخت حاضرین کو موئے مبارک از بس مکرم و مقدس کی زیارت کراتے تھے اور شیرینی تقسیم کرتے تھے۔

☆ تاریخ کی تعیین کی وجہ سے کراہت تو در کنار' آپ کو برکات اور انوار نظر آتے تھے' آپ حاضرین مجلس کے درجات بلند ہوتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اسی طرح آپ نے رسالہ "الدر الثمین" کے ص ۸ حدیث ۲۲ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کا بیان نقل کیا ہے کہ "میں ایام مولود میں آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے میلاد کا کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ پاس نہ تھا۔ کچھ بھنے چنے تھے۔ ان کو میں نے تقسیم کیا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے سامنے بھنے

چنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ شاد اور بشاش ہیں"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ اور آپ کے والد بزرگوار پابندی کے ساتھ میلاد مبارک کے دن خوشی کا کھانا اور شیرینی تقسیم کیا کرتے تھے اور یہی حضرت شاہ عبدالعزیز اور آپ کے شاگردوں کا طریقہ رہا۔۔۔(رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

یہ موئے مبارک

شاہ عبدالرحیم کو عطا ہوئے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ والد صاحب فرماتے تھے کہ ایک بار بیماری کے تسلسل سے میری حالت غیر ہو گئی۔ اسی حالت میں خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے آغوش میں لے لیا اور ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو موئے مبارک مجھے عطا فرمائے۔ بیدار ہونے پر میں نے وہ موئے مبارک تکیے کے نیچے پائے اور بیماری اور نقاہت بھی زائل ہو گئی۔ شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موئے مبارک شاہ ولی اللہ کو عطا کیا تھا اور ایک شاہ اہل اللہ کو' شاہ اہل اللہ اسے پھلت لے گئے تھے اور وہاں اب تک محمد عاشق کے اخلاف کے پاس ہے۔ شاہ ولی اللہ کے ہاں موئے مبارک کی سالانہ زیارت کرائی جاتی تھی۔ (الدر الثمین از شاہ ولی اللہ ص٦' انفاس العارفین ص ۴۰' ملخصاً)

ایمان و انصاف

کی روح سے غور فرمائیں کہ مسلک شاہ ولی اللہ کی مطابقت اور موافقت۔ مسلک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (علیہ الرحمتہ) کے ساتھ ہے یا پناہ نجدا دیوبندی' وہابی مسلک کے ساتھ' اس قدر تصریحات کے باوجود دیوبندی' وہابی مولوی اپنا ناطہ شاہ ولی اللہ سے اور ان کا ناطہ اپنے ساتھ جوڑیں تو یہ سراسر ظلم' دھوکہ اور فراڈ نہیں تو اور کیا ہے؟ خاص ۱۲ ربیع الاول کو تقریب میلاد شریف نیاز و شیرینی کی تقسیم و تبرک موئے مبارک کی زیارت کا اہتمام اور میلاد شریف میں انوار و برکات کا مشاہدہ اور زندہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خوشنودی و نظر التفات' شاہ عبدالرحیم کی سخت بیماری میں ان کے پاس آپ کی جلوہ گری و موئے مبارک عطا فرمانا اور ان کا فوراً صحت یاب ہونا۔ ان سب امور کی دیوبندی وہابی مذہب و تقویت الایمانی دھرم سے آخر کون سی مناسبت ہے؟

فاتحہ عاشوراء

حضرت (ولی اللہ) نے فرمایا: عاشوراء کے ایام میں حضرات ائمہ اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے مکرر ارشاد ہوا کہ ان حضرات کی فاتحہ دلائی جائے' چنانچہ ایک دن شیرینی منگوائی گئی اور قرآن مجید کا ختم کر کے فاتحہ دلائی گئی اور حضرات ائمہ اطہار کی ارواح طیبہ میں خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ پھر حضرت نے ارشاد کیا: جب حضرات ائمہ اہل بیت اطہار کی ارواح طیبہ میں گہری نظر ڈالی گئی تو حضرت امام جعفر کی مبارک روح میں ایک خاص قسم کا امتیاز' تمکنت اور عظمت نظر آئی۔

☆ آپ کے بعد یہ مبارک نسبت اسی کیفیت پر رہی اور پھر اسی نسبت مبارکہ کی شوکت و عظمت غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی میں نظر آتی ہے۔ وہ کسی دوسرے میں نظر نہیں آتی۔ (القول الجلی فی ذکر آثار الولی' ص ۱۰۵)

☆ آپ کے صاحبزادے و جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمتہ بھی تاحیات محرم میں مجلس ذکر شہادت حسین کرنے کے پابند رہے جس میں صحیح و مستند روایات بیان فرماتے تھے اور کثیر مجمع ہوتا تھا۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک ہزار تک

لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ (فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ)

☆ نیز واقعہ شہادت کربلا کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتاب "سرالشہادتین" بھی مشہور و معروف ہیں۔

نوٹ: ص ۱۱۔ ۱۲ کے یہ حوالہ جات "القول الجلی کی بازیافت" سے اخذ کیے گئے ہیں جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دو سال قبل کی مستند ترین سوانحیات "القول الجلی فی ذکر آثار الولی" کی تحقیق و تفصیل اور مسلک شاہ ولی اللہ کے اظہار و بیان پر مشتمل ہے۔

لمحہ فکریہ

فاتحہ عاشوراء کے حوالہ مذکورہ کو دوبارہ پڑھیں اور روز روشن کی سنیت افروز اور نجدیت اور دیوبندیت سوز عقیدہ و مسلک شاہ ولی اللہ کو ذہن نشین فرمائیں کہ ان کے عقیدہ و مسلک کے مطابق:

☆ نہ صرف انبیاء (علیہم السلام) بلکہ آئمہ کرام بھی زندہ ہیں۔ ان کی طرف سے ایام عاشورا میں شاہ ولی اللہ کو فاتحہ دلانے کا ارشاد ہوتا ہے اور تعمیل ارشاد پر ارواح طیبہ میں خوشی اور مسرت کا اظہار ہوتا ہے۔

☆ کیا اس میں بعد از وصال علم غیب و حیات و تصرفات کا ثبوت نہیں ہے۔

☆ اور کیا اس میں یوم عاشوراء جیسے ایام منانا اور بالخصوص اس موقع پر ختم شریف و فاتحہ دلانے کی دلیل نہیں۔

☆ مزید بر آں امام جعفر صادق اور سیدنا عبدالقادر جیلانی کی شوکت و عظمت کا بیان اور آپ کو غوث اعظم (بڑے بڑے فریاد رس) لکھنا۔ کیا یہ سنی مسلک کی تائید اور دیوبندی وہابی مذہب کی تردید کے لیے کافی نہیں ہے۔

☆ علاوہ ازیں شاہ ولی اللہ کے شہزادہ و جانشین شاہ عبدالعزیز جیسے جلیل القدر مفسر و محدث کا ذکر حسین کے لیے مجلس شہادت قائم کرنا اور اس سلسلہ میں مستقل کتاب "سرالشہادتین" شائع کرنا "سنی مسلک" کی حقانیت کا ثبوت اور دیوبندی وہابی مذہب کے باطل ہونے کی دستاویز نہیں ہے؟ اس لیے کہ فاتحہ عاشوراء کا سارا بیان سنی بریلوی مسلک کا معمول ہے، جبکہ دیوبندی وہابی کے مطابق ایام محرم میں "سرالشہادتین" کا پڑھنا منع ہے۔ ذکر شہادت کا ایام عشرہ محرم میں کرنا بہ مشابہت روافض کے منع ہے۔ محرم میں ذکر شہادت حسنین کرنا اگرچہ بہ روایت صحیحہ ہو یا سبیل لگانا شربت پلانا چندہ سبیل اور شربت دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۲۷۴، ۴۳۵)

مزید لکھا ہے کہ "مرثیہ شہیدان کربلا کا جلا دینا یا دفن کرنا ضروری ہے اور لکھا ہندوؤں کے سودی روپیہ کے پیاؤ (سبیل) سے پانی پینا مضائقہ نہیں"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۲۷۴-۲۷۶)

حکایات شاہ ولی اللہ (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمتہ ایک مسلمہ علمی شخصیت ہیں اور ایک عظیم علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ علماء "اہل حدیث و دیوبند" کے بھی مستند و معتمد علیہ ہیں، بلکہ ان حضرات نے تو آپ کو اپنے اکابر میں شمار کیا ہے اور اپنا سرکردہ تسلیم کیا ہے۔ ذیل میں حضرت شاہ ولی اللہ کے بعض علمی و تحقیقی و تاریخی و روحانی جواہر پارے "حکایات شاہ ولی اللہ" کے عنوان سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ تمام اہل علم و انصاف اور بالخصوص علماء "اہل حدیث و دیوبند" سے اپیل ہے کہ وہ اپنے "تقویت الایمانی" مسلک کا شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک و تحقیقات سے موازنہ کر کے اپنے دیوبندی وہابی مسلک پر نظر

ثانی کریں۔ واللہ الھادی والموفق۔

(۱) یہی فقیر سعدی ہے

حضرت والد ماجد شاہ عبد الرحیم دہلوی علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ "ایک دفعہ درس سے واپسی پر میرا ایک لمبے کوچے سے گزر ہوا۔ اس وقت میں خوب ذوق میں سعدی شیرازی علیہ الرحمتہ کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا کہ۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر کہ بخوانی بطالت است
سعدی بشو لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است

اتفاق کی بات ہے کہ "خط کشیدہ) چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اتر گیا۔ (یاد نہ رہا) اچانک ایک فقیر منش پیر مرد نمودار ہوا اور اس نے مجھے لقمہ دیا کہ چوتھا مصرعہ یہ ہے "علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است"۔ میں نے کہا "جزاک اللہ خیر الجزاء" آپ نے مجھے کتنی پریشانی سے نجات دلائی ہے۔ پھر میں نے ان کی خدمت میں کچھ پان پیش کیے۔ مسکراتے ہوئے فرمایا: کیا یہ بھولا ہوا مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں' یہ بطور ہدیہ و شکریہ پیش کر رہا ہوں۔ فرمایا: میں پان استعمال نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے (لمبا) قدم اٹھایا اور کوچہ کے آخر میں رکھا۔ میں نے جان لیا کہ کسی اہل اللہ کی روح مبارک انسانی شکل میں جلوہ گر ہے۔ میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے تو اطلاع دیتے جایئے تاکہ فاتحہ تو پڑھ لیا کروں۔ فرمایا: یہی فقیر سعدی ہے"۔ (انفاس العارفین فارسی ص ۴۴' اردو ص ۱۱۱)

(۲) چیونٹی کے خیالات

شیخ ابو الرضا محمد کا ایک خادم کسی بری عادت میں مبتلا تھا اور تنبیہ فرمانے کے باوجود عادت بد سے باز نہ آیا۔ بالآخر اسے تنہائی میں بلا کر فرمایا کہ شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیری کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا! اگر زمین نچلے (ساتویں) طبق میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں سو خیالات ہیں تو ان سے ۹۹ خیالات کو میں جانتا ہوں۔ یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کی۔

(انفاس العارفین فارسی ص ۹۴' اردو ص ۲۰۵)

(۳) فراست مومن

حضرت والد ماجد بارہہ کے علاقہ میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ لوگ بیماروں کے قارورے لائے۔ آپ نے سب کے فوراً نسخے تجویز کر دیئے۔ مجلس میں ایک ہندو طبیب بھی موجود تھا۔ ایک بیمار کے قارورے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے عرض کی حضرت اس کی بیماری بھی معلوم ہے کہ نہیں۔ ہنس کر فرمایا: یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا نام یہ ہے۔ ہاتھ ایسے ہیں کردار یہ ہے اور اس کی بیماری کا سبب یہ ہے۔ ہندو نے یہ سب سن کر عرض کی کہ حضرت طب میں یہ مسئلہ کہاں ہے؟ فرمایا: یہ طب کی بات نہیں' یہ تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی سچی فراست ہے۔ (انفاس العارفین' ص ۱۲۸)

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ مکی کی اپنے شعر کی یاددہانی کے لیے جلوہ گری و چیونٹی کے ۹۹ خیالات کے علم و فراست مومن کی

حکایات کے بعد مزید ملاحظہ ہو۔۔۔

(۴) نیاز قبول

"میر ابو العلی اکبر آبادی" حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کے مزار پر انوار کی طرف متوجہ رہنے لگے اور بارگاہ خواجہ کی عنایات اور فیوض سے بہرہ ور ہوئے۔ مروی ہے کہ میر ابو العلی کے اہل خانہ نے ان کے فرزند میر نور العلی کے عارضہ علالت کے سبب ایک روپیہ اور ایک چادر بطور نیاز مزار خواجہ پر بھجوائی تھی۔ حضرت میر کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ ایک دن صاحب مزار کی طرف متوجہ تھے کہ مزار سے ندا آئی "تمہارے فرزند کی صحت کے لیے تمہارے گھر سے یہ کچھ نیاز آئی ہے اور اہل خانہ نے دوسرے فرزند کے لیے بھی التجا کی ہے۔ نیاز قبول اور التجا مبذول ہے"۔ (انفاس العارفین، ص ۶۹)

(۵) گھر میں جلوہ گری

والد ماجد نے فرمایا کہ "حضرت خواجہ معین الدین کو میں نے دیکھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک چراغ روشن ہے لیکن اس چراغ کی بتی حرکت کی محتاج تھی، تاکہ تازہ ہو کر روشنی پھیلا سکے۔ مجھے انہوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے عطا فرمائی اور اس واقعہ کی تعبیر بھی اجازت طریقہ تھی۔ (ص ۱۰۸)

(۶) مہمان نوازی

حافظ شیرازی نے فرمایا:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

اور عملاً ثبوت بھی خود ہی مہیا فرما دیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے والد حضرت شاہ علی ولی اللہ کے روبرو ایک شخص نے اپنا حال بیان کیا کہ میں ایک دفعہ بطور سیاحت شیراز گیا اور خواجہ حافظ شیرازی کے مزار پر حاضری دی۔ بوقت شام لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ میں مسافر تھا۔ اسی جگہ قیام کیا اور کہا۔۔۔ اے خواجہ حافظ! آج میں آپ کا مہمان ہوں اور میرے پاس زاد راہ بھی نہیں۔ پہر شب یا اس سے زیادہ گزرا ہو گا کہ دیکھا۔ ایک شخص کے سر پر خوان ہے اور دوسرے آدمی کے ہاتھ میں مشعل ہے اور وہ میری طرف چلے آ رہے ہیں۔ پہلے تو میں خوفزدہ ہوا دل کڑا کر کے انتظار کرنے لگا۔ جب قریب آئے تو آواز دی کہ حافظ کا مہمان کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں ہوں۔ اس شخص نے کہا، میں سویا ہوا تھا کہ حافظ صاحب کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں کہ "ایک شخص ہمارا مہمان ہے، بھوکا ہے اور زادہ راہ بھی نہیں رکھتا"۔ میں طعام تقسیم کر چکا تھا۔ تلاش کے بعد جو کچھ ملا حاضر ہے اور یہ پانچ اشرفیاں زاد راہ ہے۔ (دیوان حافظ کے اردو ترجمہ کے مقدمہ سے ماخوذ)

قصہ مودودی و گکھڑوی

اہل علم و انصاف کے لیے گزارش ہے کہ:

☆ ایک طرف حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے والد ماجد کے مسلک اور ان کی حکایات و واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ادھر کوئی صاحب دل اور اہل روحانیت ہو۔

☆ تو بفضلہ تعالیٰ ادھر عالم برزخ میں اولیائے کرام و محبوبان خدا کی ارواح مبارکہ سے مافوق الاسباب' تعلقات مکالمات نذر و نیاز' قضاء حاجات و استمداد و التجا میں نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ہی یہ چیز توحید کے خلاف اور شرک کا ارتکاب ہے گویا صورت حال یہ ہے کہ۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

☆ مگر مولوی مودودی و مولوی سرفراز گکھڑوی دیوبندی کے پیش نظر حکایات و مسلک شاہ ولی اللہ کے برعکس بڑی بددیانتی کے ساتھ انہی شاہ ولی اللہ کے نام سے لکھا ہے کہ "جو لوگ (مردوں سے) حاجتیں طلب کرنے کے لیے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر پر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ ان سے کمتر ہے"۔

(تجدید و احیاء دین از مودودی ص ۲۶)

اور بقول گکھڑوی

جو شخص اجمیر میں خواجہ چشتی کی قبر پر سالار مسعود کی قبر پر یا ان کی مانند کسی اور قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں دعا کرے گا اور اس کی دعا وہاں قبول ہوگی تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو گناہ قتل اور زنا سے بھی بدترین گناہ ہے۔ (راہ سنت ص ۱۶۲' بحوالہ تفہیمات)

ایک طرف

ہماری پیش کردہ خواجہ اجمیری کے نام سے صریح حکایات و مسلک شاہ ولی اللہ صاف و شفاف طور پر آپ کے سامنے ہے اور دوسری طرف خواجہ اجمیری کے متعلق مودودی و گکھڑوی کی نقل کردہ عبارت ہے جو مذکورہ حکایات شاہ ولی اللہ سے صریح طور پر متصادم ہے اور انفاس العارفین' در ثمین' قول جمیل' فیوض الحرمین اور اطیب النعم و خود تفہیمات میں محفوظ و منقول مسلک شاہ ولی اللہ کا حوالہ دینے کی بجائے یکطرفہ طور پر تفہیمات کی متنازعہ عبارت نقل کرنا مودودی و گکھڑوی کی صریح و نجدی ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ اس لیے کہ یہ متنازعہ عبارت اسماعیلی' وہابی ذہنیت کی الحاقی عبارت ہے جو ہرگز لائق اعتبار نہیں۔ اب یہ ہر شخص کی دیانت و انصاف پر موقوف ہے کہ وہ زیر بحث متنازعہ عبارت قبول کرے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ حکایت و متفقہ تصانیف کو غلط قرار دے۔

☆ اور یا پھر انہیں تسلیم کرے اور تحریف شدہ متنازعہ الحاقی عبارت پر لاحول پڑھے۔

☆ مگر اس کے پاس متنازعہ الحاقی عبارت کا مسترد کرنا ہی بہتر و قرین انصاف ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کو قبول کر کے شاہ صاحب کی متفقہ تصانیف و مذکورہ مدلل حکایات کو مسترد کیا جائے۔

☆ البتہ! اس کے لیے خدا خوفی علم و انصاف اور امانت و دیانت کا ہونا اہم شرط ہے۔

سمجھ میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے مگر
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

اور سنئے:

(۷) تھانوی کی شہادت

خلیفہ تھانوی مولوی محمد حسن دیوبندی بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے بقول مولوی اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر تشریف لے جاتے تھے' ایک بار ان کو خیال ہوا معلوم نہیں حضرت کی روح کو اس کی اطلاع ہوتی ہے یا نہیں' پس ان کی روح نے متمثل ہو کر شاہ صاحب سے خطاب کیا اور یہ شعر نظامی کا پڑھا۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

(رسالہ انوار العلوم لاہور' فروری ۵۳ء)

ذرا سوچئے

صاحب مزار کا دل کے خیال پر مطلع ہونا اور تصرف ایسا کہ روح کا متمثل و مجسم ہو کر کلام اور خطاب کرنا اور شعر سنانا اور شعر بھی ایسا کہ جس کا معنی و خلاصہ یہ ہے کہ "مجھ صاحب مزار کو اپنی طرح زندہ سمجھو"۔ اگر تو جسم و تن کے ساتھ آئے گا تو میں روح و جان کے ساتھ آؤں گا۔ (استقبال ملاقات کروں گا)

(۸) روحانی کلیہ و ضابطہ

حضرت شیخ محمد کے مرید سید علی نے بیان کیا۔ میں شراب نوشی کا مرتکب تھا اور کسی بھی برے فعل سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ جب حضرت شیخ قریہ سرائے میں تشریف لائے تو میں بھی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام برے امور سے ایسی نفرت پیدا ہوئی کہ توبہ کر کے آپ سے بیعت ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد سفر کابل کا اتفاق ہوا تو میں نے عرض کی میرا ارادہ تھا کہ کچھ وقت آپ کی صحبت سے بہرہ اندوز ہوتا مگر قسمت کابل لے جا رہی ہے۔ اس پر فرمایا۔

گر در یمنی چو با منی پیش منی
در پیش منی چو بے منی در یمنی

(یعنی اگر میرے ساتھ تمہارا تعلق صحیح ہے تو تم یمن میں رہ کر بھی میرے پاس ہو۔ اور اگر تعلق نہیں تو بظاہر میرے پاس رہ کر بھی یمن میں ہو) پھر کابل میں جب ایک مرتبہ میں بدکاری میں مبتلا ہوا تو عین اس وقت صورت شیخ سامنے آ گئی اور دیو شہوت غائب ہوا۔ (انفاس)

سبحان اللہ! کیا روحانی کلیہ ہے جب غلاموں کا یہ حال ہے تو آقا کی کیا شان ہو گی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

علامہ میاں جمیل (شرق پوری)

مسلک مجدد الف ثانی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ گنگوہی کے خلیفہ مجاز تھے جو سلسلہ چشتیہ کے نامور بزرگ تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار علیہ الرحمتہ سے بیعت ہوئے۔ حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی سرکار بغداد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا فیض قادریہ و خرقہ غوثیہ حاصل کیا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو حج و زیارت مدینہ منورہ کا بہت شوق تھا چونکہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد ضعیف العمر تھے' ان کی خدمت حج و زیارت مانع تھی۔ ۲۱ برس کی عمر میں مزید علوم و معارف سے بہرہ ور ہو کر سرہند شریف آئے اور مسند درس و تدریس پر جلوہ افروز ہو گئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت خواجہ سید رضی الدین محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ خواجہ امکنگی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت ہوئے۔ سید محمد باقی باللہ عجائب بسیار از روزگار اوقات او مشاہدہ نمود' باں ماند کہ چراغے شود کہ عالم ہا از و روشن گردد' الحمد للہ تعالیٰ! احوال کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ۔ (مقامات امام ربانی' ص ۱۱)

شیخ احمد سرہند کے رہنے والے ہیں' وہ کثیر العلم اور قوی العلم ہیں۔ فقیر نے چند روز ان (شیخ مجدد) سے مجلس کی ہے۔ اس دوران ان سے بہت سے عجائبات دیکھنے میں آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چراغ کی طرح روشن ہوں گے جن سے جہان روشن ہوں گے۔ الحمد للہ! ان کے احوال کاملہ نے مجھے اس امر کا یقین دلا دیا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سرہند شریف میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوئے تو مخلوق خدا اطراف و اکناف سے آکر حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگی اور بڑے بڑے عمال و حکام آپ کے مرید ہو گئے۔

عہد اکبری اور دین الٰہی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت باسعادت اکبر کے عہد حکومت میں ہوئی۔

اکبر کے گرد ملا مبارک کے فرزند ابوالفضل اور فیضی کچھ پنڈت اور دیگر مذاہب کے لوگ اکٹھے ہوگئے اور اس کے مشیر بن گئے۔ ان مشیروں نے اکبر کو بڑے غلط راستہ پر ڈال دیا اور ایک نئے مذہب کی ضرورت پر زور دیا۔ چنانچہ ان مشیروں کے ایماء پر مختلف مذاہب کے چند اصولوں کے مجموعہ کا نام دین الٰہی مقرر کیا گیا۔ دین الٰہی میں پیشانی پر قشقہ لگایا جاتا، جنیو پہنے جاتے، مسجد اور مندر کا رتبہ ایک قرار دیا گیا، بادشاہ کو خدا کا اوتار کہا جانے لگا اور اس کے لیے سجدۂ تعظیم روا رکھا گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی اور دین الٰہی کی مخالفت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جس وقت مسند ارشاد پر متمکن ہوئے، فتنہ دین الٰہی شب و روز ترقی پر تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ان گمراہ کن حالات میں کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ حضرت مجدد نے "رام اور رحیم ایک" کے نظریئے کی واشگاف انداز میں مخالفت کی اور فرمایا کہ "ملت ماجدا گانہ است" حضرت نے دین الٰہی کا رد کیا اور فتویٰ صادر فرمایا کہ سجدہ تعظیم ناجائز ہے۔ مسلمانوں کے لیے بارگاہ ایزدی کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا ممنوع ہے۔

دربار جہانگیری میں تشریف آوری

اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ وہ بھی باپ کے نقش قدم پر تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تبلیغ حق میں شب و روز مشغول تھے۔ حضرت کا حلقہ ارادت روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا تھا۔

جہانگیر کے درباریوں نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف جہانگیر کے کان بھرنے شروع کر دیئے اور اکسانے لگے کہ یہ شخص تیری سلطنت کے خلاف سازش کر رہا ہے، سجدۂ تعظیم کو ناجائز کہتا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب تیری سلطنت پر قابض ہو جائے گا۔ یہ اپنے ہمنواؤں کی فوج تیار کر رہا ہے، چنانچہ جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے دربار میں بلایا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ دربار جہانگیری میں تشریف لائے۔ حضرت مجدد نے مسنون طریقہ پر السلام علیکم کہا۔

جہانگیر نے آداب شاہانہ اور سجدۂ تعظیم کا مطالبہ کیا۔ اس پر امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے فاروقی خون نے جوش مارا۔ حضرت نے فرمایا: یہ ایک گمراہی ہے کہ انسان کسی انسان کو سجدہ کرے۔ میرا سر بارگاہ صمدیت کے سوا کسی غیر کے آگے نہیں جھک سکتا۔ جہانگیر یہ صدائے حق سن کر بہت گھبرایا کہ یہ معاملہ کسی طرح نپٹ جائے اور میری بات بھی رہ جائے، چنانچہ اس نے اپنے حواریوں سے مل کر یہ تجویز کیا کہ میں فلاں کمرے میں بیٹھتا ہوں اور حضرت کو اس کھڑکی سے گزار کر اندر لایا جائے۔ حضرت تو محض گزرنے کے لیے جھکیں گے، میری بات بھی اس بہانے سے بن جائے گی۔

جہانگیر کے عمال حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو مقررہ کھڑکی کے پاس لے گئے اور اندر گزرنے کو کہا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ معاملہ کو جان گئے۔ حضرت نے گزرنے کے لیے پہلے اپنا ایک پاؤں گزارا، پھر دوسرا، اس طرح حضرت اندر تشریف لے گئے۔ جہانگیر کو حضرت کے پاؤں دکھائی دیئے۔ اس کو اس نے اپنی

ہتک تصور کیا اور طیش میں آکر اس کی پاداش میں حضرت کو قید کرنے کا حکم دیا۔

گوالیار کا قلعہ اور ایام اسارت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا جو کہ حکومت کے باغیوں کے لیے مشہور تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جیل میں ہزارہا گمراہوں کے لیے رشد و ہدایت کا مینار ثابت ہوئے۔ حضرت کے فیوض و برکات سے ہزارہا فاسق فاجر متبع سنت ہو گئے اور ہزاروں غیر مسلم مسلمان بن گئے۔

نتائج

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ کے اثرات کو نہایت جامعیت سے بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

"جہانگیر کے دور حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ آگے آئے۔ آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا، چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، اورنگزیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی ہوئی فضاؤں میں مطالعہ کی جاسکتی ہیں"۔

اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطہ عروج تھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی سے آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے۔ شاہ جہاں اگرچہ یک پارسی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی ڈھیل، برداشت نہیں کرتا تھا۔ تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن کھا۔ اورنگ زیب عالمگیر سنیت کا نشان نصرت تھا۔

حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی رہائی

جہانگیر کی بیٹی کو خواب میں سرکار دو جہاں حضور پرنور جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہانگیر کی بیٹی کو فرمایا کہ ہم تمہارے باپ سے ناراض ہیں کہ اس نے ہمارے ایک مقرب، ر نظر، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کو قید کر رکھا ہے۔

جہانگیر نے یہ خواب سنا تو بہت متاثر ہوا۔ جہانگیر نے حضرت مجدد سے اپنی کوتاہیوں اور نافرمانیوں کی معافی چاہی اور حضرت رہائی کے احکام صادر کیے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک جیل سے باہر نہ آؤں جب تک میری یہ شرائط منظور نہ کی جائیں: تمام مسمار شدہ مساجد کی از سرنو تعمیر کی جائے، کفار سے شریعت محمدیہ کے مطابق یہ لیا جائے، مسلمانوں سے ذبیحہ گاؤ کی پابندی ہٹالی جائے، دربار میں سجدۂ تعظیمی بند کیا جائے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ تمام شرائط مان لی گئیں اور حضرت جیل سے باہر یف لے آئے۔

وفات

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے وفات سے چند ماہ قبل یہ فرمانا شروع کر دیا کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دنیا میں ۶۳ سال جلوہ افروز رہے' تو پھر ان کا غلام اس عمر سے زیادہ کس طرح رہ سکتا ہے۔

حضرت عبادات و ریاضات کی وجہ سے بیمار ہو گئے۔ ضیق النفس کا شدید حملہ ہوا لیکن اس بیماری میں بھی حضرت کے معمولات اور عبادات میں کوئی فرق نہ آیا۔

وفات سے ایک روز قبل اپنے اہل خانہ اور خدام سے فرمایا کہ آج کی رات میری آخری رات ہے' چنانچہ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ بمطابق ۱۶۲۴ء کو نماز فجر کے بعد ۶۳ برس کی عمر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی واصل بحق ہو گئے۔

صورت از بے صورتی آمد بروں

باز شد انا الیہ راجعون

حیات انبیاء علیہم السلام

اَلْاَنْبِیَاءُ یُصَلُّوْنَ فِی الْقُبُوْرِ شنیدہ باشند و حضرت حضرت پیغامبر ما علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر کلیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز می گدازد وہماں لحظہ چوں با آسمان رسیدند حضرت کلیم را آنجا یافتند معاملہ این موطن عجائب و غرائب دارد دریں ایام چوں بتقریب فرزندی اعظمی مرحومی نظر بر آں مومن بسیار کردہ می شود و اسرار غریبہ بہ ظہور می آمد کہ اگر شمہ ازاں در گفت آید باعث فتن ہا گردد۔ ہر چند سقف جنت عرش مجید است' اما قبر نیز روضہ ایست از ریاض جنت۔ ہر چند عقل کوتاہ اندیش در تصور آں عاجز باشد چشم دیگر است کہ تماشائے ایں عجوبہا می نماید۔ مجرد ایمان اگر چہ بعد اللتیاد التی۔ منجی است' اما رفع کلمہ طیبہ مربوط بعمل صالح است و گریختن از موت گناہ کبیرہ است در رنگ فرار یوم زحف و کسیکہ در زمین وبا باصبر بماند و ہم بمیرد از شہداء است و از فتنہ قبر مامون است او آنکہ نماید و نمیرد از غازیان است۔

اِنْ قَالَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّ طَاعَةً

وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَهْلًا وَّ مَرْحَبًا

(از دفتر دوم حصہ ششم ص ۴۳' مکتوب ۱۶)

آپ نے سنا ہو گا کہ انبیاء قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام معراج کی رات جب موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر پر گزرے تو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جب اسی وقت آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو وہاں پایا۔ اس مقام کے معاملات نہایت عجیب و غریب ہیں۔ آج کل چونکہ فرزند اعظم مرحوم کی تقریب پر اس مقام پر بہت نظر کی جاتی ہے' اس لیے نہایت عجیب و غریب اسرار ظاہر ہوتے ہیں اور اگر ان کا تھوڑا سا حال بھی بیان کیا جائے تو بڑے بڑے فتنے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اگرچہ جنت کا چھت عرش مجید ہے لیکن قبر بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

عقل کوتاہ اندیش ان باتوں کے تصور سے عاجز ہے اور نہ ہی آنکھ ہے جو اس قسم کی عجوبہ باتوں کو دیکھتی ہے۔ مجرد ایمان اگرچہ چناں و چنیں سے نجات دینے والا ہے' مگر کلمہ طیبہ کا بلند ہونا بھی عمل صالح پر موقوف ہے اور وبائی موت سے بھاگنا یوم زحف یعنی کفار کے مقابلہ سے بھاگنے کی طرح گناہ کبیرہ ہے جو کوئی وباوالی زمین (علاقہ) میں صبر کے ساتھ قیام کرے اور پھر مر

جائے' شہداء میں سے ہے۔

گر وہ کہے کہ مر جاؤں میں خوشی سے
پیک اجل سے کہہ دوں آ جا میں تیرے صدقے

فقراء کی خدمت

"مکتوب شریف کہ از روئے التفات ارسال داشتہ بودند رسید محبت فقراء و توجہ بایں طائفہ از اجل نعم خداوندیست جل سلطانہ' از حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ استقامت بر اں مسئول و مرجو است نیاز یکہ بدرویشاں فرستادہ بودند' نیز وصول یافت فاتحہ خواندہ شد"۔(دفتر اول' حصہ سوم' مکتوب ۱۴۲' ص ۳۰)

ترجمہ : "مکتوب جو توجہ کی بنا پر ارسال کیا تھا' پہنچا فقراء کی محبت اور اس گروہ سے توجہ رکھنا خدائے تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے' حق سبحانہ تعالیٰ اس پر استقامت عطا فرمائے۔ وہ نیاز جو درویشوں کے لیے بھیجی تھی' وہ بھی وصول ہوئی جس کے لیے حمد و ثناء کافی ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریق

"درویشانے کہ قدم راسخ در شریعت دارند و از عالم حقیقت نیک شناسا اند از ایشاں ہمتے باید طلب نمود و مددے باید جست تاعنایت حق سبحانہ از دریچہ ایشاں ظاہر شدہ تمام بجانب جناب قدس خود تعالیٰ جذب نماید و مخالفت را دروے گنجائش نماند تا سرموئے راہ مخالفت شریعت کشادہ است محل خطر است تمام سبل مخالفت را باید مسدود ساخت۔

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ"

صلوات اللہ و سلامہ علیہ وعلیٰ آلہ۔(دفتر حصہ دوئم' مکتوب نمبر ۷۸' صفحہ نمبر ۶۹)

"وہ درویش جو شریعت حقہ میں قدم راسخ رکھتے ہیں اور عالم حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ ان سے اعانت طلب کرنی چاہیے اور تاکہ حق تعالیٰ کی عنایت ان کے طفیل اپنی طرف کھینچ لے اور کسی مخالفت کی گنجائش نہ رہے۔ اگر شریعت کی مخالفت کا راستہ بال برابر بھی کھلا رہ جائے تو خطرہ کا مقام ہے۔ مخالفت کے تمام راستوں کو بند کرنا چاہیے۔

اطاعت ہو نہ جب تک مصطفیٰ کی
کبھی حاصل نہ ہو دولت صفا کی"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہوئے

باید دانست کہ خلق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست' بلکہ بہ خلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت باو ندارد کہ او صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نور حق جل وعلیٰ مخلوق گشتہ است۔ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ۔ ودیگراں را ایں دولت میسر نشدہ است۔

(دفتر سوم' حصہ نہم' ص ۷۵' مکتوب ۱۰۰)

جاننا چاہیے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش دیگر افراد کی طرح نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (میری تخلیق اللہ کے نور سے ہوئی) کسی دوسرے شخص کو یہ سعادت میسر نہیں ہوئی۔

آپ معراج بدنی سے مشرف ہوئے

"حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام بعد از طلب رویت زخم لن ترانی خوردو بیہوش افتاد وازاں طلب تائب گشت و محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است و بہترین موجودات اولین و آخرین باوجود آنکہ بدولت معراج بدنی مشرف شد از عرش و کرسی درگذشت واز مکان و زمان بالا رفت"۔ (دفتر اول، حصہ پنجم، ص ۱۴، مکتوب ۲۷۴)

"حضرت موسیٰ علیہ السلام طلب دیدار کے بعد لن ترانی کا زخم کھا کر (جواب پاکر) بے ہوش ہوگئے اور اس طلب سے تائب ہوئے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو رب العالمین کے محبوب اور تمام موجودات اولین و آخرین میں بہترین ہیں، باوجود اس کے کہ جسمانی معراج سے مشرف ہوئے، بلکہ عرش و کرسی سے گزر کر حدود و زمان و مکان سے بھی آگے تشریف لے گئے"۔

حضور ﷺ کو بشر کہنے والے مجدد کی نظر میں

"محبوبان کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را بشر گفتند و در رنگ سائر بشر تصور نمودند ناچار منکر آمدند و صاحب دولتاں کہ او را علیہ الصلوۃ والسلام بعنوان رسالت و رحمت عالمیاں دانستند واز سائر ناس ممتاز دیدند بدولت ایمان مشرف گشتند واز اہل نجات آمدند"۔ (دفتر سوم، حصہ ہشتم، ص ۱۴۵، مکتوب ۶۴)

ترجمہ: "جن عقل کے اندھوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا، بالآخر منکر ہوگئے اور جن سعادت مندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیاں کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا، وہ ایمان کی سعادت سے مشرف ہوگئے اور نجات پانے والوں میں شامل ہوگئے"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان

"ازیں تحقیق کہ ایں فقیر باظہار آں موفق شدہ است اعتراضات مخالفاں کہ بر عدم زیادتی و نقصان ایمان نمودہ اند زائل گشت و ایمان عامہ مومناں در جمیع وجوہ مثل ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات شد زیرا کہ ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کہ تمام منجلی و نورانی است ثمرات و نتائج باضعاف زیادہ دارد از ایمان عامہ مومناں کہ ظلمت و کدورت دارد و علیٰ تفاوت درجاتہم و ہم چنیں ایمان ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ در وزن زیادہ از ایمان ایں امت است باعتبار انجلاء نورانیت باید دانست و زیادتی را راجع بہ صفات کاملہ باید ساخت نمی بنی کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات باعامہ در نفس انسانیت برابراند و در حقیقت و ذات ہمہ متحد تفاضل باعتبار صفات کاملہ آمدہ است و آنکہ صفات کاملہ ندارد گویا ازاں نوع خارج است واز خواص و فضائل آں نوع محروم باوجود ایں تفاوت در نفس انسانیت زیادتی و نقصان راہ نمی یابد و نمی تواں گفت کہ انسانیت قابل زیادتی و نقصان است واللہ سبحانہ للصواب"۔ (دفتر اول، حصہ چہارم، ص ۱۲۸، مکتوب نمبر ۲۶۶)

"اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو توفیق بخشی مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انہوں نے ایمان کے کم و بیش نہ ہونے پر کیے ہیں زائل ہو گئے۔ اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کی طرح نہ ہوا۔ کیونکہ انبیاء کا ایمان جو کامل طور پر منجلی اور نورانی ہے۔ عام مومنوں کے ایمان سے جو مومنوں کے درجوں کے اختلاف کے موجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے۔ کئی گنا زیادہ ثمرات و نتائج رکھتا ہے اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان جو وزن میں اس امت کے ایمان سے زیادہ ہے انجلاء اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے اور زیادتی کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیے' کیا نہیں دیکھتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نفس انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں' در حقیقت اور ذات میں سب متحد ہیں۔ تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا صفات کاملہ کے اعتبار سے ہے اور جس میں یہ صفات کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل و خواص سے محروم ہے لیکن باوجود اس تفاوت کے نفس انسانیت میں زیادتی اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ انسانیت زیادتی و نقصان کے قابل ہے۔ واللہ سبحانہ الملہم للصواب"۔

فضیلت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

"حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ است کہ ابو بکر و عمر ہر دو افضل ایں امت اند کسیکہ مرا بر ایشاں فضل دہد مفتری است و او را تازیانہ زنم چنانچہ مفتری راز نند و منازعات و محاربات کہ درمیان اصحاب خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات واقع شدہ است' بر محال نیک محمول باید داشت"۔ (دفتر سوم' حصہ ہشتم' ص ۳۸' مکتوب ۱۷)

ترجمہ: "حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت میں سب سے افضل ہیں جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے۔ میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگائے جاتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوۃ والسلام کے اصحاب کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے"۔

خلفائے اربعہ کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے

"افضلیت حضرات خلفائے اربعہ بترتیب خلافت ایشاں ست' چہ اجماع اہل حق است کہ افضل بشر بعد پیغامبراں صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم اجمعین حضرت صدیق است رضی اللہ عنہ، بعد ازاں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ"۔ (دفتر سوم' مکتوب ۱۷)

ترجمہ: "حضرات خلفائے اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے' کیونکہ تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ"۔

افضلیت شیخین پر تفصیلی تبصرہ

"امام برحق مطلق بعد حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابو بکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ' بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ' بعد ازاں حضرت علی

ابن ابی طالب است رضی اللہ تعالیٰ عنہ و افضلیت ایشاں بترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است، چنانچہ نقل کردہ اند آں را اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است، شیخ ابوالحسن اشعری کہ رئیس اہلسنت است فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی است، انکار نہ کند افضلیت شیخین را بر باقی صحابہ مگر جاہل یا متعصب، حضرات امیر کرم اللہ وجہہ می فرماید کسیکہ مرا بر ابی بکر و عمر فضل بدہد مفتری ست او را تازیانہ زنم، چنانکہ مفتری راز نند"۔

(دفتر دوم، حصہ ہفتم، ص ۴۷، مکتوب ۶۷)

ترجمہ: "حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ازاں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے، چنانچہ اس کو ائمہ بزرگوار اں کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی علیہ الرحمہ ہیں، شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کا رئیس ہے، فرماتا ہے کہ شیخین کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے سوائے جاہل یا متعصب کے ان کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دے وہ مفتری ہے۔ میں اس کو اس طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگائے جاتے ہیں"۔

بزرگوں کی دعا سے قضا بدل جاتی ہے

"حضرت قبلہ گاہی ام قدس سرہ می فرمودہ کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ در بعضے از رسائل خود نوشتہ اند کہ در قضائے مبرم ہیچ کس را مجال نیست کہ تبدیل بدہد مگر مرا کہ اگر خواہم آنجا ہم تصرف بکنم و ازیں سخن تعجب بسیاری کردند و استبعاد می فرمودند و ایں نقل مدت ہا در خزینہ ذہن ایں فقیر بود تا آنکہ حق سبحانہ و تعالیٰ بایں دولت عظمیٰ مشرف ساخت حقیقت حال منکشف گشت"۔ (دفتر اول، حصہ سوم، ص ۱۲۴، مکتوب ۲۱۷)

ترجمہ: "حضرت قبلہ گاہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے۔ اگر چاہوں تو میں اس میں تصرف کروں میں اس بات پر بہت تعجب کیا کرتا تھا کہ آپ کا فرمان بعید از فہم تھا اور بہت مدت تک یہ خیال فقیر کے ذہن میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا اور حقیقت حال منکشف ہوئی"۔

تصور شیخ

"اگر در وقت ذکر گفتن صورت پیر بے تکلف ظاہر شود آں را نیز .قلب باید برد و در قلب نگاہ داشتہ ذکر باید گفت می دانی کہ پیر کیست؟ پیر آنکس است کہ از و طریق وصول بجانب قدس خداوندی جل شانہ استفادہ نمائی و مدد ہا و اعانت ہا دریں طریق یابی مجرد کلاہ دامنے و شجرہ کہ عرف شدہ است در حقیقت از پیری و مریدی خارج است و داخل رسوم و عادات، مگر آنکہ جامہ تبرک از شیخ کامل و مکمل بدست آری و باعتقاد و اخلاص باو زندگانی نمائی احتمال ثمرات و نتائج دریں صورت نیز قوی است"۔

(دفتر اول، حصہ سوم، ص ۷۷، مکتوب ۱۶)

ترجمہ: "اگر ذکر کے وقت شیخ کا تصور بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب کی طرف لے جانا چاہیے اور قلب پر نگاہ رکھ کر ذکر کرنا چاہیے۔ تو جانتا ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے جس سے تو خدا تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف پہنچنے کا راستہ سیکھے اور اس راستے میں تو اس سے اعانت حاصل کرے۔ صرف کلاہ و دامن اور شجرہ پر نظر رکھنا جو آج کل معروف ہے پیری و مریدی کی حقیقت سے خارج ہے' البتہ ارسم و عادت میں داخل ہے' ہاں! اگر شیخ کامل سے کوئی کپڑا بطور تبرک مل جائے تو اعتقاد و اخلاص کے ساتھ اسے پہن کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ ایسی صورت میں بے شمار فوائد و ثمرات کے حاصل ہونے کی قوی توقع ہے"۔

نماز کی حالت میں شیخ کا تصور بے ساختہ آنا

"خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ را نوشتہ بودند کے سجدے استیلا یافتہ است کہ در صلوۃ آں را مسجود خودمی دانند و می بیند واگر فرضا نفی می کند منتفی نمی گردد محبت اطوار ایں دولت تمنائے طلاب است یحتمل کہ باندک صحبت شیخ مقتدا جمیع کمالات او را جذب نماید رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ' چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند۔ ظہور ایں قسم دولت سعادت منداں خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند نہ در رنگ جماعۃ بیدولت کے خود را مستغنی دانند و قبلہ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند"۔ (دفتر دوم' حصہ ششم' صفحہ ۶۷' مکتوب ۳۰)

ترجمہ: "خواجہ محمد اشرف نے لکھا تھا کہ رابطہ کی نسبت یہاں تک غالب ہوگئی ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا دیکھتا ہوں' اگر بالفرض اس کو دور بھی کرنا چاہوں تو نہیں ہو سکتا۔

اے محب محترم! طالبان حق اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں اور ہزاروں میں سے ایک کو ملتی ہے۔ ایسے حال والا شخص کامل مناسبت کی استعداد رکھتا ہے اور شیخ مقتداء کی قلیل صحبت سے تمام کمالات کو جذب کر لیتا ہے۔ رابطہ کی نفی کرتے ہو رابطہ مسجود الیہ ہے نہ مسجود لہ۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے اس قسم کی دولت سعادت مندوں کو میسر ہوتی ہے تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ سمجھیں اور تمام اوقات اسی طرف متوجہ رہیں نہ ان بدبخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی جانتے ہیں اور توجہ کے مرکز کو اپنے شیخ کی طرف سے پھیر لیتے ہیں"۔

عرس مبارک

"در ایام عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہ بہ حضرت دہلی رسیدہ بخاطر داشت کہ در ملازمت علیہ نیز برسند دریں اثنا خبر کوچ منتشر گشت بہ ضرورت توقف نمودہ بہ چند کلمہ نامربوط تصدیع دہ گشت اگر در حضور است و اگر در غیبت ہمگی ہمت خواہاں سلامتی ایشاں است ازانچہ نباید و نشاید و در بعضے اوقات غلبہ بخیر اندیشی بر آں می آرد کہ ملکئے ایشاں را اختیار کردہ ازانچہ لائق عتبہ علیہ ایشاں نباشد بتاکید و مبالغہ مانع آید و در مجلس شریف نااہلاں راہ نگذرد اما می داند کہ جمیع آرزوہا میسر نیست بہ ضرورت بدعائے ظہر الغیب رطب اللسان است شاید کہ در معرض قبول افتد حضرت احرار قدس سرہ در بزرگی و کلانی خود می فرمودند کہ ہرچند کفر است کہ کسے چناں کلاں شود کہ اگر برہم شود ہمہ عالم برہم شود اماں چہ تواں کرد کہ ما را بے ماکلاں ساختہ اند امروز آں قسم بزرگے و کلانے نزدیک است کہ در مادہ جناب شما صادق آید' چہ رفاہیت خلائق است و بالعکس ازیں جاست کہ نزد مردم دعا خیر شما در رنگ نزول مطر است"۔ (دفتر اول' حصہ چہارم' ص ۲۳-۲۴' مکتوب ۱۳۳)

ترجمہ: "حضرت خواجہ قدس سرہ کے عرس شریف کے دنوں میں دہلی حاضر ہو کر ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت میں بھی

پہنچے۔ اسی اثناء میں روانگی کی خبر پھیل گئی۔ اس لیے توقف کر کے چند نامربوط کلموں سے آپ کو تکلیف دی ہے۔ فقیر خواہ حضور میں ہو یا غیر حاضر ہو' ہر دم آپ کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نامناسب اور نالائق امر سے سلامت رکھے۔ بعض اوقات آپ کی خیر خواہی کا فیصلہ اس بات پر لاتا ہے کہ ان کی دلیری کو اختیار کر کے ان چیزوں سے جو آپ کی بلند درگاہ کے لائق نہیں' تاکید و مبالغہ کے ساتھ آپ کو ان سے منع کرے اور مجلس شریف میں نااہلوں کو نہ رہنے دے' لیکن جانتا ہے کہ امیدیں حاصل نہیں ہوتیں۔ ناچار آپ کے حق میں غائبانہ دعا سے تر زبان ہے شاید قبول ہو جائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ اپنی بزرگی اور کلانی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ہرچند یہ کفر ہے کہ کوئی ایسا بڑا ہو جائے کہ اگر برہم ہو جائے تو تمام جہان برہم ہو جائے لیکن کیا کیا جائے کہ ہم کو ہماری مرضی کے بغیر بڑا بنایا ہے۔ آج اس قسم کی بزرگی اور کلانی نزدیک ہے کہ آپ کی جناب کے بارے میں صادق آئے' کیونکہ آپ کی خوشحالی سے خلقت کی خوشحالی ہے اور خلقت کی خوشحالی آپ کی خوشحالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک آپ کی دعائے خیر بارش کی طرح برس رہی ہے۔

ایصال ثواب کا صحیح تصور

"ایضاً پرسیدہ بودند کہ ختم کلام اللہ کردن نماز نفل گزاردن و تسبیح و تہلیل کردن و ثواب آں را بو الدین یا باستاد یا باخوان دادند بہتر ست یا بکسے ندادن بہتر یدانند کہ دادن بہتر ست کہ ہم نفع بغیر ست و ہم نفع بخود و در نادادن نفع مخصوص بخود ست' و نیز شاید بہ طفیل دیگراں آں عمل را قبول فرمانید والسلام"۔ (دفتر دوم' حصہ ہفتم' ص۸' مکتوب ۷۷)

ترجمہ: "نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کلام اللہ ختم اور نماز نفل پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ یا استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا نہیں' واضح ہو کہ بارگاہ الٰہی میں بخشنا ہی بہتر ہے' کیونکہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور ان کا بھی اور عجب نہیں کہ یہ عمل صالح دوسروں کے طفیل ہی قبول ہو جائے۔

ایصال ثواب کا مجددی طریق

"پیش ازیں بہ چند سال واب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام پخت مخصوص بروحانیات مطہرہ اہل عبای ساخت وباں سرور حضرت امیر و حضرت فاطمہ و حضرت امامین راضم می کرد علیہم الصلوات والتسلیمات شبے در خوب می بیند کہ آں سرور حاضر ست علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام' فقیر برایشاں عرض سلام می کند متوجہ فقیر نمی شوند درو بجانب دیگر دارند دریں اثنا بہ فقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد در خانہ عائشہ فرستد ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہمہ اہل بیت اند شریک می ساخت و بہ جمیع اہل بیت توسل می نمود"۔

(دفتر دوم' حصہ ششم' ص ۸۵' مکتوب ۳۶)

ترجمہ: "چند سال فقیر کا یہ طریق تھا کہ للہ طعام پکاتا اور اس کا ثواب اہل عبا کی ارواح پاک کو نذر کر دیا کرتا' جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت امامین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شامل کر لیتا۔ ایک رات فقیر نے عالم خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ فقیر نے سلام نیاز عرض کیا تو حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے' بلکہ چہرہ مبارک پھیر لیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں' جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بھیجا کرے۔ اس طرح سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توجہ نہ فرمانے کا باعث یہ تھا کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلکہ تمام امہات المومنین کو جو اہل بیت میں ہیں، شریک کر لیتا اور تمام اہل بیت کو اپنے لیے وسیلہ بناتا"۔

امام ربانی سیدنا غوث الاعظم کی بارگاہ میں

"اماں آں قدر خوارق کہ از حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ ظاہر گشتہ است از ہیچ کدام آنہا ظہور نیافتہ آخر الامر حضرت حق سبحانہ سر ایں معمہ را ظاہر ساخت و معلوم فرمود کہ عروج ایشاں از اکثر بلند تر واقع شدہ است و در جناب نزول تا مقام روح فرود آمدہ اند کہ از عالم اسباب بلند تر است"۔ (دفتر اول، حصہ سوم، ص ۱۴۰، مکتوب ۲۱۶)

ترجمہ: "مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ سے ظاہر ہوئے ہیں ویسے خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ آخر کار حق تعالیٰ نے اس معمہ کا بھید ظاہر کر دیا اور جتلا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیا اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقام روح تک نیچے اترے ہیں جو نسبت اس مقام کی عالم اسباب سے بلند تر ہے"۔

سیرت شہ لولاک کا بیان باعث سعادت اور وسیلہ نجات ہے

"محبت فقراء و ارتباط باا وشاں نتیجہ آنست نمی داند کہ ایں مقصر بیسرو برگ در جواب آں چہ نویسد مگر آنکہ فقرہ چند عبارت عربی ماثور در فضائل جد بزرگوار ایشاں کہ خیر العرب است بنویسد علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوۃ اتمہاو من التحیات اکملہاو آں سعادت نامہ را وسیلہ نجات اخروی خود سازد و نہ آنکہ مداح او علیہ الصلوۃ والتحیۃ نماید بلکہ مقولہ خود باں ستاید شعر۔

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ

لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٖ

فَاَقُوْلُ وَبِاللّٰہِ سُبْحَانَہُ الْعِصْمَۃُ وَالتَّوْفِیْقُ اِنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰہِ سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَاَکْثَرُ النَّاسِ تَبَعًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَاَوَّلُ مَنْ یَّنْشَقُّ عِنْدَ الْقَبْرِ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَّاَوَّلُ مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّۃِ فَیُفْتَحُ لَہٗ وَحَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَحْتَہٗ اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ وَھُوَ الَّذِیْ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الَّذِیْ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاِنِّیْ قَائِلٌ قَوْلًا غَیْرَ فَخْرٍ وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ وَاَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ فِرْقَۃً ثُمَّ جَعَلَھُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ قَبِیْلَۃً ثُمَّ جَعَلَھُمْ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ بَیْتًا فَاَنَا خَیْرُھُمْ قَبِیْلَۃً ثُمَّ جَعَلَھُمْ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ بَیْتًا فَاَنَا خَیْرُھُمْ نَفْسًا وَّخَیْرُھُمْ بَیْتًا وَاَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا قَائِدُھُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُھُمْ اِذَا یَئِسُوْا وَالْکَرَامَۃُ وَمَفَاتِیْحُ الْجَنَّۃِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ وَاَنَا خَطِیْبُھُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا وَاَنَا شَفِیْعُھُمْ اِذَا یَئِسُوْا وَاَنَا اَکْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰی رَبِّیْ یَطُوْفُ عَلٰی اَلْفِ خَادِمٍ کَاَنَّھُمْ بَیْضٌ

مَكْنُونٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ اَنَا اِمَامُ النَّبِيِّيْنَ وَصَاحِبُ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ لَوْلَاهُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْحَقُّ وَلَمَّا اَظْهَرَ الرَّبُوْبِيَّةَ وَكَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ ۔ شعر

نماند بہ عصیاں کسے در گرو

کہ دارد چنیں سید پیشرو

پس ناچار مصدقان ایں چنیں پیغمبر سید البشر علیہ الصلوۃ والسلام خیر الامم باشند خیر امت اخرجت نقد وقت ایشاں است و مکذبان او علیہ الصلوۃ والسلام بدترین بنی آدم "اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا" ۔ بشان حال ایشاں ناکدام صاحب دولت را باتباع سنت سنیہ او بنوازند و متابعت شریعت رضیہ او سرفراز سرزند امروز امر قلیل را کہ مقرون بتصدیق حقیقت دین او است علیہ الصلوۃ والسلام بعمل کثیر بری دارند اصحاب کہف ایں ہمہ درجات کہ یافتند بواسطہ یک حسنہ است و آں ہجرت بود از دشمنان حق سبحانہ و تعالیٰ بنور یقیں ایمان در وقت استیلاء معاندان مثلاً سپاہیان در وقت غلبہ دشمنان و استیلاء مخالفان اگر اندک تردد می کنند آں قدر نمایاں می شود و اعتبار می گردد کہ در وقت امن اضعاف آں در خیز اعتبار نمی آید وایضاً چوں آں سرور محبوب رب العالمین است متابعان او بواسطہ متابعت بمرتبہ محبوبیت می رسند، چہ محب در ہر کہ از شمائل و اخلاق محبوب خود می بیند آں کس را محبوب خود می دارد مخالفاں را از ایں جاقیاس باید کرد...۔ شعر

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا است

کسیکہ خاک درش نیست خاک برسر اوست

اگر ہجرت ظاہری میسر نہ شود و ہجرت باطنی را بکمال مرعی می باید داشت باایشاں بے ایشاں می باید بود لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا موسم نوروز رسیدہ است کہ دراں ایام اہالی آں معاملہ را در تفرقہ می دارد بعد از مضی آں ہنگامہ اگر ارادہ خداوندی جل سلطانہ مساعدت نمود امیدوار است کہ شرف ملاقات گرامی میسر شود زیادہ اطناب موجب املال است۔

ثَبَّتَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَلٰى جَادَةِ اٰبَائِكُمُ الْكِرَامِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔ (دفتر اول، مکتوب ۴۴)

ترجمہ: "آپ فقراء کے ساتھ ملتے جلتے اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔ بے سروسامان فقیر نہیں جانتا کہ اس کے جواب میں کیا لکھے سوائے اس کے کہ چند فقرے عربی عبارت میں جو آپ کے بزرگوار خیر العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل میں ماثور ہیں لکھے اور اس سعادت نامہ کو آخری نجات کا وسیلہ بنائے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کرے بلکہ اپنے کلام کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے نام سے آراستہ کرے۔ (ترجمہ) "پس میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے عصمت اور توفیق ہے"۔

تحقیق محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں اور قیامت کے دن لوگوں کی نسبت زیادہ پیروکاروں والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین و آخرین سے بزرگ ہیں، اور پہلے ہیں جو قبر سے نکلیں گے، اور اول ہیں جو شفاعت کریں گے، اور اول ہیں جن کی شفاعت قبول ہوگی، اور اول ہیں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے دروازہ کھول دے گا اور قیامت کے دن لواء حمد کے اٹھانے والے ہیں جس کے نیچے آدم اور باقی انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور وہ ذات مبارک ہیں جنہوں نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہم ہی آخرین ہیں اور ہم ہی آگے بڑھنے والے ہیں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا کہ میں اللہ کا دوست ہوں اور پیغمبروں کا پیش رو ہوں اور فخر نہیں اور میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور فخر نہیں اور میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں، جب اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا اور پھر ان کو دو

گروہ بنایا اور مجھے ان میں سے بہتر قبیلے میں بنایا' اور مجھے ان میں سے اچھے گروہ میں کیا' پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہتر قبیلے میں بنایا' پھر ان لوگوں کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے بہتر گھر والوں میں پیدا کیا۔ پس میں از روئے نفس اور گھر کے ان سب سے بہتر ہوں اور میں سب لوگوں سے اول نکلوں گا جب وہ قبروں سے نکالے جائیں گے' اور میں ان کا رہنما ہوں جب کہ وہ گروہ گروہ بنائے جائیں گے' اور میں ان کا خطیب ہوں جب وہ خاموش کرائے جائیں گے' اور میں ان کا شفیع ہوں جب کہ وہ روکے جائیں گے' اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں جب وہ ناامید ہو جائیں گے اور کرامت اور جنت کی چابیاں لواء حمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولاد آدم سے بزرگ ہوں۔ ہزار خادم میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار موتیوں کی طرح ہوں گے اور جب قیامت کا دن ہوگا میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس بات کا فخر نہیں ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات پاک نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا اور آپ نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے۔

جس کے رہنما اور پیشوا ایسے نبی ہوں گے وہ گناہ کے عوض نہ پکڑا جائے گا۔ بس ناچار ایسے پیغمبر سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہیں۔ "کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ" ان کے حال کے مصداق ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو جھٹلانے والے سب بنی آدم سے بدتر ہیں۔ "اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ کُفۡرًا وَّنِفَاقًا" ان کے احوال کا نشان ہے۔

دیکھئے اکس صاحب نصیب کو حضور کی سنت سنیہ کی تابعداری سے نوازش کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسندیدہ شریعت کی متابعت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دین کی حقیقت کو تصدیق کرنے کے بعد تھوڑا سا عمل بجالانا عمل کثیر کے برابر ہے۔

اصحاب کہف نے اتنا بڑا درجہ صرف ایک ہی نیکی کے باعث حاصل کیا اور وہ نور ایمانی کے ساتھ دشمنوں کے غلبہ کے وقت خدائے تعالیٰ کے دشمنوں سے ہجرت کر جانا تھا۔ مثلاً سپاہی دشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑا سا بھی تردد کرے تو اس قدر نمایاں ہوتا ہے کہ اس کا اعتبار ہوتا ہے کہ امن کی حالت میں اور اس سے کئی گنا اعتبار میں نہیں آسکتا۔ اور نیز جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے محبوب ہیں تو حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم کے تابعدار بھی آپ کی تابعداری کے باعث محبوبیت کے درجے تک پہنچاتے ہیں' کیونکہ محب اور عاشق اس آدمی کو بھی جس میں اپنے محبوب کی عادتیں اور خصلتیں دیکھتا ہے' اپنا محبوب ہی جانتا ہے اور مخالفوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

وسیلہ دو جہاں کی آبرو کا ہیں نبی سرور
پڑے خاک اس کے سر پر جو نہیں ہے خاک اس در پر

اگر ہجرت ظاہری میسر نہ ہو سکے تو باطنی ہجرت کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ خلقت کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہنا چاہیے۔ لَعَلَّ اللّٰہُ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی امر پیدا کر دے گا۔ موسم نوروز آگیا ہے اور معلوم ہے کہ ان دنوں میں وہاں کے رہنے والے معاملے کو پراگندہ رکھتے ہیں۔ اس ہنگامہ کے گزر جانے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امید ہے کہ آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا' زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے۔

یُثَبِّتُکُمُ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَلٰی جَادَۃِ اٰبَائِکُمُ الۡکِرَامِ اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَعَلَیۡهِمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بزرگ باپ داداؤں کے طریق پر ثابت قدم رکھے اور ان پر قیامت تک سلام ہو"۔

حقیقت محمدی اور شان لولاک

"حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کہ حقیقۃ الحقائق است آنچہ در آخر کار بعد از طی مراتب ظلال بریں فقیر منکشف گشتہ است تعین و ظہور حبی است کہ مبداء ظہورات ومنشاء خلق مخلوقات است در حدیث قدسی کہ مشہور است آمدہ است کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ۔

اول چیزیکہ ازاں گنجینہ مخفی بر منصہ شہود آمد حب بودہ است کہ سبب خلق خلائق گشتہ' اگر ایں حب نمی بود در ایجاد نمی کشود عالم در عدم راسخ و مستقر می بود سر حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ راکہ در شان ختم الرسل واقع است علیہم الصلوات والتسلیمات ایں جاباید جست و حقیقت لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّۃَ را دریں مقام باید طلبید۔

(دفتر سوم' حصہ نہم' ص ۱۲۸' مکتوب ۱۲۲)

ترجمہ: "حقیقت محمدی جو حقیقت الحقائق ہے۔ مراتب ظلال طے کرنے کے بعد آخر کار اس فقیر پر ظاہر ہوئی ہے' محبت کا تعین اور ظہور ہے جو تمام مظاہر کی مبداء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے جیسے حدیث قدسی میں ہے "میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا' میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں' پس میں نے خلق کو پیدا کیا"۔ اول اول جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے ظاہر ہوئی محبت ہے کہ جو مخلوق کی پیدائش کا سبب ہوئی ہے' اگر محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتے۔ حدیث قدسی (اگر آپ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو' آسمان پیدا نہ کیے جاتے جو حضرت ختم الرسل کی شان میں آئی ہے) کا بھید بھی اسی میں ڈھونڈنا چاہیے' اور اگر آپ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا کہ حقیقت کو اسی مقام پر طلب کرنا چاہیے"۔

حقیقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تصور

حقیقت محمدی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کہ ظہور اول است و حقیقت الحقائق ست باں معنی کہ حقائق دیگر چہ حقائق انبیاء کرام وچہ حقائق ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کالظلال اند مراو را و اصل حقائق است قَالَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اول ما خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَقَالَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ۔ پس ناچار ایں حقیقت واسطہ بود درمیان سائر حقائق و درمیان حق وعلا وصول بہ مطلوب احدے را بے توسط او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام محال باشد۔

فَهُوَ نَبِیُّ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاِرْسَالُهٗ رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ازیں جاست کہ انبیاء اولوالعزم باوجود اصالت تبعیت اوی خواہند بار زو داخل امتان اوی گردند کما ورد علیہ وعلیہم الصلوۃ والتسلیمات والتحیات۔ (دفتر سوم' حصہ نہم' ص ۱۲۷' مکتوب ۱۲۲)

ترجمہ: "حقیقت محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو ظہور اول میں سب سے بڑی حقیقت ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے تمام حقائق کیا انبیاء کرام علیہم السلام اور کیا ملائکہ عظام کے حقائق سب اس کے اظلال کی مانند ہیں اور وہ تمام حقائق کا اصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے' سب سے اول خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور فرمایا ہے' میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے' پس یہی حقیقت باقی تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ

ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ تمام انبیاء اور مرسلین کے بھی نبی ہیں اور آپ کا تشریف لانا جہان کے لیے رحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم باوجود اصالت کے آپ کی اتباع طلب کرتے رہے اور آپ کی امت میں داخل ہونے کی آرزو کرتے رہے' جیسا کہ حدیث میں وارد ہے"۔

اولیاء اللہ کے لطائف کی وسعتیں

"آنچہ از بعضے اولیاء اللہ نقل می کنند کہ دریک آن در امکنہ متعددہ حاضری گردند۔ و افعال متباینہ وقوع می آرند' ایں جانیز لطائف ایشاں متجسد باجساد مختلفہ اند و متشکل باشکال متباینہ' و ہم چنیں عزیزیکہ مثلاً در ہندوستان توطن دارد ازاں دیار نہ بر آمدہ است' جمعے از حضرت مکہ مکرمہ می آیند و می گویند کہ آں عزیز را در حرم کعبہ دیدہ ایم و چناں و چنیں در میان ماو آں عزیز گزشتہ است و جمعے دیگر نقل می کنند کہ ما او را در روم دیدہ ایم و جمعے دیگر در بغداد او را دیدہ اند' ایں ہمہ تشکل لطائف آں عزیز است باشکال مختلفہ"۔ (دفتر دوم' حصہ ہفتم' مکتوب ۵۸' ص ۲۵-۲۴)

"جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں' یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح اس عزیز کا حال ہے جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے وطن سے باہر نہیں نکلا۔ بعض حضرات مکہ معظمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں۔ اور بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں۔ یہ سب عزیز کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں"۔

عقائد مجدد' مقبول رسالت ماب تھے

"و آں رسالہ بالتماس بعضے یاراں میسر شدہ التماس نمودہ بودند کہ نصائح بنویسد کہ در طریقے نافع باشد و بہ مقتضائے آں زندگانی کردہ شود الحق۔ (الی آخرہ) (دفتر اول' حصہ اول' مکتوب ۱۶' ص ۳۵)

ترجمہ: اور یہ رسالہ بعض یاروں کی التماس سے لکھا گیا ہے۔ یاروں نے التماس کی تھی کہ ایسی نصیحتیں لکھی جاویں جو طریقت میں نفع دیں اور ان کے موافق زندگی بسر کی جاوے۔ واقعی رسالہ بے نظیر اور برکتوں والا ہے۔ اس رسالہ کے لکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے بہت سے مشائخ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور اس رسالہ کو اپنے مبارک ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں اور اپنے کمال کرم سے اس کو چومتے ہیں اور مشائخ کو دکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے اعتقاد حاصل کرنے چاہئیں اور وہ لوگ جنہوں نے ان علوم سے سعادت حاصل کی ہے وہ نورانی اور ممتاز اور عزیز الوجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں"۔

حاصل کلام اسی مجلس میں اس خاکسار کو اس واقعے کے شائع کرنے کا حکم فرمایا۔

از: حضرت علامہ ارشد القادری (جمشید پور، بہار)

سرکار کا جسم بے سایہ

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب جام نور کلکتہ

ہمارے یہاں حضور جان نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے متعلق بحث چھڑی ہوئی ہے، کچھ کہتے ہیں کہ حضور کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ ایک بشر ہونے کی حیثیت سے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سارے بشری لوازمات موجود تھے تو جسم کا سایہ بھی بشری خصوصیات سے ہے، اس کے نہ ہونے کا تخیل ہی سرتاسر غلط ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شاعروں کے استعارات کو لوگوں نے عقیدہ بنالیا ہے۔ روایات میں بھی کوئی ایسی قابل اعتماد صراحت موجود نہیں ہے کہ حضور کے جسم پاک کا سایہ نہیں تھا۔ از راہ کرم اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈال کر صحیح مسلک سے روشناس کریں۔ (سائل: ریاض الاسلام بجنور---یو-پی)

جواب نامہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلہ پر مبسوط بحث فرمائی ہے(ا) اور مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ حضور کا سایہ نہ ہونے کا عقیدہ عوام کا اختراع نہیں ہے، بلکہ ائمہ سلف کی تصریحات اور روایات کے نصوص سے ثابت ہے۔

عزیزم! آج کے فتنہ آشوب دور میں ذہن و فکر کا الحاد جتنا بھی سر چڑھ جائے کم ہے۔ آپ سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں احادیث کے دلائل طلب کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ ہی کے ملک میں ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو سرے سے احادیث ہی کو نہیں مانتا اور یہ انکار صرف انکار کی حد تک نہیں ہے، بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ انکار کے پیچھے دلائل کے انبار موجود ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام کے احکام کی بنا صرف قرآن پر ہے۔ احادیث کا مجموعہ قطعاً اعتماد کے قابل نہیں ہے۔ کل اس پر بھی بحث چھڑ سکتی ہے اور دلائل کے سہارے سے احادیث کا انکار کر کے بھی ایک شخص مسلم معاشرہ سے اپنا مذہبی تعلق برقرار رکھ سکتا ہے۔

(ا) اس موضوع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تین کتابیں ہیں اور تینوں مطبوعہ ہیں:

☆ قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام۔

☆ نفی الفی عمن بنورہ انار کل شیئی۔

☆ ھدی الحیران فی نفی الفی عن سید الاکوان۔ ۱۲م، ع نعمانی۔

پس ایسے گمراہ کن اور غیر یقینی حالات میں سلامتی کا بجز اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ اسلاف کی اصابت رائے پر بھرپور اعتماد کرنا چاہیے۔ فکری الحاد اور خود روذہانت کے طوفان میں بہہ گئے تو ایک تنکا بھی سلامت نہیں رہ جائے گا۔ ابھی تو "سایہ جسم رسول" ہی کا مسئلہ ہے۔ بدمست شرابیوں کی طرح بہکنے کا یہی اندازہ رہا تو ایک دن اصل "رسول" ہی کا مسئلہ ہماری مجلسوں میں زیر بحث آ جائے گا۔ احادیث کا مقام اعتبار مجروح ہو جانے کے بعد قرآن کی بنیاد ہلنے میں کتنی دیر لگتی ہے---؟ اس لیے فریب زدہ ملحدین کا شیوہ اختیار کرنے کے بجائے ہمیں یقین و اعتماد کرنے والے اخلاص پیشہ مومنین کا رویہ اپنانا چاہیے۔

اب آپ ذیل میں اپنے سوال کے متعلق چند اشارات ملاحظہ فرمائیں:

سب سے پہلے نقل و روایت کے اعتبار سے جسم رسول کے سایہ نہ ہونے کے عقیدے کا جائزہ لیجئے:

احادیث

(الف) امام الحدیث حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "نوادر الاصول" میں حضرت ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں:

عَنْ ذَكْوَانَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ فِيْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ مبارک نہ سورج کی دھوپ میں نظر آتا، نہ چاند کی چاندنی میں۔

(الخصائص الکبریٰ ج ا، ص ۶۸، (از نفی الظل، علامہ کاظمی) زرقانی علی المواہب ج ۴، ص ۲۲۰، جمع الوسائل للقاری ج ا، ص ۱۷۶، نعمانی غفرلہ)

(ب) سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَّلَمْ يَقُمْ مَعَ شَمْسٍ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَهَا وَلَا مَعَ السِّرَاجِ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَهٗ۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ نہیں تھا۔ نہ سورج کی دھوپ میں نہ چراغ کی روشنی میں۔ سرکار کا نور سورج اور چراغ کے نور پر غالب رہتا تھا۔

(المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ مطبوعہ مصر، ص ۳۰، کذا فی الزرقانی علی المواہب ج ۴، ص ۲۲۰، مطبوعہ مصر ۱۲)

(ج) امام نسفی تفسیر مدارک شریف میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں:

قَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّ اللّٰهَ مَا اَوْقَعَ ظِلَّكَ عَلَى الْاَرْضِ لِئَلَّا يَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ الظِّلِّ۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ خدا عزوجل نے آپ کا سایہ زمین پر پڑنے نہیں دیا تاکہ اس پر کسی انسان کا قدم نہ پڑ جائے۔

(مدارک شریف ج ۲، ص ۱۰۳، مطبوعہ مصر قدیم)

اسی کے مثل معارج النبوۃ فارسی رکن چہارم ص ۱۰۰ اور مدارج النبوۃ ج ۲، ص ۱۶۱ میں ہے۔

(د) حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "خصائص کبریٰ شریف" میں ابن سبع سے یہ روایت نقل فرمائی:

قَالَ ابْنُ سَبُعٍ مِّنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ

ابن سبع نے کہا کہ یہ بھی حضور لامع النور صلی اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ ظِلَّهٗ كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى الْاَرْضِ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا اِذَا مَشٰى فِي الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا يَنْظُرُ لَهٗ ظِلٌّ قَالَ بَعْضُهُمْ وَيَشْهَدُ لَهٗ حَدِيْثُ قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُعَائِهٖ فَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا۔ (خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۸ ان)

تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ سرکار کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ نور تھے۔ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں جب چلتے تھے تو سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ بعض ائمہ نے کہا کہ اس واقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ حدیث شاہد ہے جس میں حضور کی یہ دعا منقول ہے کہ پروردگار مجھے نور بنا دے۔

نمونے کے طور پر یہ چار حدیثیں اس دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ محض بے بنیاد نہیں ہے۔ اس کی جڑیں روایات و احادیث کی تہہ میں ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیثوں پر کسی کو کلام ہو اور وہ انہیں فنی نقطہ نظر سے قابل استناد نہ سمجھتا ہو۔ ویسے ہم کسی کے خیال پر پابندی نہیں لگا سکتے، لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ آج کے اہل علم معلومات کی وسعت، نور ایمان کی فراست، انشراح صدر، اخلاص نیت اور طہارت و دیانت کے اعتبار سے بزرگان سلف کے مقابلے میں کسی طرح بھی ترجیح کے قابل نہیں ہو سکتے۔ جب کہ ہر دور کے ائمہ اسلاف نے ان روایات کی روشنی میں اس عقیدے کی توثیق کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ نہیں تھا۔ چنانچہ ذیل میں چند مشاہیر کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

ائمہ سلف کا مذہب

(۱) امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

لَمْ يَقَعْ ظِلُّهٗ عَلَى الْاَرْضِ وَلَا يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ فِيْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ قَالَ ابْنُ سَبُعٍ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا قَالَ رَزِيْنٌ فَغَلَبَهٗ اَنْوَارُهٗ۔ (انموذج اللبیب)

حضور جان نور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور نہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں سایہ نظر آتا تھا۔ ابن سبع اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نور تھے، رزین نے کہا کہ حضور کا نور سب پر غالب تھا۔

(۲) امام الزمان قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا ذُكِرَ مِنْ اَنَّهٗ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهٖ فِيْ شَمْسٍ وَّلَا فِيْ قَمَرٍ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا۔ وَاِنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلٰى جَسَدِهٖ كَانَ نُوْرًا۔ وَاِنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَلَا ثِيَابِهٖ۔

(شفاء قاضی عیاض، ج ۱، ص ۳۴۲ و ۳۴۳)

یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہیں پڑتا تھا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نور تھے۔

(۳) علامہ شہاب الدین خفاجی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا جَرَّ لِظِلِّ اَحْمَدَ اِذْ يَالَ فِي الْاَرْضِ كَرَامَةً كَمَا قَدْ قَالُوْا هٰذَا عَجَبٌ وَّكَمْ بِهٖ مِنْ عَجَبٍ وَالنَّاسُ لِظِلِّهٖ جَمِيْعًا قَالُوْا وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْاٰنُ

عظمت و احترام کے باعث حضور کے سایہ جسم کا دامن زمین پر رگڑتا ہوا نہیں چلتا تھا۔ حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کرم میں سارے انسان چین کی نیند

بِاَنَّهُ النُّوْرُ الْمُبِیْنُ وَ کَوْنُہٗ بَشِیْرًا اِلَّا یُنَافِیْہِ۔ سوتے ہیں۔ اس سے حیرت انگیز بات اور کیا ہو سکتی ہے؟
(نسیم الریاض، ج ۳، ص ۳۱۹ مصری)

اس امر کے ثبوت کے لیے قرآن کی یہ شہادت کافی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور مبین ہیں اور حضور کا بشر ہونا سایہ نہ ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(۴) امام علامہ احمد قسطلانی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:

قَالَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ عَنِ ابْنِ ذَکْوَانَ وَقَالَ ابْنُ سَبُعٍ کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُوْرًا فَکَانَ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا یُظْهِرُ لَہٗ ظِلٌّ۔ (المواہب اللدنیہ)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا نہ ماہتاب کی چاندنی میں۔ ابن سبع اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نور تھے۔ اسی لیے چاندنی اور دھوپ میں چلتے تھے تو جسم پاک کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔

(۵) علامہ حسین ابن محمد دیار بکری ارشاد فرماتے ہیں:

لَمْ یَقَعْ ظِلُّہٗ عَلَی الْاَرْضِ وَلَا یُرٰی لَہٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ۔ (کتاب الخمیس، النوع الرابع)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں پڑتا تھا، نہ چاند کی چاندنی میں۔

(۶) امام علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمِمَّا یُؤَیِّدُ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَارَ نُوْرًا اَنَّہٗ کَانَ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا یَظْهَرُ لَہٗ ظِلٌّ لِاَنَّہٗ لَا یَظْهَرُ اِلَّا الْکَثِیْفُ وَهُوَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ خَلَّصَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ سَائِرِ الْکَثَافَاتِ الْجِسْمَانِیَّۃِ وَصَیَّرَہٗ نُوْرًا صِرْفًا لَا یَظْهَرُ لَہٗ ظِلٌّ اَصْلًا۔ (افضل القریٰ، ص ۷۲)

اس بات کی تائید میں کہ حضور سراپا نور تھے، اس واقعہ کا اظہار کافی ہے کہ حضور کے جسم پاک کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں۔ اس لیے کہ سایہ کثیف چیز کا ہوتا ہے اور خدائے پاک نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جسمانی کثافتوں سے پاک کر کے انہیں "نور محض" بنا دیا تھا، اسی لیے ان کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔

(۷) علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

لَمْ یَکُنْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ یَظْهَرُ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ۔ (فتوحات احمدیہ، شرح ہمزیہ، ص ۵)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا، نہ ماہتاب کی چاندنی میں۔

(۸) شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں:

ونبود مر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را سایہ نہ در آفتاب ونہ در قمر۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۲۱)

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا، نہ ماہتاب کی چاندنی میں۔

(۹) امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

او را صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سایہ نبود در عالم شہادت سایہ ہر شخص از شخص لطیف تر است۔ چوں سایہ ترے از وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در عالم نباشد او را سایہ چہ صورت دارد۔ (مکتوبات ج ۳، ص ۱۴۷، مطبوعہ نو لکشور لکھنؤ)

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم شہادت میں ہر چیز سے اس کا سایہ لطیف

ہوتا ہے اور سرکار کی شان یہ ہے کہ کائنات میں ان سے زیادہ کوئی لطیف چیز نہیں' پھر حضور کا سایہ کیونکر پڑ سکتا ہے۔

(۱۰) صاحب مجمع البحار علامہ شیخ محمد طاہر ارشاد فرماتے ہیں:

مِنْ اَسْمَائِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلنُّوْرُ قِیْلَ مِنْ خَصَائِصِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا یَظْھَرُ لَہٗ ظِلٌّ۔ (زبدۃ شرح 'شفاء ص ا' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ نو لکشور لکھنؤ' جلد سوم' ص ۲۰۳)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناموں سے نور بھی ایک نام ہے اور اس کی خصوصیت ہے کہ حضور کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا اور نہ چاندنی میں۔

(۱۱) امام راغب اصفہانی ۵۰۲ھ ارشاد فرماتے ہیں:

رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا مَشٰی لَمْ یَکُنْ لَہٗ ظِلٌّ۔

مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چلتے آپ کا سایہ نہ ہوتا۔

(المفردات للراغب الاصفہانی' ص ۳۱۷ن)

(۱۲) صاحب سیرت الحلبیہ (معروف بہ سیرت شامی) فرماتے ہیں:

اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِالْقَمَرِ لَا یَکُوْنُ لَہٗ ظِلٌّ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا۔ (سیرت حلبیہ' مطبوعہ مصر' ص ۴۲۲' ج ۲)

حضور جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہیں ہوتا' اس لیے کہ آپ نور تھے۔

(۱۳) امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمتہ (م ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں:

لَقَدْ نَزَّہَ الرَّحْمٰنُ ظِلَّکَ اَنْ یُّرٰی عَلَی الْاَرْضِ مُلْقِیْ فَانْطَوٰی لِمَزِیَّۃٍ۔ (سیرت حلبیہ' ج ۲' ص ۹۴)

خدائے رحمٰن نے آپ کے سایہ کو زمین پر واقع ہونے سے پاک فرمایا اور پائمالی سے بچنے کے لیے آپ کی عظمت و فضیلت کے سبب اس کو لپیٹ دیا کہ دکھائی نہ دے۔

(۱۴) علامہ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

کہ حضور اکرم ﷺ کا سایہ نہ تھا' نہ سورج کی روشنی میں چلتے وقت اور نہ چاند کی۔ (جمع الوسائل' جلد ا' ص ۱۷۶)

(۱۵) امام شیخ احمد مناوی بھی یہی فرماتے ہیں۔ (شرح الشمائل للمناوی' جلد ا' ص ۴۷ن)

(۱۶) امام العارفین مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

چوں فناش از فقیر پیرایہ شود
او محمد وار بے سایہ شود

(۱۷) حضرت علامہ بحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمتہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

در مصرعہ ثانی اشارہ بہ معجزہ آں سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ آں سرور را سایہ نہ می افتاد۔

یعنی دوسرے مصرعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور کا سایہ نہیں تھا۔

(۱۸) امام المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہما الرحمتہ ارشاد فرماتے ہیں:

از خصوصیاتے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را در بدن مبارک شش دادہ بودند کہ سایہ ایشاں بر زمین نہ می افتاد۔

(تفسیر عزیزی' پارہ عم' ص ۲۱۹ن)

جو خصوصیتیں نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدن مبارک میں عطا کی گئی تھیں' ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

(۱۹) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (صاحب مالا بد منہ) فرماتے ہیں:

می گویند کہ رسول خدا را سایہ نہ بود۔ (تذکرۃ الموتی والقبور' ص ۱۴)

اولیائے امت فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

مشاہیر امت کے اقتباسات پھر ایک بار غور سے پڑھ جائیے۔ بات سرسری طور پر نہیں کہہ دی گئی ہے' آگے پیچھے عقل و نقل کے دلائل کے انبار بھی ہیں۔ منکرین کے پاس سب سے بڑی دلیل بشریت کا پیکر ہے۔ یہ استدلال بھی مذکورہ بالا اکابرین اسلام کی نگاہوں سے او جھل نہیں ہے۔ اپنی عبارتوں میں اس کا ذکر بھی کرتے ہیں' اس کے باوجود صراحت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہیں تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ بے خبری میں نہیں ہے' بھرپور معلومات کے اجالے میں ہے۔

کیا اس کے بعد بھی اس الزام کے لیے گنجائش رہ جاتی ہے؟ کہ جسم پاک کے سایہ نہ ہونے کا تصور عوامی ذہن کا اختراع ہے۔ ملت کے ان اساطین کو اگر عوام کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے تو اس الزام کے قبول کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔

ویسے پر آشوب دلوں کا اطمینان ہمارے حق میں نہیں ہے لیکن کم از کم مذکورہ بالا احادیث و روایات کی روشنی میں لازماً اتنا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جسم پاک کا سایہ نہ ہونے کے متعلق عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ بے بنیاد نہیں ہے۔۔۔ اثبات کے صرف دلائل ہی نہیں' قابل اعتماد ہستیوں کا تعامل بھی ہے۔ سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں عہد صحابہ سے لے کر دور اخیر تک کی یہ مربوط مسلسل اور متوارث شہادتیں عصر حاضر کے چند خبطی انسانوں کے انکار پر ہرگز مجروح نہیں کی جا سکتیں۔ مذہبی قدروں کی پامالی کا اس سے زیادہ دردناک ماتم اور کیا ہو سکتا ہے کہ شہرستان جہالت کا ہر خاک روب رازی و غزالی کی مسند میں بات کرتا ہے۔ اور تماشہ یہ ہے کہ تحت الثریٰ میں دھنسی ہوئی بنیادوں کو ہلانے کی کوشش میں خود اپنے ہی ذہن کی بنیاد ہل جاتی ہے۔۔۔ خدائے قدیر دور جدید کے شر و فتن سے سادہ لوح مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

یہاں تک نقل و روایات کی حیثیت سے مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ آگے "بشریت" کے استدلال کا بھرپور جائزہ لیا جائے گا۔

منکرین کا استدلال

سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہ ہونے کے انکار میں منکرین کی طرف سے جو دلیل انتہائی شدومد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے' وہ سرکار کی "بشریت" ہے۔

منکرین کا ذہن اور ان کے استدلال کا رخ سمجھنے کے لیے ایک پر جوش ممبر کی دلیل ملاحظہ فرمائیے۔

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ سایہ کثیف کا ہوتا ہے اور آپ کی ذات سر سے پاؤں تک نور ہے' وہ یہ بھول جاتا ہے کہ حضور نے طائف میں پتھر اور غزوہ احد میں زخم کھائے ہیں۔

قمقمے سے نکلنے والی روشنی یا چاندنی سے نکھرتی ہوئی فضا میں آپ پتھر چلائیے' کیا نور کے جسم سے خون پھوٹ نکلے گا؟ ظاہر ہے کہ کثیف چیز کی چوٹ ہی چیز پر پڑتی ہے' نہ کہ لطیف پر"۔

(ماہنامہ "تجلی دیوبند" حاصل مطالعہ نمبر' ص ۲۹)

ذرا گہرائی میں اتر کر سوچئے' روحانی قدروں اور معجزات کے انکار میں یورپ کے مادہ پرست ملحدین جس رخ پر سوچتے ہیں اس میں اور اس انداز فکر میں کیا فرق ہے۔

طبعی قانون ان کے یہاں بھی دماغ کے صنم خانے کا سب سے بڑا بت ہے اور منکرین نے بھی اسی قانون کو اپنا قبلہ فکر بنایا ہے۔ ایمان و اعتقاد کا رشتہ ٹوٹ سکتا ہے۔ طبعی قانون بھلا کیونکر ٹوٹے گا۔ تاریخ و سیر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف میں پتھر اور غزوۂ احد میں زخم کھائے ہیں۔ طبعی قانون نے یہ بتایا کہ کثیف چیز کی چوٹ کثیف ہی چیز پر پڑتی ہے نہ کہ لطیف پر' اس لیے معاذ اللہ حضور کے جسم پاک کا کثیف ہونا ضروری ہے اور جب وہ کثیف ٹھہرا تو اس کا سایہ بھی لازمی ہے۔

طبعی قانون کی بنیاد پر سایہ نہ ہونے کے انکار میں سوچنے کا یہ انداز اگر حق بجانب قرار دیا جائے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک سایہ نہ ہونے کا عقیدہ ہی نہیں' انبیاء کے سارے معجزات سے انکار کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا سے روشنی پھوٹنے کا عقیدہ قرآن سے ثابت ہے۔ وہاں بھی اسی طرح کا سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ عام طبعی قانون کے مطابق روشنی یا چراغ سے پھوٹتی ہے یا کسی لطیف شئے سے۔

یونہی جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہی عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ مردے کو زندہ کر دیا کرتے تھے' وہاں بھی یہ عقلی معارضہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ سوکھی ہوئی رگوں' بجھے ہوئے دل اور ٹھنڈی لاش میں زندگی کی واپسی عادتاً اور طبعاً نہیں اس لیے معاذ اللہ! یہ عقیدہ سرتاسر غلط اور خلاف واقع ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں یقین اسلام کے مسلمات میں سے ہے کہ ان کی مٹھی میں لوہا موم کی طرح [illegible] تھا' یہاں بھی طبعی قانون کی دیوار حائل کیجئے کہ لوہا کو پگھلانے کے لیے جتنی حرارت کی ضرورت ہے وہ صرف آگ بہم پہنچا سکتی ہے۔ جسم انسانی میں اتنی حرارت کی موجودگی طبعاً ناممکن ہے' اس لیے معاذ اللہ! یہ عقیدہ بھی خلاف واقع ہے۔

یونہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق یہ عقیدہ محتاج ثبوت نہیں ہے کہ دہکتے ہوئے انگاروں اور ابلتے ہوئے شعلوں میں انہیں ڈال دیا گیا' لیکن آگ کے سمندر سے وہ بال بال بچ کر نکل آئے۔

یہاں بھی طبعی قانون کا سکہ رائج کیجئے کہ دہکتے ہوئے شعلوں میں ڈوب کر کسی بشری جسم کا محفوظ نکل آنا عقل و عادت دونوں کے خلاف ہے' اس لیے معاذ اللہ یہ عقیدہ بھی کسی فرضی داستان کی طرح قطعاً خلاف واقعہ ہے۔

یہاں تک خود سرکار سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق احادیث کی کتابوں میں اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ سرکار کے اشارے پر درخت جھومتے جھامتے' زمین کا سینہ شق کرتے' اپنے تنوں کے بل پر چلتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور اشارہ پا کر پھر اپنی اصل حالت پر لوٹ جایا کرتے تھے۔

یہاں بھی قیاس کی تک بندی لڑایئے --- کہ درختوں کا بات سمجھنا' چلنا' پھر واپس ہو جانا اور جڑ چھوڑ دینے کے باوجود شاداب رہنا قانون طبعی کے خلاف ہے۔ اس لیے معاذ اللہ! واقعہ صحیح نہیں ہے۔

اور استن حنانہ کا واقعہ تو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے کہ ایک چوب خشک سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم مبارک مس ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ اس میں زندگی کا شعور پیدا ہو گیا' بلکہ اس کے اندر عشق کا سوز و گداز جاگ اٹھا اور غم زدہ انسانوں کی طرح ہجر رسول میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یہاں بھی عقل بدمست کی رہنمائی میں زبان طعن دراز کیجئے کہ طبعی قانون کی رو سے ایک سوکھی ہوئی لکڑی میں انسانی

زندگی کا فروغ کبھی منتقل نہیں ہو سکتا' اس لیے معاذ اللہ یہ واقعہ بھی سرتاسر فرضی اور بے بنیاد ہے۔

اسی طرح سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک کے متعلق عام طور پر احادیث کی کتابوں میں یہ روایات موجود ہیں کہ حضور کے جسم اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ حضور کا پسینہ مشک و عنبر کی طرح خوشبو سے معطر رہا کرتا تھا۔ اپنے سے طویل القامت انسانوں کی بھیڑ میں بھی حضور سب سے اونچے نظر آتے تھے۔ پھر اسی بشری جسم کے ساتھ حضور شب معراج میں فضائے بسیط سے گزرے' آسمانوں پر گئے۔ جنتوں کی سیر فرمائی۔ سدرۃ المنتہی سے آگے حجاب عظمت طے کر کے لامکان میں پہنچے اور تجلیات الٰہی کا ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے تاروں کی چھاؤں میں بخیر و عافیت واپس لوٹ آئے۔

عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر معاذ اللہ! انکار کر دیجئے ان تمام روایات کا بھی۔ ان میں کون سی ایسی بات ہے جو طبعی قانون کے تحت بشر کے عام حالات سے مطابقت رکھتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ان ساری باتوں کے جواب میں یہ کہا جائے کہ انبیاء کے معجزات ہیں اور معجزات خدا کی بے پایاں قدرت کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے ان واقعات کو تسلیم کر لینے میں کوئی عقل اور طبعی استحالہ نہیں۔

اس جواب کی صحت تسلیم۔ لیکن پھر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ خدا کی وسیع قدرت صرف اس بات سے عاجز ہے کہ اس کے محبوب سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ نہ ہو۔

اس بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں جو دلائل ہم نے پہلے پیش کیے ہیں' تھوڑی دیر کے لیے ان سے قطع نظر بھی کر لیں' جب بھی صرف اس بنیاد پر اس عقیدے کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا ہونا عقلاً اور طبعاً ممکن ہے۔

واضح رہے کہ معجزات کے ذکر سے ہمارا مدعا صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ جب ان امور کے واقع ہونے میں طبعی قانون کا سسٹم مانع نہیں ہے تو صرف جسم پاک کے سایہ نہ ہونے کی بحث میں طبعی قانون کو انکار کی بنیاد کیوں بنایا جاتا ہے؟

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ حضور کا سراپا نور ہونا سایہ نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے' بلکہ سایہ نہ ہونے کی توجیہہ ہے' دلیل تو دراصل وہ روایات ہیں جو احادیث کی کتابوں میں بالکل اسی طرح منقول ہیں جس طرح دیگر معجزات کی روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

فتنہ آشوب اور باطل نژاد ذہن کا یہ بھی بہت بڑا مغالطہ ہے کہ چونکہ حضور زخمی ہوئے' جسم پاک سے لہو ٹپکا' اس لیے ثابت ہوا کہ معاذ اللہ! حضور کا جسم نوری نہیں تھا' کثیف تھا۔ اور جب کثیف تھا تو اس کا سایہ پڑنا ضروری تھا۔

سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ حضور کے زخمی ہونے اور سایہ نہ ہونے میں کیا تضاد ہے؟ جسم واحد سے متضاد کیفیتوں کا ظہور ہونا ناممکن کب ہے؟ مثال کے طور پر عام انسانوں کا جسم متضاد عنصر کا مجموعہ ہوتا ہے اور ہر عنصر کا ظہور بیک وقت ہوتا رہتا ہے۔ پس عنصر آتش کی کیفیت کا ظہور دیکھ کر اگر کوئی عنصر آب کی موجودگی کا انکار کرتا ہے تو اسے پاگل پن کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاں سراپا نور تھے' وہاں یہ عقیدہ بھی امر واقع ہے کہ حضور "بشر" بھی تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ جسم پاک سے نوری اور بشری دونوں کیفیتوں کا ظہور ہوتا رہا۔

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک سے لہو ٹپکا۔ جب سرکار کو کھانے پینے کی اشتہا ہوئی' جب ازدواجی زندگی سے ہم کنار ہوئے' جب کبر سنی میں ضعف اور نقاہت لاحق ہوئی اور جب جسم پاک کو علالت پیش آئی تو اس وقت بشریت کے اوصاف کا ظہور تھا۔

لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی مہینے تک بغیر افطار کے مسلسل روزے رکھے اور کسی طرح کی جسمانی نقاہت پیدا نہیں ہوئی۔ جب سرکار نے اندھیری رات میں اپنے گاؤں واپس لوٹتے وقت ایک صحابی کو کھجور کی شاخ دست کرم سے مس کر کے عنایت فرمائی اور کچھ دور چلنے کے بعد وہ چراغ کی طرح روشن ہو گئی۔ جب ہجرت کی رات محاصرہ کیے ہوئے قاتلوں کی پلکوں کے نیچے سے حضور باہر نکل آئے اور کوئی نہیں دیکھ سکا۔ جب سرکار نے ایک حبشی غلام کے سیاہ چہرے کو اپنی نظر کی تجلی سے اجلا بنا دیا۔ جب جسم پاک کے ساتھ حضور نے شب معراج ملکوت اعلیٰ کی سیر فرمائی اور سدرۃ المنتہی کے اس خط سے آگے نکل گئے جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ جب حضور پس پشت کی چیزوں کو اسی طرح ملاحظہ فرماتے جس طرح سامنے کی چیزوں کو کوئی دیکھتا ہے تو اس وقت نورانیت و قدوسیت کے اوصاف کا ظہور تھا۔

حاصل بحث یہ کہ جس آن میں حضور کا "پیکر ظہور" بشری تھا' اسی آن میں حضور سرکار نور بھی تھے۔ سرکار کی دونوں حیثیتوں میں کوئی عقلی اور شرعی منافات نہیں ہے اور جس جسم پاک کی دو حیثیتیں تھیں تو دونوں طرح کے اوصاف کا ظہور دیکھ کر سرکار کی بشریت کا انکار غلط ہے۔ بالکل اسی طرح بشریت کے مظاہر دیکھ کر سرکار کی نورانیت کا انکار بھی صحیح نہیں ہے۔ مسلک حق دونوں حیثیتوں کا جامع اور دونوں جہتوں پر مشتمل ہے۔

آخری بات (مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی)

حضور جان نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم کا سایہ نہ ہونے پر گزشتہ اوراق میں حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے جو عقلی و نقلی دلائل پیش فرمائے ہیں وہ ایک اسلامی الفکر اور صحیح الایمان شخص کے لیے بجائے خود اطمینان بخش بھی ہیں اور روح افزا بھی حضور' سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معجزانہ فضیلت اور پیغمبرانہ قوت و مزیت کا اعتراف کر لینے کے بعد یہ مسئلہ خود ہی آسانی سے مومن کے قلب کی گہرائی میں جگہ پا لیتا ہے مگر بعض ذہنوں پر شخصیت پرستی اور گروہی عصبیت کا ایسا تسلط ہوتا کہ جب تک ان کی جماعت کے کسی عالم کا قول نہ نقل کیا جائے' اطمینان خاطر نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں ایسے ہی منکرین کی ضیافت طبع اور ذہن دوزی کے لیے انہیں کے گھر کی چند شہادتیں پیش کر رہا ہوں' تاکہ اگر ان کے ذہن کا کانٹا نہ بھی نکل سکے تو کم از کم دعوت فکر ضرور ہو۔

(۱) رشید احمد گنگوہی پیشوائے اہل دیوبند کی تحریر ملاحظہ ہو:

وحق عالی آنجناب سلامہ علیہ را نور فرمود و بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ نداشتند' و ظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند۔ (امداد السلوک مطبوعہ بلالی وخانی پریس ساڈھورہ ص ۸۵'۸۶)

یعنی حق تعالیٰ نے حضور کو نور فرمایا اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے۔

(۲) اشرف علی تھانوی دیوبندی کا بیان یہ ہے:

"یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں"۔ (میلاد النبی' جلد ۴' الربیع فی الربیع ص ۵۷۲)

دوسری جگہ نہایت واضح الفاظ میں یوں ہے:

"یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر تاپا نور ہی نور تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم میں ظلمت نام کو بھی نہ تھی، اس لیے آپ کے سایہ نہ تھا۔ کیونکہ سایہ کے لیے ظلمت لازمی ہے"۔
(شکر النعمۃ بذکر الرحمۃ ص ۳۹، بحوالہ الذکر الجمیل از مولانا محمد شفیع اوکاڑوی)

(۳) مفتی دیوبند جناب مفتی عزیز الرحمٰن کے قلم کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو:

سوال نمبر ۱۴۶۴: "وہ حدیث کون سی ہے جس میں یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا"۔

الجواب: امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ واقع ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

اَخْرَجَ الْحَکِیْمُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ ذَکْوَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یُرٰی لَہٗ ظِلٌّ فِی الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ---الخ

اور تواریخ حبیب الٰہ میں مفتی عنایت احمد صاحب لکھتے ہیں کہ

"آپ کا بدن نور تھا اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا، مولوی حاجی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے سایہ نہ ہونے کا خوب نکتہ لکھا ہے اس قطعہ میں۔

پیغمبر مساند اشت سایہ
تا شک بہ دل یقین نیفتد
یعنی ہرکس کہ ہر پیر دادست
پیدا ست کہ پا زمیں نیفتد

(عزیز الفتاوی جلد ۲، ص ۲۰۲، بحوالہ نفی الظل والفی از علامہ احمد سعید کاظمی و محمد نور از مولانا منشا تابش قصوری)

امید ہے کہ ہر منصف مزاج مسئلہ کی پوری نوعیت سے واقف ہو گیا ہو گا اور کسی منکر کو بھی انکار کی مجال نہ ہو گی۔ وَھُوَ اللّٰہُ یَھْدِیْ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ۔

از : حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز
تلخیص از : مولانا قمر الحسن صاحب بستوی

قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ تھا یا نہیں۔ بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا۔

الجواب

وَمِنَ اللّٰہِ تَوْفِیْقُ الصِّدْقِ وَالصَّوَابِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَی السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ الشَّارِقِ وَالْقَمَرِ الزَّاھِرِ الْبَارِقِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔۔۔

بے شک اس مہر سپہر اصطفا ماہ منیر اجتبا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ تھا اور یہ امر احادیث و اقوال علماء کرام سے ثابت اکابر ائمہ و جہابذ فضلا کہ آج کے مدعیان خامکار کو ان کی شاگردی بلکہ ان کے کلام کو سمجھنے کی لیاقت نہیں۔ خلفا" و سلفا" دائما" اپنے تصانیف میں اس معنی کی تصریح فرماتے آئے اور اس پر دلائل و حجج قاہرہ جن پر مفتی عقل و قاضی نقل نے باہم اتفاق کر کے ان کی تاسیس و تشیید کی، آج تک کسی عالم دین سے ان کا انکار منقول نہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین میں ابتداع اور نیا مذہب اختراع اور ہوائے نفس کا اتباع کیا اور بہ سبب اس سوء و رنجش کے، جو ان کے دلوں میں اس رؤف رحیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تھی، ان کے محو فضائل و رد معجزات کی فکر میں پڑے۔ حتی کہ معجزہ شق القمر، جو بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ بلکہ خود قرآن عظیم و وحی حکیم کی شہادت حقہ، اور اہل سنت و جماعت کے اجماع سے ثابت، ان صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبہ لگایا۔ فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگوں نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی یا دنیوی سمجھا ہے۔

فقیر کا یہ دعویٰ اس شخص کے نزدیک تو بدیہی ہے جو خدمت حدیث و سیر میں رہا اور اس راہ میں روش علماء کو مشاہدہ کیا، مگر ناواقفوں کے افہام اور منکروں کے الزام کے لیے چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔

اولاً: جسم اقدس و لباس انفس پر مکھی نہ بیٹھنا۔ علامہ ابن سبع نے خصائص ذکر فرمایا۔ علماء نے تصریح کی اس کا راوی معلوم

نہ ہوا اور باوجود اس کے بلا نکیر اپنی کتابوں میں اس کا ذکر فرماتے آئے۔ شفائے قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے:

كَانَ الذُّبَابُ لَايَقَعُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَلَاثِيَابِهٖ۔

آپ کے بدن مبارک اور لباس اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔

امام علامہ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں:

بَابُ ذِكْرِ الْقَاضِيْ عِيَاض فِي الشِّفَاءِ وَالْعِرَاقِيُّ فِيْ مَوْلِدِهٖ اِنَّ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ لَايَنْزِلُ عَلَيْهِ الذُّبَابُ وَذَكَرَهُ ابْنُ السَّبُعِ فِي الْخَصَائِصِ بِلَفْظِ اَنَّهٗ لَمْ يَقَعْ عَلٰى ثِيَابِهٖ ذُبَابٌ قَطُّ وَزَادَ اِنَّ مِنْ خَصَائِصِهٖ اَنَّ الْقُمَّلَ لَمْ يَكُنْ تُوْذِيْهِ۔

ذکر کیا قاضی عیاض نے شفاء میں اور عراقی نے میلاد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاصیتوں میں سے ہے کہ ان کے اوپر مکھی نہیں واقع ہوتی تھی اور اس کو ابن سبع نے خصائص میں اس لفظ سے ذکر کیا کہ ان کے لباس پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور ان کے خصائص سے اتنا زیادہ کیا کہ جوں نے آپ کو ایذا نہ دی۔ شیخ ملا علی قاری شرح شمائل ترمذی میں فرماتے ہیں۔

وَنَقَلَ الْفَخْرُ الرَّازِيُّ اَنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَايَقَعُ عَلٰى ثِيَابِهٖ وَاَنَّ الْبَعُوْضَ لَايَمْتَصُّ دَمَهٗ۔

اور فخرالدین رازی نے نقل کیا ہے کہ ان کے لباس شریف پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور مچھر نہ تو ان کا خون شریف چوستے تھے۔

علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں علماء کا قول کہ اس کا راوی نہ معلوم ہوا نقل کیا اور اس خاصہ کی نسبت لکھا کہ ایک کرامت ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا کیا اور اپنے نتائج افکار سے ایک رباعی لکھی کہ اس میں بھی اس خاصہ کی تصریح ہے اور بعض علماء عجم نے اس بنا پر کلمہ محمد رسول اللہ کے سب حروف بے نقطہ ہونے میں ایک لطیفہ لکھا کہ آپ کے جسم مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ لہٰذا یہ کلمہ پاک بھی نقطوں سے محفوظ رہا۔ وہ شبیہ مکھیوں کے ہیں۔

وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف و احسن وہ انسان ہیں مگر ارواح ملائکہ سے ہزار درجہ لطیف۔ وہ خود فرماتے ہیں: "لَسْتُ كَمِثْلِكُمْ" میں تم جیسا نہیں۔ رواہ الشیخان۔۔۔ "وَيُرْوٰى لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ" میں تمہاری ہیئت پر نہیں۔ "وَيُرْوٰى اَيُّكُمْ مِثْلِيْ" تم میں کون مجھ جیسا ہے۔ آخر علامہ خفاجی کو فرماتے سنا آپ کا بشر ہونا نور درخشندہ ہونا منافی نہیں کہ اگر سمجھے تو وہ نور علیٰ نور ہیں۔ پھر اس قیاس فاسد پر کہ ہم سب کے سایہ ہوتا ہے۔ ان کا بھی ہوگا تو ثبوت سایہ کا قائل ہونا عقل ایماں سے کس درجہ دور پڑتا ہے۔

اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ بَلْ هُوَ يَاقُوْتٌ بَيْنَ الْحَجَرِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

ہوشیار محمد بشر ہیں عام بشر کی طرح نہیں، بلکہ وہ اس طرح ہیں جیسے پتھروں کے درمیان یاقوت ہوتا ہے۔

اقول: احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور رسالت میں نہایت ادب و وقار سے سر جھکائے ہوئے آنکھیں نیچی کیے بیٹھتے۔ رعب و جلال سلطانی ان کے قلوب صافیہ پر ایسا مستوی ہوتا کہ اوپر نگاہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔ اسی وجہ سے حلیہ شریف میں اکثر اکابر صحابہ سے حدیثیں وارد نہیں کہ وہ نگاہ بھر کر نہ دیکھ سکتے تھے، بلکہ نظر اوپر نہ اٹھاتے۔ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور دربار اقدس کی حضوری ان کے نزدیک "مَلِكُ السَّمٰوٰتِ

والارض" کا سامنا، جب ملازمت والا حاصل ہوتی، قلب ان کے خوف خدا سے ممتلی اور گردنیں خم اور آنکھیں نیچی اور آوازیں پست اور اعضاء ساکن ہو جاتے۔ ایسی حالت میں نظراین و آں کی طرف کب ہو سکتی ہے جو سایہ کے عدم یا وجود کی طرف خیال جائے اور بالضرور ایسے سراپا ادب، ہمہ تن تعظیم، لوگوں کی نگاہ اپنے بادشاہ عرش پائے گاہ کی طرف بے غرض مہم نہ ہوگی۔ اس حالت میں نفس کو اس حالت کی طرف توجہ ہوگی، مثلاً نظارۂ جمال باکمال یا حضور کا مطالعہ افعال و اعمال، تاکہ خود ان کا اتباع کریں اور غائبین تک روایت پہنچائیں کہ وہ حاملان شریعت تھے اور راویان ملت اور حاضری دربار اقدس سے غرض اعظم ان کی وہی تھی۔ پس جب نگاہ اس رعب وہیبت اور اس ضرورت و حاجت کے ساتھ اٹھی تو عقل گواہ ہے کہ ایسی حالت میں ادھر ادھر دھیان نہیں جائے گا کہ قامت اقدس کا سایہ ہمیں نظر نہ آیا۔

اے عزیز! زیادہ خوض بیکار ہے تو اپنے ہی نفس کی طرف رجوع کر، اگر کسی مقام پر عالم رعب وہیبت میں تیرا گزر ہو۔ وہاں جو کچھ پیش نگاہ آتا ہے۔ اسے بھی اچھی طرح ادراک کامل نہیں کر سکتا۔ نہ امر معدوم کی طرف خیال کیا جاتا ہے کہ مثلاً اگر تجھے کسی والئی ملک سے ایسی ضرورت شدید پیش آئے جس کی فکر تجھے دنیا و مافیہا پر مقدم ہو۔ اور اس کے دربار تک رسائی کر کے اپنا عرض حال کرے، تو تجھے اول تو رعب سلطانی دوسرے اس ضرورت کی طرف قلب کی نگرانی ہر چیز کی طرف توجہ سے مانع ہوں گے پھر اگر تو واپس آئے اور تجھ سے سوال ہو، وہاں دیواروں میں سنگ موسیٰ تھا یا سنگ مرمر اور تخت کے پائے سیمیں تھے یا زریں اور مسند کا رنگ سبز تھا یا سرخ، ہرگز ایک بات کا جواب نہ دے سکے گا۔ بلکہ خود اسی بات کو پوچھا جائے کہ بادشاہ کو سایہ تھا یا نہ تھا تو اگرچہ اس قیاس پر کہ سب آدمیوں کے لیے ظل ہے، ہاں کہہ دے مگر اپنے معائنہ سے جواب نہ دے سکے گا۔ صحابہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو اول روز ملازمت سے تا آخر حیات جو کیفیت رعب وہیبت کی طاری رہی ہماری عقول ناقصہ اس کے مقدار کے ادراک سے ہی عاجز ہیں۔ پھر ان کی نظر اوپر اٹھ سکتی اور چپ و راست دیکھ سکتی کہ سایہ کے عدم یا وجود پر اطلاع ہوتی۔

اقول: غالب اوقات صحابہ کرام کو آگے چلنے کا حکم ہوتا اور حضور ان کے پیچھے چلتے۔ ترمذی نے شمائل کی حدیث طویل میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا "یَسُوْقُ الصَّحَابَةَ" یعنی حضور والا صحابہ کو آگے چلاتے۔

امام احمد نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا:

مَا قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَطَاٗ عُقُبَهٗ رَجُلَانِ۔

حاصل یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ دو آدمی بھی حضور کے پیچھے چلے ہوں۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَمْشُوْنَ اَمَامَهٗ وَیَکُوْنُ ظَهْرُهٗ لِلْمَلٰٓئِکَةِ۔

اصحاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے چلتے اور پشت اقدس فرشتوں کے لیے چھوڑتے۔

دارمی نے باسناد صحیح مرفوعاً روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَلُّوْا ظَهْرِیْ لِلْمَلٰٓئِکَةِ۔

میری پیٹھ فرشتوں کے لیے چھوڑ دو۔

بالجملہ! ہماری اس تقریر سے جو بالکل وجدانیت پر مشتمل ہے کوئی شخص اگر مکابرہ نہ کرے تو بالیقین اس کا دل ان سب کیفیات کے صدق پر گواہی دے۔ بخوبی ثابت ہو گیا کہ ظاہراً اکثر صحابہ کرام کا خیال اس طرف نہ گیا اور اس معجزہ کی انہیں اطلاع

نہ ہوئی۔ اور اگر بر سبیل تنزل ثابت و مبرہن ہو جانا نہ مانئے تو ان تقریروں کی بناء پر تو کہہ سکتے ہیں کہ عدم اطلاق کا احتمال قوی ہے۔ قوت بھی جانے دو' اتنا ہی سہی کہ شک واقع ہو گیا۔ پھر بھی استدلال منکر کہ اگر ایسا ہو تا تو مثل حدیث ستون حنانہ مشہور و مستفیض ہو تا کب باقی رہا۔ خصم کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے عدم شہرت بہ سبب عدم اطلاع کے ہو۔

مقدمہ ثالثہ

ہماری تنقیح و تحقیق سابق سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل کسی کو اس معجزہ پر اطلاع نہ ہو اور کوئی اسے روایت نہ کرے صغیر السن بچوں کو بعض اوقات اس قسم کی جرائتیں حاصل ہوتی ہیں کہ وہ اسی طریقہ سے جو ذکر کیا گیا ہے ادراک کر سکتے ہیں۔ اسی سبب سے اکثر احادیث حلیہ شریفہ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشتہر ہوئیں نہ اکابر صحابہ سے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض کے اندر ترجمہ ابن ابی ہالہ میں فرماتے ہیں:

وَكَانَ رَبِيبُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَا الْفَاطِمَةَ وَخَالَ الْحَسَنَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ فَكَانَ لِصِغْرِهٖ يَسَعُ مِنَ النَّظْرِ لِوَجْهِهٖ لِكَوْنِهٖ عِنْدَهٗ دَاخِلُ بَيْتِهٖ فَلِذَا اَشْهَرَ وَصْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ دُوْنَ غَيْرِهٖ مِنْ كِبَارِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَاِنَّهُمْ لِكِبْرِهِمْ كَانُوْا يَهَابُرْنَ اِطَالَةَ النَّظْرِ اِلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَحَاطَ بِهٖ نَظْرُ اِحَاطَةِ الْهَالَةِ بِالْقَمَرِ وَالْاِكْمَامِ بِالثَّمَرِ۔

اور حضور کے سوتیلے صاحبزادے اور حضرت فاطمہ کے بھائی اور حضرت حسنین کے ماموں صغیر سنی کی وجہ سے حضور کو جی بھر کر نگاہ جما کر دیکھتے' چونکہ وہ حضور کے خانہ مبارک میں داخل ہوا کرتے تھے تو اسی وجہ سے حضور کے اوصاف انہیں کے ذریعہ مشتہر ہوئے' نہ ان کے علاوہ علاج بڑے بڑے صحابہ کبار سے اس لیے کہ وہ لوگ کبر سنی کی وجہ سے حضور کے روئے انور پر تا بدیر نگاہیں جمانے سے مرعوب ہو جاتے تھے تو ان کی نگاہ نے حضور کے روئے انور کا احاطہ چاند کے ہالے اور پھل کے غلاف کی طرح سے کیا۔ مبارکبادی ہے اس کو جو کچھ کہہ دیا۔

مقدمہ رابعہ

صحابہ کرام میں ہزاروں ایسے ہیں جنہیں طول صحبت نصیب نہ ہوا اور بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے سوائے مجامع عظیم کے شرف زیارت نہ پایا۔ غیر مدینہ کے گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور عرصہ قلیلہ میں واپس جاتے' ایسی صورت اور مجمع کی کثرت میں موقع سایہ پر نظر اور اس کے ساتھ عدم سایہ کی طرف خیال جانا کیا ضرور۔ ظاہر ہے کہ مجمع میں سایہ ایک کا دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتا اور کسی شخص خاص کی نسبت امتیاز کرنا اس کے لیے ظل ہے یا نہیں' دشوار ہوتا ہے۔۔۔

از : سید محمد حسینی مصباحی سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ رائچور (کرناٹک)
چیف ایڈیٹر ماہنامہ "سنی آواز" دارالعلوم امجدیہ (ناگپور)

نام مصطفےٰ پر انگوٹھوں کا بوسہ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنے کو فرقہ وہابیہ کا عام طبقہ ناجائز و حرام و بدعت سمجھتا ہے۔ انگوٹھوں کے چومنے پر جب حدیث شریف پیش کی جائے تو وہ فوراً کہہ دے گا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ صحیح نہیں ہے کہہ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ غلط ہے۔ یہ فرقہ صحیح غلط کے مقابل بولتا ہے۔۔۔

وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں، تبلیغی جماعت والوں کے پاس ہر وہ چیز جس سے کہ فضائل انبیاء و اولیاء اور معمولات اہل سنت کا ثبوت ملے، اس کا رد و انکار کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ یہ کسی بھی حدیث پاک کو "صحیح نہیں ہے" کہہ کر عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ غلط ہے۔

ان کے بہکانے کی وجہ سے عوام نے بھی یہی سمجھ لیا ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

"محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ غلط و باطل ہے، بلکہ ان کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت اور دشوار اور موانع و عوائق کثیر و بسیار، حدیث میں ان سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے۔ پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے، ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرما دیتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح نہیں یعنی اس درجے کو نہ پہنچی اس سے دوسرے درجے کی حدیث کو حسن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں، پھر اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی، ورنہ حسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبہ سے جھکا ہوتا ہے اس قسم کی بھی سینکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد و احتجاج کی پوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اسے صحیح نہیں کہتے۔ برابر اس پر اعتماد فرماتے ہیں اور احکام حلال و حرام کی حجت بتاتے ہیں"۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲، ص ۲۸۶)

ہر علم و فن میں کچھ اصطلاحیں ہوتی ہیں جس علم کی بات کی جاتی ہے۔ اسی علم کی روشنی میں اس کی اصلاح کا معنی مراد لیا جائے گا۔ علم صرف کہ مبتدی طالب علم جانتا ہے کہ اصطلاح صرف میں صحیح ہفت اقسام کی قسموں سے ایک قسم ہے۔ اگر کسی علم صرف کے پڑھنے والے طالب علم نے عربی کے کسی کلمے کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے تو شاید وہابی دیوبندی جیسا احمق

دشمن دین یہی سمجھے گا کہ یہ کلمہ صحیح نہیں ہے تو غلط ہو گا۔ اس احمق سے وہ طالب علم کہے گا کہ ہفت اقسام میں سے ایک قسم صحیح ہے۔ اس میں اس کی نفی ہے نہ کہ کلمہ غلط ہونے پر دلالت کر رہا ہے' اگر یہ کلمے صحیح نہیں ہے تو ہفت اقسام میں سے 'مثال' یا مضاعف' یا لفیف' یا ناقص' یا مہموز یا اجوف میں سے کوئی ایک ہو گا۔ اصطلاح صرف میں صحیح کہا گیا تو اس کا معنی و مفہوم اسی زبان میں مراد لیا جائے گا۔ اسی طرح حدیث کی اصطلاح میں صحیح ایک اعلیٰ قسم کی اصطلاح ہے' اگر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے تو حدیث کی اصطلاح میں کسی دوسری قسم کی حدیث مراد لی جائے گی نہ کہ اس حدیث کا "غلط ہے" کہہ کر انکار کیا جائے گا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

"دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ ان کے لیے اتنی قوت درکار نہیں' پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیے۔ (احکام بیان کرنے کے لیے) جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے' تیسرا درجہ فضائل کا ہے۔ یہاں باتفاق علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ' جلد ۲)

وہابی' دیوبندی مودودی وغیرہ گمراہ و بدمذہب جس حدیث سے فضائل کا ثبوت ہو یا معمولات اہل سنت کا حق ہونا ثابت ہو اس حدیث کا صحیح نہیں ہے کہہ کر انکار کر دے گا یا مرے دل سے اقرار کرے گا تو کہہ دے گا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ضعیف ہے کہہ کر عوام کو یہ تاثر دیتا ہے کہ یہ قابل اسناد نہیں' بلکہ غلط ہے۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ احادیث ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ ان قسموں کے اعتبار سے مسائل کا اخراج و ثبوت ہوتا ہے۔ حدیث کا من حیث الحدیث ہونے میں کوئی کلام نہیں' اختلاف رواۃ کی وجہ سے قسمیں ہوتی ہیں' حدیث ہونے سے بھلا کون انکار کرے گا۔ مسائل کے اخراج میں یقیناً تواتر اور اس کے ہم پلہ احادیث کو ہی ترجیح دی جائے گی اور یہی فقہاء کرام کا بھی اصول ہے۔ جہاں فضائل کا بیان ہو گا حدیث ضعیف پر بھی عمل کیا جائے گا جیسا کہ مذکورہ بالا حوالہ میں اعلیٰ حضرت نے ذکر فرمایا۔

نام پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنا فضائل میں داخل ہے۔ اس پر عمل باعث اجر و ثواب ہو گا' فضائل میں سے کسی امر کا ثبوت اگرچہ ضعیف حدیث سے ہو اور اس پر اجماع ہو یقیناً یہ حجت شرعیہ میں سے ایک حجت ہے۔ علماء نے ضعیف حدیث کو فضائل میں معتبر و مستند مانا ہے۔ سیرو فضائل میں آپ دیکھیں گے کہ ان کی بنیاد ہی ضعیف احادیث ہیں۔ چونکہ یہ احادیث ضعیف ہیں اس لیے ان کو نظرانداز کر دیا جائے تو سیرو مناقب و فضائل کے بہت سارے باب ادھورے رہ جائیں گے۔ وہابیہ' دیوبندیہ کا یہ دستور رہا ہے کہ انبیاء و اولیاء کے فضائل و مناقب کا جہاں جہاں سے ثبوت ملتا ہے۔ اس پر جرح و قدح کر کے عوام کے سامنے اس درجے پر لا کر رکھ دیں کہ لوگ حدیث ضعیف کا نام سنتے ہی بے وقعت سمجھیں اور اس کی اہمیت کو نظرانداز کر دیں۔ وہابیہ شاتمان رسول اور ان کے ہمنواؤں کو آگاہ ہونا چاہیے۔ طریق رواۃ کے اعتبار سے احادیث کی جو قسمیں کہلائیں ان میں ایک قسم ضعیف ہے۔ حدیث ضعیف پر عمل میں بھی ثواب ہے۔ چنانچہ امام اجل حضرت ابو طالب محمد بن علی مکی قدس سرہ قوۃ القلوب فی معاملۃ المحبوب میں فرماتے ہیں:

فِیْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ وَتَفْضِیْلِ الْاَصْحَابِ مُتَقَبَّلَةٌ مُتَحَمَّلَةٌ عَلٰی کُلِّ حَالٍ مَقَاطِیْعُهَا وَ مَرَاسِیْلُهَا لَا تُعَارَضُ وَلَا تُرَدُّ کَذٰلِكَ کَانَ السَّلَفُ یَفْعَلُوْنَ۔

یعنی فضائل اعمال و تفصیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں۔ مقطوع ہوں خواہ مرسل' نہ ان کی مخالفت کی جائے نہ انہیں رد کریں۔ ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

(بحوالہ فتاویٰ رضویہ' جلد ۲' ص ۴۰۷)

نام پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنا اگرچہ حدیث ضعیف سے ثابت ہے چونکہ یہ فضائل کے باب میں ہے' یقیناً معتبر ہے اور جو چیز حدیث ضعیف سے ثابت ہو اس کی مخالفت نہ کی جائے گی' یہی سواد اعظم امت کا اصول ہے۔ اس کے برعکس وہابی' دیوبندی' مودودی' غیر مقلد (اہل حدیث) کو چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عناد و دشمنی ہے' وہ نہیں چاہے گا کہ انبیاء و اولیاء کی فضیلت ثابت ہو۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں' بلکہ اگر ضعف غایت شدت قوت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث' درجہ حسن تک پہنچتی ہے اور مثل صحیح خود احکام حلال و حرام میں حجت ہو جاتی ہے"۔ (بحوالہ فتاویٰ رضویہ' جلد ۲' ص ۴۰۳)

اکابر علماء و جمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو بھی کثرت طرق کی وجہ سے حجت مانا ہے۔ وہ مثل حدیث کے دلیل بن جاتی ہے۔ مرقات میں ہے:

تَعَدُّدُ الطُّرُقِ يَبْلُغُ الْحَدِيْثَ الضَّعِيْفَ اِلٰى حَدِّ الْحَسَنِ۔

یعنی متعدد روایتوں سے آنا حدیث ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ' جلد ۲' ص ۴۰۳)

حدیث ضعیف کو فضائل میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعہ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

قَدِ احْتَجَّ جُمْهُوْرُ الْمُحَدِّثِيْنَ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ اِذَا كَثُرَتْ طُرُقُهٗ وَاَلْحَقُوْهُ بِالصَّحِيْحِ تَارَةً يُوْجَدُ كَثِيْرٌ فِى الْكِتَابِ السُّنَنِ الْكُبْرٰى لِلْبَيْهَقِيِّ الَّتِىْ اَلَّفَهَا بِقَصْدِ الْاِحْتِجَاجِ لِاَقْوَالِ الْاَئِمَّةِ وَاَفْعَالِ اَصْحَابِهِمْ۔

بے شک جمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو کثرت طرق سے حجت مانا اور اسے کبھی صحیح اور کبھی حسن سے ملحق کیا۔ اس قسم کی ضعیف حدیث میں امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں بکثرت پائی جاتی ہیں جسے انہوں نے مجتہدین و اصحاب ائمہ کے مذاہب پر دلائل بیان کرنے کی غرض سے تالیف فرمایا۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں دربارۂ حدیث فرماتے ہیں: "تَوَسَّعُوا الْعِيَالَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ امام بیہقی سے ناقل هٰذَا الْاَسَانِيْدُ وَاِنْ كَانَتْ ضَعِيْفَةً لٰكِنَّهَا اِذَا ضَمَّ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ اَحْدَثَ قُوَّةً--- یہ سندیں اگرچہ سب ضعیف ہیں مگر آپس میں مل کر قوت پیدا کریں گی' امام جلیل جلال الدین سیوطی تعقبات میں فرماتے ہیں۔ "اَلْمَتْرُوْكُ وَالْمُنْكَرُ اِذَا تَعَدَّدَ طُرُقُهٗ اِرْتَقٰى اِلٰى دَرَجَةِ الضَّعِيْفِ الْغَرِيْبِ بَلْ رُبَّمَا اِرْتَقٰى اِلَى الْحَسَنِ"۔ یعنی متروک یا منکر سخت قوی الضعیف ہیں' یہ بھی تعدد طرق سے ضعیف غریب' بلکہ حسن کے درجے تک ترقی کرتی ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ' ج ۲' ص ۴۰۳' ۴۰۴)

سواد اعظم امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نام پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنا اگرچہ ضعیف حدیث سے ثابت ہے' لیکن اس کے راویوں نے اس کو مختلف طرق سے روایت کیا اور اس پر ائمہ و مجتہدین و فقہا و محدثین و اکابرین علماء امت کا اس کے جائز و مستحسن ہونے پر اتفاق قوی دلیل ہے۔ جواز کے لیے صرف اجماع امت ہی کافی تھا اور اس پر حدیث ضعیف کے مختلف طرق سے روایت نے اس کے جائز ہونے کو اور بھی مضبوط کر دیا۔ اس کے رد و منع میں کوئی حدیث وارد نہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل چاہیے۔

حضور اکرم' نور مجسم' شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک پر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا یہ

فعل مستحسن شروع دور اسلام سے رائج ہے۔ اس پر ہر دور میں عمل رہا ہے۔ اس کے ناجائز و حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ اس کے برخلاف جائز و مستحسن ہونے پر دلائل کثیرہ وارد ہیں۔ اگر کسی امر کے جائز ہونے پر کوئی دلیل نہ بھی ہو تو اس کے منع و حرام ہونے پر کسی دلیل شرعی کا نہ ہونا خود جواز کے لیے کافی ہے اور کوئی کسی جائز فعل کو ناجائز بتائے۔ ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ جائز سمجھنے والوں کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں' مگر نام پاک رسالت پر انگوٹھوں کو چومنے کے جواز میں احادیث و اقوال فقہ و ارشادات علماء سلف صالحین کا عمل قدیم موجود ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر و ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا امام حسن اور حضرت نقیب اولیاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا ابو العباس خضر علی الحبیب والکریم و علیہم جمیعا الصلاۃ والسلام وغیرہم اکابر دین سے حدیثیں روایت فرمائیں' جس کی قدرے تفصیل امام علامہ شمس الدین بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب مستطاب مقاصد حسنہ میں ذکر فرمائی اور جامع رموز شرح نقایہ مختصر الوقایہ و فتاویٰ صوفیہ و کنز العباد و رد المحتار حاشیہ در مختار وغیرہا کتب فقہ میں اس فعل کے استحباب و استحسان کی صاف تصریح آئی"۔ (فتاویٰ رضویہ' ج ۲' ص ۲۸۲)

مذکورہ بالا ارشاد اعلیٰ حضرت سے ثابت ہوا کہ نام پاک رسالت کو سن کر انگوٹھوں کو چومنا خاص طور پر حضرت سیدنا صدیق اکبر اور ریحانہ رسول حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل رہا ہے اور خلفاء راشدین اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول پر عمل کرنا امت کے لیے محمود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت' اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال مبارکہ کے حجت شرعیہ ہونے پر ارشاد فرماتے ہیں۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن اور دوسری چیز میرے اہل بیت' یعنی اگر تم نے ان دونوں بھاری چیزوں پر تمسک کیا کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ امت میں کیسے کیسے فقہاء و علماء و اولیاء کا اس پر عمل رہا ہے۔ مذکورہ بالا حوالوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا' حضور سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس پر منیر العینین نامی دلائل و براہین سے جکڑا ہوا رسالہ تصنیف فرما کر امت پر احسان فرمایا۔ اس سے چند دلائل نقل کیے جاتے ہیں:

مَسْحُ الْعَیْنَیْنِ بِبَاطِنِ اُنْمُلَتَیِ السَّبَّابَتَیْنِ بَعْدَ تَقْبِیْلِهِمَا عِنْدَ سِمَاعِ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَعَ قَوْلِهٖ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا ذَكَرَهُ الدَّیْلَمِیُّ فِیْ مُسْنَدِ الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ بَكْرِ نِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ هٰذَا وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْاَنْمُلَتَیْنِ السَّبَّابَتَیْنِ وَمَسَحَ عَیْنَیْهِ فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ

یعنی موذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سن کر انگشتان شہادت کے پورے جانب باطن سے چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا پڑھنا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا۔ اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ جب اس جناب نے موذن کو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے سنا یہ دعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں سے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے' اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ایسا

مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ عَلَیْہِ شَفَاعَتِیْ۔ کرے جیسا کہ میرے پیارے نے کیا' اس پر میری شفاعت حلال ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فعل مستحسن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ بجائے منع فرمانے کے حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو ایسا کرے گا اس پر میری شفاعت واجب ہو جائے گی' اس سے بڑھ کر کون سا ثبوت چاہیے۔ ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

ایسے ہی وہ حدیث کہ حضرت ابو العباس احمد ابی بکر رادیمنی صوفی نے اپنی کتاب موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ میں ایسی مسند سے جس میں مجاہل ہیں اور منقطع بھی ہے۔ حضرت سیدنا خضر علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کی کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص موذن سے "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" سن کر مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہے' پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں نہ دکھیں"۔

پھر فرمایا: فقیہ بن البابا بھائی سے روایت کی کہ وہ اپنا حال بیان کرتے تھے۔ ایک بار ہوا چلی' ایک کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی' نکالتے تھک گئے ہرگز نہ نکلی اور نہایت سخت درد پہنچا۔ انہوں نے موذن کو اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے ہوئے یہی کیا' فوراً نکل گئی۔ راد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اتنی بات کیا چیز ہے۔

پھر فرمایا (ترجمہ) شمس الدین محمد بن صالح مدنی مدینہ کے امام وخطیب نے اپنی تاریخ میں مجد مصری سے کہ انہیں فرماتے سنا جو شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سن کر کلمہ کی انگلی اور انگوٹھا ملائے اور انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے' اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔ پھر فرمایا: ابن صالح فرماتے ہیں' میں نے یہ امر فقیہ محمد بن زرندی سے بھی سنا کہ بعض مشائخ عراق یا عجم سے راوی تھے اور ان کی روایت میں یوں ہے کہ آنکھوں میں کرتے وقت یہ ورد عرض کرے: صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَاحَبِیْبَ قَلْبِیْ وَیَانُوْرَ بَصَرِیْ وَیَاقُرَّۃَ عَیْنِیْ اور صاحبوں یعنی شیخ مجد و فقیہ محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ جب سے ہم نے یہ عمل ان دونوں صاحبوں سے سنا' اپنے عمل میں رکھا آج تک میری آنکھیں نہ دکھیں اور امید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور کبھی اندھا نہ ہوں گا۔۔۔ (فتاویٰ رضویہ' جلد ۲' ۳۸۲ تا ۳۸۴)

سلف صالحین اور اکابر اولیاء وائمہ وفقہاء سے زیادہ دین کی نزاکتوں کو کون سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟ انہیں سلف صالحین وائمہ واولیاء وعلماء وفقہاء کا وجود اور ان کا عمل خود اسلام تھا۔ حرام وناجائز وبدعت کی تعریف ان سے زیادہ کون جاننے والا ہو سکتا ہے۔

وہابیہ' دیوبندیہ کا نام پاک رسالت سن کر انگوٹھوں کے چومنے کو بریلوی بدعت کہہ کر اس کی تحقیر کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ اس جائز ومستحسن امر کو اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے رائج نہیں فرمایا اور نہ اس کے موجد اعلیٰ حضرت ہیں۔ سب سے پہلے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے انگوٹھوں کو چوما اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر آپ کو دعائیں دیں۔ اس کے بعد تابعین' تبع تابعین ائمہ ودین واولیاء سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو جائز ومستحسن جانا اور اس پر عمل کیا۔ اکابر امت میں کیسے کیسے جلیل القدر ائمہ وفقہاء نے اس پر عمل کیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

"امام مدنی فرماتے ہیں فقیہ محمد بن سعید خولانی سے مروی کہ انہوں نے فرمایا: کہ جو شخص موذن کو اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے سن کر یہ دعا پڑھے: مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّۃَ عَیْنِیْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے، نہ کبھی اندھا ہو نہ آنکھیں دکھیں"۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲، ص ۳۸۵)

"طاوسی فرماتے ہیں کہ انہوں نے خواجہ شمس الدین محمد بن ابی بصر بخاری سے یہ حدیث سنی کہ جو شخص موذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں سے ملے اور یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَیَّ وَنَوِّرْهُمَا بِبَرَكَةِ حَدَقَتَیْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَوِّرْهُمَا اندھا نہ ہو۔ شرح نقایہ میں ہے: وَاعْلَمْ اَنَّهٗ یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ سِمَاعِ الْاُوْلٰی مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِیَةِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَ الثَّانِیَةِ مِنْهَا قُرَّةُ عَیْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ یُقَالُ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ فَاِنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَكُوْنُ لَهٗ قَائِدًا اِلَی الْجَنَّةِ كَذَا فِیْ كَنْزِ الْعِبَادِ۔ یعنی خبردار ہو بے شک مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنے اور صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کہے اور دوسری بار قُرَّةُ عَیْنِیْ بِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ پھر انگوٹھوں پر رکھ کر کہے "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے جنت میں لے جائیں گے ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی اسے نقل کر کے فرماتے ہیں: "وَنَحْوِهٖ فِی الْفَتَاوَی الصُّوْفِیَةِ" یعنی اسی طرح امام علامہ یوسف بن عمر صاحب جامع المضمرات شرح قدوری قدس سرہما نے فتاویٰ رضویہ میں فرمایا۔ شیخ مشائخنا خاتم المحققین سید العلماء الحنفیہ بہ مکہ المحیہ مولانا جمال بن عبداللہ عمر مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ اذان میں حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا آنکھوں پر رکھنا جائز، بلکہ مستحب ہے۔ ہمارے مشائخ مذہب نے متعدد کتابوں میں اس کے جائز بلکہ مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔ (فتاویٰ رضویہ، ص ۳۵۸ تا ۳۸۶)

مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، فقہاء و محدثین، اولیاء و علماء امت کا اس کے جائز و مستحسن و باعث اجر و ثواب ہونے پر اتفاق ہے۔ اہل سنت اسی پر عمل پیرا ہیں۔ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔۔۔

از : مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمۃ

انگوٹھوں کا بوسہ

نام مصطفیٰ پر انگشتان شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز اور بابرکت ہے

حضور پرنور شفیع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سننے کے وقت انگوٹھے یا انگشتان شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز و مستحب اور بہت ہی باعث رحمت و برکت ہے۔ اس کے جواز پر دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ اور م[illegible] کوئی دلیل موجود نہیں۔ چند دلائل ہدیہ ناظرین ہیں:

(۱) علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں:

وَفِیْ قَصَصِ الْاَنْبِیَآءِ وَغَیْرِهَا اِنَّ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِشْتَاقَ اِلٰی لِقَاءِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ کَانَ فِی الْجَنَّةِ فَاَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ هُوَ مِنْ صُلْبِکَ وَیَظْهَرُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَسَاَلَ لِقَاءَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ کَانَ فِی الْجَنَّةِ فَاَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ فَجَعَلَ اللّٰهُ النُّوْرَ الْمُحَمَّدِیَّ فِیْ اِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ مِنْ یَدِهِ الْیُمْنٰی فَسَبَّحَ ذٰلِکَ النُّوْرُ فَلِذٰلِکَ سُمِّیَتْ تِلْکَ الْاِصْبَعُ مُسَبِّحَةً کَمَا فِی الرَّوْضِ الْفَائِقِ اَوْاَظْهَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی جَمَالَ حَبِیْبِهٖ فِیْ صَفَاءِ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ مِثْلَ الْمِرْاٰةِ فَقَبَّلَ اٰدَمُ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ وَمَسَحَ عَلٰی عَیْنَیْهِ فَصَارَ اَصْلًا لِذُرِّیَّتِهٖ فَلَمَّا اَخْبَرَ

قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمہارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم نے آپ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چمکایا' تو اس نور نے اللہ کی تسبیح پڑھی' اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا جیسا کہ روض الفائق میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے جمال محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت آدم کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ ظاہر فرمایا تو حضرت آدم نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا۔ پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔ پھر جب جبریل امین نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: جو شخص اذان میں

جِبْرِیْلَ النَّبِیَّ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ فَقَبَّلَ ظَفَرَیْ اِبْھَامَیْہِ وَمَسَحَ عَلٰی عَیْنَیْہِ لَمْ یَعْمِ اَبَدًا۔ میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے' وہ کبھی اندھا نہ ہو گا۔

(روح البیان' ص ۲۲۹' ۴)

(۲) اسی تفسیر میں روح البیان میں ہے کہ

در محیط آوردہ کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ مسجد در آمد و نزدیک ستون بہ نشست وصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ در برابر آنحضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ برخاست وباذان اشتغال فرمود' چوں گفت اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہردو ناخن ابہامین خود را ہردو چشم خود نہادہ' گفت قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ چوں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ یا ابابکر ہر کہ بکند چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہان جدید وقدیم اورا اگر عمد بودہ باشد اگر بخطاء۔

ترجمہ: محیط میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے برابر بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر اذان دینا شروع کی۔ جب انہوں نے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھا اور کہا قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ جب حضرت بلال اذان دے چکے' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابابکر! جو شخص ایسا کرے جیسا کہ تم نے کیا ہے خدا تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

(۳) حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجتہ در قوت القلوب روایت کردہ از ابن عیینہ رحمتہ اللہ علیہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام بہ مسجد در آمد در دہہ محرم وبعد ازانکہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گرفت وابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہ ظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد و گفت قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وچوں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمودہ کہ ای ابابکر ہر کہ بگوید آنچہ تو گفتی از روئے شوق بلقائے من وبکند آنچہ تو کردی خدائے در گذارد گناہان ویرا انچہ باشد نود کہنہ خطا وعمد ونہاں وآشکارا۔

(تفسیر روح البیان ص ۶۴۸' ۴)

ترجمہ: اور حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ اپنی کتاب قوت القلوب میں ابن عیینہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے محرم کی دسویں تاریخ کو مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان میں حضور کا نام سن کر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا اور کہا قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان سے فارغ ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا' اے ابوبکر! جو شخص تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے' خدا تبارک وتعالیٰ اس کے تمام نئے وپرانے' ظاہر وباطن گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔

(۴) علامہ امام شمس الدین سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ دیلمی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

ترجمہ: جب مؤذن کو اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے سنا تو یہی کہا اور اپنی انگشتان شہادت کے پورے جانب

زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے اس پیارے دوست کی طرح کرے گا میری شفاعت اس کے لیے حلال ہو گئی۔ (المقاصد الحسنہ فی الاحادیث الدائرۃ علی السنہ)

(۵) یہی امام سخاوی حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی کی کتاب "موجبات الرحمہ و عزائم المغفرۃ" سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ (المقاصد الحسنہ)

ترجمہ: جو شخص موذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سن کر کہے: مَرْحَبًا بِحَبِيْبِىْ وَقُرَّةُ عَيْنِىْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے' اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

(۶) یہی امام سخاوی فقیہ محمد بن سعید خولانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِىْ وَقُرَّةُ عَيْنِىْ مُحَمَّدُ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمِ وَلَمْ يَرْمُدْ۔ (المقاصد الحسنہ)

جو شخص موذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سن کر کہے مَرْحَبًا بِحَبِيْبِىْ وَقُرَّةُ عَيْنِىْ مُحَمَّدُ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے' وہ کبھی اندھا نہ ہو گا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی دکھیں گی۔

(۷) یہی امام سخاوی' شمس الدین امام محمد بن صالح مدنی کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا' میں نے حضرت مجد مصری کو جو کاملین صالحین میں سے تھے' فرماتے سنا کہ:

مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ ذِكْرَهٗ فِى الْاَذَانِ وَجَمَعَ اِصْبَعَيْهِ الْمُسَبِّحَةَ وَالْاِبْهَامَ وَقَبَّلَهُمَا وَمَسَحَ بِهِمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُدْ اَبَدًا۔

جو شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سن کر درود بھیجے اور کلمہ کی انگلیاں اور انگوٹھے ملا کر ان کو بوسہ دے اور آنکھوں پر پھیرے' اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

(المقاصد الحسنہ)

(۸) یہی امام سخاوی' انہی امام محمد صالح کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا' عراق کے بہت سے مشائخ سے مروی ہوا ہے کہ جب انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرے' تو یہ درود شریف پڑھے: "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يَاحَبِيْبَ قَلْبِىْ وَيَانُوْرَ بَصَرِىْ وَيَاقُرَّةَ عَيْنِىْ" انشاء اللہ کبھی آنکھیں نہ دکھیں گی اور یہ مجرب ہے۔ اس کے بعد امام مذکور فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ یہ مبارک عمل کرتا ہوں' آج تک میری آنکھیں نہ دکھی ہیں اور انشاء اللہ نہ دکھیں گی۔ (المقاصد الحسنہ)

(۹) یہی امام سخاوی و امام طاؤسی نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ حدیث سے یہ حدیث مبارک سنی' فرمایا:

مَنْ قَبَّلَ عِنْدَ سَمَاعِهٖ مِنَ الْمُؤَذِّنِ كَلِمَةَ الشَّهَادَةِ ظُفْرَىْ اِبْهَامَيْهِ وَمَسَحَهُمَا عَلٰى

جو شخص موذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر پھیرے اور یہ پڑھے "اَحْفَظْ

عَیْنَیْہِ وَ قَالَ عِنْدَ الْمَسِّ اَللّٰھُمَّ احْفِظْ حَدَقَتَیَّ وَ نَوِّرْھُمَا بِبَرَکَۃِ حَدَقَتَیْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَوِّرْھُمَا لَمْ یَعْمِ۔ (المقاصد الحسنہ)

حَدَقَتَیَّ وَ نَوِّرْھُمَا بِبَرَکَۃِ حَدَقَتَیْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ نَوِّرْھُمَا" وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(۱۰) شرح نقایہ میں ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّہٗ یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالُ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰی مِنَ الشَّھَادَۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الثَّانِیَۃِ مِنْھَا قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ثُمَّ یُقَالُ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَیِ الْاِبْھَامَیْنِ عَلَی الْعَیْنَیْنِ فَاِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ لَہٗ قَائِدًا اِلَی الْجَنَّۃِ۔

جان لو کہ بے شک اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہنا مستحب ہے۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن (چوم) کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے "اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

(۱۱) علامہ شامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ردالمحتار شرح درمختار میں یہی عبارت لکھ کر فرماتے ہیں:

کَذَا فِیْ کَنْزِ الْعِبَادِ قُھُسْتَانِیْ وَنَحْوُہٗ فِی الْفَتَاوَی الصُّوْفِیَۃِ وَفِیْ کِتَابِ الْفِرْدَوْسِ مَنْ قَبَّلَ ظُفْرَیْ اِبْھَامَیْہِ عِنْدَ سِمَاعِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ فِی الْاَذَانِ اَنَا قَائِدُہٗ وَمُدْخِلُہٗ فِیْ صُفُوْفِ الْجَنَّۃِ وَتَمَامُہٗ فِیْ حَوَاشِی الْحَجْرِ لِلرَّمْلِیْ۔

(ردالمحتار شرح درمختار، ص۲۷۰)

ایسا ہی کنز العباد امام قہستانی میں اور اسی کی مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے (اس کے متعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ) میں اس کا قائد بنوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث بحرالرائق میں حواشی رملی میں ہے۔

(۱۲) رئیس الفقہاء الحنفیہ علامہ طحطاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مراقی الفلاح میں یہی عبارت اور دیلمی کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی مرفوع حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

وَکَذَا رُوِیَ عَنِ الْخِضَرِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَبِمِثْلِہٖ یُعْمَلُ فِی الْفَضَائِلِ۔

اور اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام سے بھی روایت کیا گیا ہے اور فضائل اعمال میں ان احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۱۳) علامہ امام قہستانی شرح الکبیر میں کنز العباد سے نقل فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّہٗ یُسْتَحَبُّ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰی مِنَ الشَّھَادَۃِ الثَّانِیَۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعِنْدَ سَمَاعِ الثَّانِیَۃِ قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ثُمَّ یُقَالُ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفُرِ الْاِبْھَامَیْنِ

جان لو بلاشبہ! اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اور دوسری شہادت کے سننے پر قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہنا مستحب ہے۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن (چوم کر) اپنی آنکھوں پر رکھے، اور کہے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ

عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ قَائِدًا لَّهُ إِلَى الْجَنَّةِ۔

والبصر، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

(تفسیر روح البیان، ص ۶۴۸)

(۱۴) شافعی مذہب کی مشہور کتاب "اِعَانَةُ الطَّالِبِيْنَ عَلٰى حَلِّ الْفَاظِ فَتْحِ الْمُعِيْنِ" کے ص ۲۴۷ اور مالکی مذہب کی مشہور کتاب

(۱۵) "كِفَايَةُ الطَّالِبِ الرَّبَّانِيْ لِرِسَالَةِ ابْنِ اَبِيْ زَيْدِ الْقَيْرَوَانِيْ" کے ص ۱۶۹ پر ہے کہ جب اذان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سنے تو درود شریف پڑھے۔

ثُمَّ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ اَبَدًا۔

پھر انگوٹھے چومے اور ان کو آنکھوں پر رکھے تو نہ کبھی اندھا ہو گا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔

(۱۶) شیخ المشائخ، رئیس المنافقین، سید العلماء الحنفیہ بمکہ المکرمہ مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

سُئِلْتُ عَنْ تَقْبِيْلِ الْاِبْهَامَيْنِ وَضْعِهِمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اسْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْاَذَانِ هَلْ هُوَ جَائِزٌ اَمْ لَا اَجَبْتُ بِمَا نَصُّهٗ نَعَمْ تَقْبِيْلُ الْاِبْهَامَيْنِ وَضْعُهُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اسْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْاَذَانِ جَائِزٌ بَلْ هُوَ مُسْتَحَبٌّ صَرَّحَ بِهٖ مَشَائِخُنَا۔

مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ذکر کے وقت انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں! اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز، بلکہ مستحب ہے۔ ہمارے مشائخ مذہب نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

(منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین، ص ۱۴)

(۱۷) الشیخ العالم المفسر العلامہ نور الدین الخراسانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک اذان میں سن کر انگوٹھے چوما کرتا تھا، پھر چھوڑ دیا تو میری آنکھیں بیمار ہو گئیں۔

فَرَاَيْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَ تَرَكْتَ مَسْحَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْاَذَانِ اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَبْرَاَ عَيْنَاكَ فَعُدْ اِلَى الْمَسْحِ فَاسْتَيْقَظْتُ وَمَسَحْتُ فَبَرِئْتُ وَلَمْ يُعَاوِدْنِيْ مَرَضُهُمَا اِلَى الْاٰنِ۔

تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا: تو نے اذان کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیا؟ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری آنکھیں درست ہو جائیں تو وہ عمل پھر شروع کر دے، پس میں بیدار ہوا اور یہ عمل شروع کر دیا تو میری آنکھیں درست ہو گئیں اور اب تک وہ مرض نہیں لوٹا۔

(نہج السلامہ فی تقبیل الابہامین فی الاقامہ، ص ۴)

(۱۸) حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا، جس نے دو سو برس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزارے۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کو مزبلہ (جہاں نجاست وغیرہ ڈالی جاتی ہے) پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اس کو وہاں سے اٹھاؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے پروردگار بنی

اسرائیل اس کے نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا یہ ٹھیک ہے۔

اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ کُلَّمَا نَشَرَ التَّوْرَاۃَ وَنَظَرَ اِلٰی اِسْمِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبَّلَہٗ وَوَضَعَہٗ عَلٰی عَیْنَیْہِ وَصَلّٰی عَلَیْہِ فَشَکَرْتُ ذَالِکَ لَہٗ وَغَفَرْتُ ذُنُوْبَہٗ وَزَوَّجْتُہٗ سَبْعِیْنَ حُوْرًا۔

(حلیتہ الاولیا' ابونعیم' ص ۴۲' وسیرت حلبیہ' ص ۸۵)

مگر اس کی عادت تھی کہ جب وہ توراۃ کھولتا اور (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کو دیکھتا تو اس نام کو دیکھ کر آنکھوں سے لگالیتا اور درود بھیجتا۔ پس میں نے اس کا یہ حق مانا اور اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دیں۔

(۱۹) سید العارفین حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

بود در انجیل نام مصطفیٰ
آں سر پیغمبراں بحر صفا

"انجیل میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام درج تھا۔۔۔ وہ مصطفیٰ جو پیغمبروں کے سردار اور بحر صفا ہیں"۔

بود ذکر حلیہ ہاؤ شکل او
بود ذکر غز و صوم و اکل او

"نیز آپ کے اوصاف جسمانیہ' شکل و شمائل' جہاد کرنے' روزہ رکھنے اور کھانے پینے کا حال بھی درج تھا"۔

طائفہ نصرانیاں بہر ثواب
چو رسید ندے بداں نام و خطاب
بوسہ دادندے بداں نام شریف
رو نہادندے بداں وصف لطیف

"عیسائیوں کی ایک جماعت جب اس نام پاک اور خطاب مبارک پر پہنچتی تو وہ لوگ بغرض ثواب اس نام شریف کو بوسہ دیتے اور اس ذکر مبارک پر بطور تعظیم منہ رکھ دیتے"۔

نسل ایشاں نیز ہم بسیار شد
نور احمد ناصر آمد یار شد

"اس تعظیم کی بدولت ان کی نسل بہت بڑھ گئی اور حضرت احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک (ہر معاملے میں) ان کا مددگار اور ساتھی بن گیا"۔

واں گروہ دیگر از نصرانیاں
نام احمد داشتندے مستہاں

"اور ان نصرانیوں کا وہ دوسرا گروہ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک کی بے قدری کیا کرتا تھا"۔

مستہاں خوار گشتند آں فریق
گشتہ محروم از خود و شرط طریق

"وہ لوگ ذلیل و خوار ہوگئے' اپنی ہستی سے بھی محروم ہوگئے (کہ قتل کیے گئے) اور مذہب سے بھی محروم ہوگئے' یعنی عقائد خراب ہوگئے"۔

نام احمد چوں چنیں یاری کند
تاکہ نورش چوں مددگاری کند

"جب حضرت احمد ﷺ کا نام مبارک ایسی مدد کرتا ہے تو خیال کرو کہ آپ کا نور پاک کس قدر مدد کر سکتا ہے"۔

نام احمد چوں حصارے شد حصین
تا چہ باشد ذات آں روح الامین

"جب حضرت احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک ہی حفاظت کے لیے مشہور قلعہ ہے تو اس روح الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک کیسی ہوگی؟" (مثنوی اول، دفتر اول)

شبہ: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ ان میں ایک بھی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے، چنانچہ محدثین نے ان احادیث کو لکھ کر فرمایا: "لَا یَصِحُّ فِی الْمَرْفُوْعِ" لہٰذا احادیث ضعیفہ سے کس طرح ایک شرعی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے؟

اس کے متعلق صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ محدثین کرام کا کسی حدیث کے متعلق فرمانا کہ صحیح نہیں، اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ صحت کے اس اعلیٰ درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت کہتے ہیں، یاد رکھئے! اصطلاح محدثین میں حدیث کا سب سے اعلیٰ درجہ صحیح اور سب سے بدتر موضوع ہے اور وسط میں بہت سے اقسام ہیں جو درجہ بدرجہ مرتب ہیں۔ صحیح کے بعد حسن کا درجہ ہے، لہٰذا نفی صحت نفی حسن کو مستلزم نہیں، بلکہ اگر ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول ہے اور ان احادیث کے متعلق محدثین کا لَا یَصِحُّ فِی الْمَرْفُوْعِ یعنی یہ تمام احادیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک مرفوع ہو کر صحیح ثابت نہیں ہوئیں، فرمانا ثابت کرتا ہے کہ یہ احادیث موقوف صحیح ہیں۔

(۴۰) چنانچہ علامہ امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ وَاِذَا ثَبَتَ رَفْعُهٗ اِلَی الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلْیَکْفِیْ لِلْعَمَلِ بِهٖ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ۔ (موضوعات کبیر، ص ۶۴)

میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت۔

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے، کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس کا رفع ثابت ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے، چنانچہ مخالفین کے سردار مولوی خلیل احمد انبیٹھوی و مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں:

"جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو، خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، وہ سب سنت ہے"۔ (براہین قاطعہ، ص ۲۸)

ثابت ہوا کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنا سنت ہے، کیونکہ ملا علی قاری کی عبارت سے قرون ثلاثہ میں اس کی اصل متحقق ہوگئی، پھر اس کو بدعت وغیرہ کہنا جہالت اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

فقہی مسالک کی تقلید

معلوم ہونا چاہیے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں لوگ فقہ کے ایک معین مذہب کی تقلید پر متفق نہ تھے۔ ابو طالب مکی اپنی کتاب "قوت القلوب" میں لکھتے ہیں:

"یہ کتابیں اور رسائل کے مجموعے بعد کی چیزیں ہیں۔ لوگوں کے اقوال بیان کرنا' ایک خاص شخص کے فقہی مذہب پر فتویٰ دینا' ہر چیز میں اس کے مذہب پر اعتماد کرنا۔ پہلے اور دوسرے قرن عہد قدیم میں لوگوں کا یہ معمول نہ تھا' بلکہ اس دور میں لوگوں کے دو طبقے تھے: ایک علماء کا طبقہ اور دوسرا عوام کا طبقہ"۔

عوام کا یہ حال تھا کہ متفق علیہ مسائل میں' جن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر یا جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کے سوا اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ وہ وضو اور غسل کی کیفیت اور نماز وغیرہ کے احکام اپنے باپ داداؤں یا اپنے شہروں کے معلمین سے سیکھتے تھے اور اسی پر چلتے تھے۔ جب ان کو کوئی نادر وغیرہ معمولی واقعہ پیش آتا تو مفتی کو پائے بغیر کسی فقہی مذہب کے تعین کے' اس سے فتویٰ پوچھتے۔

ابن ہمام نے اپنے رسالے "التحریر" کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ لوگ ایک بار ایک مفتی سے فتویٰ اور دوسری بار کسی دوسرے سے فتویٰ لیتے اور اس میں کس مفتی کا التزام نہ کرتے۔

جہاں تک علماء کا تعلق ہے ان کے دو درجے تھے۔ ایک وہ عالم جنہوں نے قرآن' سنت اور آثار کے تتبع و جستجو میں اتنی محنت و کوشش کی کہ ان کو بالقوۃ جسے بالفعل ہی سمجھیے' ایسا ملکہ حاصل ہوگیا کہ وہ لوگوں میں مفتی بن سکتے تھے۔ یعنی لوگوں کو جو واقعات پیش آتے تھے ان میں اکثر کے بارے میں وہ فتویٰ دے سکتے تھے اور وہ امور جن کے متعلق وہ جواب دیتے' زیادہ ہوتے تھے' ان امور سے جن کی نسبت وہ توقف کرتے۔ یہ لوگ مجتہد مطلق کے نام سے مختص تھے۔

دوسرے وہ عالم تھے جن کو قرآن و سنت کی اتنی معرفت حاصل تھی جس سے وہ فقہ کے اصول اور اس کے بنیادی مسائل کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جان سکتے تھے۔ بعض (جزوی) ایسے مسائل تھے جن میں انہیں دلائل کے ذریعے ایک واضح اور غالب رائے حاصل ہو جاتی تھی اور بعض کے متعلق وہ توقف کرتے۔ ان آخر الذکر مسائل کے بارے میں وہ علماء سے مشورہ کرنے کے محتاج ہوتے' کیونکہ ان کے متعلق کسی واضح اور غالب رائے تک پہنچنے کے لیے ان کے پاس پوری طرح وہ وسائل نہیں تھے جو مجتہد مطلق کے پاس تھے' چنانچہ یہ علماء بعض مسائل میں مجتہد تھے اور بعض میں غیر مجتہد۔

صحابہ اور تابعین سے یہ چیز تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ان کو کوئی حدیث پہنچتی تو وہ کسی شرط کا خیال کیے بغیر اس پر

عمل کرتے۔ لیکن دو صدیوں کے بعد لوگوں میں معین مجتہد کے مذاہب کو اختیار کرنے کا رجحان ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ ان میں بہت کم ایسے تھے جو کسی خاص متعین مجتہد کے مذہب کے پابند نہ ہوتے۔ یہ اس زمانے کا ایک امر واجب ہو گیا۔

ابتدائی دو صدیوں میں کسی معین فقہی مذہب کو اختیار کرنے کا دستور نہ تھا۔ تیسری صدی میں کسی نہ کسی معین فقہی مذہب کو اختیار کرنا عام ہو گیا اور اس کے زمانے میں یہ چیز ایک امر واجب قرار پائی) اگر تم مجھ سے کہو کہ ایک زمانے میں ایک چیز غیر واجب ہے تو دوسرے زمانے میں کس طرح واجب ہو سکتی ہے جبکہ شریعت تو ایک ہی ہے۔ چنانچہ تمہارا یہ قول' مجتہد مستقل کی اقتدا پہلے واجب نہ تھی' پھر واجب ہو گئی تناقض کا حامل ہے۔ اس کے جواب میں میرا کہنا یہ ہے کہ واجب اصلی تو یہ ہے کہ امت میں ایک ایسا شخص ہو جو فروعی احکام کی ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ معرفت رکھتا ہو' اس پر سب اہل حق کا اتفاق ہے۔

(قاعدہ یہ ہے کہ) جس بات پر واجب موقوف ہوتا ہے وہ بات بھی واجب ہوتی ہے۔ جب واجب کے متعدد طریقے ہوں تو ان میں سے کسی نہ کسی طریقے کا تعین کیے بغیر حاصل کرنا واجب ہوتا ہے اور جب اس کا ایک ہی طریق ہو تو خاص اس طریق کا حاصل کرنا واجب ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب آدمی سخت بھوک میں مبتلا ہو' اس کی وجہ سے اسے ہلاک ہونے کا ڈر ہو اور بھوک کو دور کرنے کے چند طریق ہوں' جیسے کھانا خریدنا' جنگل سے پھل توڑ لینا اور ایسی چیز کا شکار کرنا جو غذا کا کام دے۔ اس صورت میں بھوک کو دور کرنے کے ان متعدد طریقوں میں سے کسی بھی غیر معین طریقے پر عمل کرنا واجب ہو گا لیکن اگر وہ آدمی ایسی جگہ بھوک میں مبتلا ہوتا ہے جہاں نہ شکار ہے نہ پھل' تو اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ مال خرچ کرے اور کھانا کھائے۔

(جیسا کہ اوپر ذکر ہوا' واجب اصلی تو یہ ہے کہ امت میں ایک ایسا شخص ہو جو فروعی احکام کی ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ معرفت رکھتا ہو) سلف کے اس واجب اصلی کو حاصل کرنے کے متعدد طریقے تھے اور اس بارے میں کسی ایک طریقے کا تعین ان کے لیے واجب نہ تھا۔ پھر سوائے ایک طریقے کے سب طریقے بند ہو گئے۔ چنانچہ یہ مخصوص طریقہ ان پر واجب ہو گیا۔

(ایک دوسری مثال یہ ہے کہ) سلف احادیث لکھا نہیں کرتے تھے۔ آج احادیث کا لکھنا واجب ہے کیونکہ آج ان کتب حدیث کی معرفت کے بغیر حدیثوں کی روایت کے اور کوئی صورت نہیں۔ اسی طرح سلف کا علم نحو اور لغت میں استعمال نہ تھا' اس لیے کہ ان کی زبان عربی تھی اور انہیں ان فنون کی حاجت نہ تھی لیکن آج ہمارے اس زمانے میں عربی لغت کی معرفت واجب ہو گئی ہے' کیونکہ اولین عربوں کے زمانے کو گزرے عرصہ دراز ہو گیا۔

الغرض! ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس کی تائید میں بہت سے شواہد ہیں' اسی پر ایک معین امام کی تقلید کے واجب ہونے کو قیاس کرنا چاہیے۔ اور ایک معین امام کی تقلید' کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر جب ایک جاہل شخص ہند اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو اور وہاں کوئی شافعی' مالکی' حنبلی عالم نہیں اور نہ ان مذاہب فقہ کی وہاں کوئی کتاب موجود ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے فقہی مذہب کی تقلید کرے' اس سے باہر جانا اس کے لیے حرام ہو گا کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے آپ کو دائرۂ شریعت ہی سے باہر نکال دے گا اور بے کار اور مہمل بن کر رہ جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر وہ حرمین میں موجود ہو تو چونکہ اسے وہاں تمام مذاہب فقہ کی معرفت میسر ہو گی' اس لیے یہ کافی نہیں کہ وہ کسی غیر ثقہ ظنی بات پر عمل کرے۔ نہ وہ عوام کی زبان سے نکلی ہوئی بات قبول کرے اور نہ کسی غیر مشہور کتاب سے کوئی قول لے۔ یہ سب باتیں کنز الدقائق کی شرح نہر الفائق میں مذکور ہیں۔

اگر تم یہ کہو کہ آخر اس کا کیا سبب ہے کہ پہلوں نے اصول فقہ پر زیادہ گفتگو نہیں کی اور جب امام شافعی پیدا ہوئے تو

انہوں نے اس موضوع پر کافی و شافی بحث کی‘ مفید بحث کی اور بڑی اچھی بحث کی۔

میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلوں میں سے ہر ایک کے پاس اپنے ہی شہر کی حدیث جمع کی ہوئی تھی اور ان کے علاوہ دوسرے شہروں کی احادیث اس کے پاس جمع نہیں تھیں۔ جب اس کے خاص شہر کی احادیث کی دلیلوں میں اس کے سامنے کوئی تعارض واقع ہوتا تو وہ اپنی سمجھ اور فراست کے مطابق اس تعارض کا فیصلہ کرتا۔ جب امام شافعی کا زمانہ آیا تو تمام شہروں کی احادیث یکجا جمع ہوگئیں اور اس کی وجہ سے ان مختلف شہروں کی احادیث اور ان کے فقہاء کے اختیار کردہ قول میں دو طرح کا تعارض پیدا ہو گیا۔

ایک تو تعارض تھا دو مختلف شہروں کی احادیث میں‘ دوسرا تعارض تھا ایک ہی شہر کی احادیث کے درمیان۔ وہ یوں کہ ہر شخص اپنے شیخ کی رائے کی جو اس نے اپنی سمجھ و فراست سے قائم کی ہوتی حمایت کرتا‘ اس سے رخنہ بہت وسیع ہو گیا۔ بہت سے گروہ وجود میں آگئے اور ہر طرف سے اختلاف نے لوگوں پر اس طرح یلغار کر دی کہ اس کا کسی کو سان گمان نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ حیران و پریشان ہو کر رہ گئے اور انہوں نے اپنے سامنے کوئی راہ نہ پائی۔

(یہ حالات تھے) جب لوگوں کو ان کے رب کی طرف سے مدد پہنچی۔ چنانچہ امام شافعی کو باہم اختلاف رکھنے والی حدیثوں میں تطبیق کرنے کے قواعد القاء کیے گئے اور انہوں نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے ایک دروازہ کھولا اور وہ کیا ہی اچھا دروازہ تھا۔ (ماخوذ ملخص الانصاف فی بیان سبب الانصاف)

فقہ کے مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تائید

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فقہ کے ان چار مذاہب کو اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان تمام کے تمام سے اعراض و روگردانی میں بہت بڑا فساد ہے۔ ہم اس بات کی یہاں کئی وجوہ سے وضاحت کرتے ہیں۔ اول یہ کہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ شریعت کو جاننے کے لیے سلف پر اعتماد کرتی ہے‘ چنانچہ تابعین نے اس بارے میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر‘ اسی طرح ہر طبقے میں علماء نے اپنے پہلے علماء پر اعتماد کیا اور خود عقل اس طریقہ کار کے حسن و خوبی پر دلالت کرتی ہے‘ کیونکہ شریعت کی معرفت صرف نقل اور استنباط ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اب نقل کے صحیح اور درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ استنباط کرنے والا پہلوں کے مذہب کو جانے تاکہ وہ ان کے اقوال کے دائرہ سے باہر نہ نکلے ورنہ وہ اجماع کے خلاف جائے گا‘ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ پہلوں کے مذاہب پر اپنے اقوال کی بنا رکھے اور اس سے پہلے جو گزر گئے ہیں ان سے استنباط میں مدد لے۔

جب شریعت کی معرفت کے لیے نقل کے سلسلے میں سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا طے ہو گیا تو یہ ضروری ہوا کہ سلف کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا جائے یا سند صحیح سے مروی ہو یا وہ مشہور کتابوں میں مدون ہوں‘ پھر یہ بھی ضروری ہوا کہ ان اقوال پر اس طرح بحث ہو چکی ہو کہ ان میں جو کئی ایک احتمالات ہوں ان میں سے راجح احتمال کا تعین ہو گیا ہو‘ ان کے بعض مقامات میں جو عمومی چیزیں ہوں‘ ان میں تطبیق دے دی گئی ہو اور وہ اقوال جن احکام پر متضمن ہیں ان کی علتیں بیان ہو چکی ہوں۔ اگر سلف سے مروی اقوال ان مراحل سے نہیں گزرے تو ان پر اعتماد کرنا درست نہیں ہو گا۔

بعد کے زمانوں میں فقہ کے مذاہب اربعہ کے علاوہ اور کوئی ایسا مذہب نہیں جو ان صفات کا حامل ہو‘ ماسوا مذہب امامیہ اور زیدیہ کے اور وہ اہل بدعت ہیں جن کے اقوال پر عمل کرنا جائز نہیں۔

فقہ کے مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب کو اختیار کرنے پر زور دینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"سواد اعظم (بڑے گروہ) کی پیروی کرو اور چونکہ ان چار مذاہب فقہ کے علاوہ باقی فقہ کے تمام مذاہب فقہ مٹ گئے ہیں تو ان چاروں کی پیروی کرنی سواد اعظم کی پیروی کرنا ہے اور ان کے دائرہ سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جب لمبا زمانہ گزر گیا' عرصہ دراز ہو گیا اور امانت و دیانت نہ رہی تو ان حالات میں جور پیشہ قاضیوں اور اپنی خواہشات کے بندے مفتیوں میں سے جو علماء سوء تھے' ان کے اقوال پر اعتماد کرنا جائز نہ رہا-- چنانچہ جب ہم نے علماء کو دیکھا کہ وہ مذہب سلف پر ثابت قدم ہیں تو ظن غالب یہ ہوا کہ وہ علماء سلف کے اقوال سے جو تخریجات یا کتاب و سنت سے جو استنباط کریں گے' ان میں ان کی تصدیق کی جائے گی اور جب ہم نے ان میں یہ بات دیکھی تو پھر ان کے اقوال پر اعتماد کہاں؟

(ماخوذ و ملخص عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید)

علامہ ظہیر علی زیدی

فقہ کی ضرورت

آج کل جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں احیائے دین کے نام سے مختلف تحریکات چل رہی ہیں جو دین کا احیاء اپنی عقل، اپنی خواہش اور عصر حاضر کے تباہ کن رجحانات سے ہم آہنگی کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث کا نام لے کر علوم فقہ کی تمام کڑیوں کو نظرانداز کر دینا چاہتے ہیں اور قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح اپنی عقلیت پسند آزاد رائے سے جدید ماحول کی مطابقت کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک اسلام ہر زمانے میں جاری برائیوں کی اصلاح کے لیے نہیں، بلکہ ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنے آیا ہے، ورنہ اس پر قدامت پرستی کا الزام آجائے گا۔ ان کے نزدیک علوم فقہ کا ہزار سالہ انمول ذخیرہ اب پرانا اور بے کار ہو چکا ہے جو صرف اس زمانے کے لیے تھا۔ آج کے حالات میں اس سے کام نہیں چل سکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام میں بڑی لچک ہے "گویا ان کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ہر زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام مختلف ادوار میں غلط سماجی دھاروں کو موڑنے کے لیے نہیں، بلکہ ان کی رو میں ساتھ بہہ جانے کے لیے آیا ہے۔ بہرحال! موجودہ دور میں احیائے دین کے دعویداروں کا رجحان بغیر علم و معرفت آزادی رائے اور اجتہاد عقلی کی طرف ہے۔ ان حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علوم فقہ موجودہ دور کے مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔۔۔؟

کیا ان علوم کو حاصل کیے بغیر، ان میں مہارت حاصل کیے بغیر قرآن و حدیث سے مسائل کا استخراج و استنباط کر سکتے ہیں اور کیا وہ لوگ جو تفسیر اور اصول تفسیر، فقہ و اصول فقہ کے علم سے کوئی حظ نہیں رکھتے، براہ راست قرآن و حدیث سے احکام شرعیہ کا استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ ادلہ شرعیہ جن سے استنباط کیا جاتا ہے چار ہیں: قرآن، حدیث، اجماع، قیاس۔ ان سب میں اول اور اعلیٰ قرآن کریم ہے جو بقیہ تین کی بنیاد ہے۔ قرآن پاک منزل من اللہ، آخری آسمانی کتاب ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ۲۳ سال کی مدت میں بواسطہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ اس میں عقائد ہیں، احکام ہیں، قصص ہیں اور امثال۔ اس میں آیات محکمات ہیں۔ قرآن پاک کے صحیح معانی و مطالب کو سمجھنے کے لیے بہت سے علوم پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے مثلاً آیات کی شان نزول کا علم، ناسخ و منسوخ کا علم، مقدم و موخر آیات کا علم، لغات قرآن کریم کی مصطلحات کا علم، آیات کے باہمی تعلق کا علم، عربی زبان، علم صرف و نحو، فصاحت و بلاغت، معانی و بیان کا علم، محاورات زبان، عربی پر عبور اور اصول تفسیر سے واقفیت، حقیقت و مجاز، استعارات و کنایات وغیرہا کا علم۔ جب تک قرآن پاک سے متعلق جملہ علوم پر دسترس نہ ہوگی، اس کے صحیح مفاہیم و معانی اور مطالب تک

رسائی ممکن نہیں۔ قرآن کریم کے تراجم کا مطالعہ کر کے یا ان تراجم کے ساتھ تشریح پڑھ کر یہ تصور قائم کر لینا کہ قرآن سمجھنے کے اہل ہو گئے' سخت نادانی اور غلط اندیشی ہے۔ قرآن کریم کے تراجم اس کی عبارات کے لفظی معنی کو کس حد تک واضح کرتے ہیں' لیکن اس کے مفاہیم و مطالب کے ادنیٰ حق کو بھی ادنیٰ نہیں کرتے۔ قرآن پاک نے اپنے وصف میں خود بیان فرمایا ہے۔

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا۔ یہ بہتیروں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

یعنی اس کا انکار کر کے بہت لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے اس سے ہدایت پاتے ہیں۔ اس کی تصدیق کر کے اور اس پر ایمان لا کر اسی مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ بہت لوگ غلط مطلب نکال کر گمراہ ہوتے ہیں اور بہت لوگ اس سے صحیح مفہوم و مطلب سمجھ کر ہدایت پاتے ہیں۔ لہٰذا ترجمہ قرآن پڑھ کر اپنی ناقص عقل سے بے علمی کے ساتھ قرآن کا مطلب بیان کرنے سے سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ پر اکتفا کیا جائے اور اس کے صحیح مفاہم و مطالب اس کی صحیح تشریحات معلوم کرنے کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کیا جائے کہ قرآن پاک یہی حکم دیتا ہے۔ فرماتا ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ جاننے والوں سے پوچھ لو' اگر تم نہیں جانتے۔

مقتضی یہی ہے کہ بغیر علم اپنی عقل سے قرآن کے مفہوم و مطالب کو بیان نہ کیا جائے' ورنہ ہلاکت دین و ایمان کا سخت اندیشہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ یعنی تفسیر بالرائے کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

بعینہ یہی حال حدیث شریف کا بھی ہے۔ وہ قول یا فعل جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یا عمل کیا' یا کسی صحابی نے کوئی عمل کیا اور آپ نے پسند فرمایا' یہ سب حدیث کہلاتے ہیں۔ احادیث کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے جن میں احادیث احکام کی تعداد تین ہزار ہے۔ ایک ہی شے کے حکم کے بارے میں متضاد صحیح احادیث موجود ہیں جن سے مختلف و متضاد احکام ثابت ہوتے ہیں۔ احادیث میں بھی حقیقت و مجاز استعارات و کنایات محکم و متشابہ' ظاہر' موول' مفسر' خاص' عام اور مشترک وغیرہ ہیں۔ ان ہی میں تقدم و تاخر زمانی بھی ہے۔ ان کے علاوہ احادیث کے درجات ہیں اور اقسام ہیں جب تک ان احادیث پر عبور نہ ہو تقدم و تاخر' ناسخ و منسوخ اور محاورات عربی کا علم نہ ہو' یا یہ نہ معلوم ہو کہ کس قسم کی حدیث ثبوت کا افادہ کرتی ہے' کس قسم کی احادیث سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور کس قسم کی احادیث سے استحباب' اباحت یا حرمت و کراہت وغیرہ کا اثبات ہوتا ہے' غرض یہ کہ جب تک علم حدیث سے متعلق ان ضروری امور کا علم نہ ہو تو محض چند احادیث یاد کر لینے' ان کا ترجمہ پڑھ لینے اور ان سے اخذ کیے ہوئے فقہی احکام معلوم کر لینے سے کوئی شخص اس حیثیت میں نہیں آجاتا کہ وہ احادیث سے براہ راست احکام و مسائل نکالنے کا دعویٰ کرنے لگے۔

ایسے لوگ اپنی ناقص عقل کو قرآن و حدیث کی تشریح و تعبیر میں اپنا راہنما بناتے ہیں اور عوام کے لیے غلط انداز فکر اور گمراہی کے دروازے کھولتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ نہ صرف یہ کہ خود صحیح راستہ نہیں پاتے' بلکہ دوسروں کو بھی غلط راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس مختصر تمہید سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن و حدیث سمجھنے کے لیے بنیادی علوم کی ضرورت ہے۔ ان پر عبور حاصل کیے بغیر قرآن و حدیث سے براہ راست مسائل شرعیہ کا استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علوم فقہ کی

ضرورت پیش آتی ہے جن کو ائمہ، فقہاء اور مجتہدین نے بڑی مبسوط و مدلل مباحث میں بیان فرمادیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے علم فقہ اور علم اصول فقہ کی تعریف سمجھ لی جائے تاکہ اس کے ساتھ ایک ذہنی تعلق قائم ہو جائے۔ اس کی اہمیت و افادیت اور ضرورت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

حضرت ملا احمد جیون استاد اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَالْعِلْمُ بِاَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ الْعِلْمِيَّةِ عَنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ۔ (نور الانوار)

یعنی شریعت کے علمی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے جاننے کو علم فقہ کہتے ہیں۔

علم اصول فقہ کی تعریف وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

هُوَعِلْمٌ يُبْحَثُ فِيْهِ حُسْنُ اَثْبَاتِ الْاَدِلَّةِ لِلْاَحْكَامِ۔ (نور الانوار)

یعنی علم اصول فقہ وہ علم ہے جس میں احکام شرعیہ کو دلائل سے ثابت کرنے پر بحث کی جاتی ہے۔

جواز یا عدم جواز شریعت کا ہر حکم کسی نہ کسی علت اور دلیل کے ساتھ ہے۔ ان تمام احکام کو دلیل سے جاننا علم فقہ ہے اور ادلہ شرعیہ کون کون سے ہیں؟ اور احکام شرعیہ کو ان دلائل سے کس طرح ثابت کیا جاتا ہے؟ اس قسم کے مباحث کا علم، علم اصول فقہ ہے اس لیے ائمہ فقہ نے ادلہ شرعیہ سے بھی بحث کی ہے اور بیان کیا ہے کہ متفق علیہ ادلہ شرعیہ تین ہیں: قرآن، حدیث اور اجماع امت۔ چوتھے درجے میں قیاس ہے اور اس کے بالمقابل ایک قسم استحسان ہے اور آخری درجہ میں استصواب حال، ان میں سے ہر ایک کو انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلی دلیل احکام الٰہی قرآن مجید ہے جو بقیہ ادلہ شرعیہ کی بھی اصل و بنیاد ہے۔

قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اس نے اپنے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کے بارے میں فرمایا:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ وَّهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔

قرآن پاک میں ہر شے کا بیان ہے اور اس میں ہر شے کا بیان ہونا بھی چاہیے تھا اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حل بھی اس میں موجود ہونا ضروری ہے۔ بغیر اس کے نہ دین کی تکمیل کا دعویٰ صحیح ثابت ہو سکتا ہے اور نہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا اور نہ قرآن پاک کا آخری کتاب ہونا درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر قیامت تک پیدا ہونے والے نئے مسائل اور نئی ضرورتوں کا حل اس میں موجود نہ ہوگا تو نئی کتاب اور نئے رسول و نبی کی ضرورت بھی باقی رہے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن پاک "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ" ہو قرآن کریم کا یہ دعویٰ کہ "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ" ہے اور یہ فرمانا۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔

کوئی خشک و تر نہیں کہ کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

نیز! اس کا دستور حیات ہونا اور انسانی معاشرہ میں پیدا ہونے والی ہر ضرورت کے لیے قیامت تک اس کا کافی ہونا یہ سب تفصیلی دلیل اور ثبوت کا متقاضی ہے اور وہ صرف علوم فقہیہ ہیں جو نہ صرف یہ کہ ان تمام دعاوی کا مکمل و مدلل ثبوت فراہم کرتے ہیں، بلکہ بالتفصیل ان کے ہر پہلو سے بحث کرتے ہیں اور ان کو حقیقت ثابتہ کی حیثیت میں لاتے ہیں۔ بلاشبہ یہی وہ علم ہے جس نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دستوری و قانونی زبان کو سمجھنے کا ملکہ پیدا کیا اور قرآن و

حدیث کی روشنی میں ان کے الفاظ و عبارات سے صحیح مفاہیم و مطالب اخذ کرنے کے اصول مرتب فرمائے جن کے بغیر قرآن پاک کی ایک آیت کا بھی صحیح مفہوم اخذ کرنا امت کے لیے ممکن نہ تھا اور نہ احادیث شریفہ کے حقیقی معانی و مطالب کا ادراک کیا جا سکتا تھا۔ علماء فقہ و اصول نے قرآن کریم کے الفاظ و معانی اور انداز بیان میں سے ایک ایک چیز کا بغور مطالعہ کیا اور خلوص وللہیت کے ساتھ ان پر عبور کامل اور مہارت تامہ حاصل کی، پھر ان کی مختلف عبارات سے تقسیم کی اور فرمایا کہ الفاظ قرآن یا خاص ہیں یا عام یا مشترک ہیں یا موول اور معانی کے اعتبار سے ظاہر، نص، مفسر یا محکم اور ان کے بالمقابل خفی مشکل مجمل اور متشابہ میں منقسم ہیں پھر ان الفاظ و معانی کو وجوہ استعمال کے اعتبار سے حقیقت، مجاز، صریح اور کنایہ میں تقسیم کیا اور ان طریقوں کو بھی دریافت کیا جن کے ذریعہ قرآن و حدیث کے الفاظ و عبارات کے مفہوم و مراد پر واقفیت حاصل ہو سکے۔ ان کو بھی چار قسموں میں محصور کر دیا۔ عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالتہ النص اور اقتضاء النص۔ اس طرح یہ کل بیس اقسام ہوئیں۔ ان بیس میں سے ہر ایک کے مواضع و معانی ترتیب ان کے احکام معرفت کے طریقوں کی وضاحت فرمائی، حتیٰ کہ انہوں نے قرآن مجید میں استعمال ہونے والے حروف عطف، حروف جارہ، حروف شرط، اسمائے ظروف، نیز اطلاقات جمع مذکر و جمع مونث پر بھی توضیحی مباحث بیان فرمائے۔ یہ سب کچھ کلام الٰہی قرآن مجید سے متعلق امور ہیں، جن کا تفصیلی علم ہر فقیہ و مجتہد کو ہونا ضروری ہے۔ بایں ہمہ فقہائے مجتہدین نے قرآن و حدیث کا یہ امعان نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد احکام شرعیہ کی اقسام معلوم فرمائیں جو فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ تحریمی میں منقسم ہیں۔ ان کے استدلال کے جملہ طرق معلوم کیے۔ قرآن کی جملہ آیات خصوصاً آیات احکام میں سے ایک ایک آیت کو بغور دیکھا اور اس امر کی وضاحت کی کہ احکام شرعیہ کے مخاطب فی الحقیقت کون لوگ ہیں۔ نیز یہ کہ مدار تکلیف عقل ہے اور وہ عقل جو مدار تکلیف ہے۔ وہ عمر بلوغ سے شروع ہوتی ہے۔ یہ بھی ثابت کیا کہ احکام شرعیہ الہیہ کے خطاب کی اہمیت کی بنیاد بھی صحت عقل اور کمال عقل ہے۔ اس اہلیت کی دو قسمیں ہیں: اہلیت وجوب اور اہلیت اداء۔ یعنی یہ کہ انسان کی وہ کون سی حالت ہے جس میں احکام وجوب ہوتا ہے اور وہ کون سی حالت ہے جس میں احکام کی ادائیگی کی اہلیت ہوتی ہے اور وہ کون سی حالتیں ہیں جن میں وجوب ادا ساقط ہو جاتا ہے۔

اور وہ کون سی حالتیں ہیں جن میں احکام کا نقش وجوب ہی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اس تفصیل کے بغیر کسی نفس پر احکام شرعیہ کو لازم و ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شریعت کی اصطلاح میں جو شخص احکام قرآن کے خطاب کا اہل ہے، اسے مکلف کہتے ہیں۔ مکلف کی دو قسمیں ہیں: امت دعوت اور امت اجابت۔ وہ لوگ جو اسلام کے مخاطب ہیں امت دعوت کہلاتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا اور عمل بالاحکام کے مخاطب ہیں امت اجابت میں داخل ہیں۔ قرآن پاک میں جہاں "یٰاَیُّھَا النَّاسُ" ان الفاظ سے خطاب ہے اس سے مراد بالخصوص امت دعوت ہے جیسے،

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ — اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ۔ — اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔

اس کے برخلاف قرآن میں جس جگہ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے خطاب ہے اس سے مراد اجابت ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ — اے ایمان والو! روزے تم پر لکھ دیئے گئے۔

جیسے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ۔ اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو۔

وغیرہ قرآن کریم کی بہت سی آیات احکام اور الفاظ خطاب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ احکام ایک نوزائیدہ بچہ سے لے کر جوان بوڑھے مرد، عورت مجنوں، دیوانے اور صاحب عقل و دانش سب ہی کے لیے ہیں۔ لیکن فقہائے ائمہ نے اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ مخاطب جب تک خطاب کا اہل نہ ہو مکلف نہیں، اس لیے مکلف ہونے کے لیے اہلیت خطاب ضروری ہے اور وہ ہے اس کی عقل کا کامل ہونا جس کے ذریعہ مکلف کو فہم خطاب قدرت کاملہ کے ساتھ ۲ سے عمل پر بھی قدرت کاملہ ہو تو پھر احکام الہیہ پر عمل واجب و ضروری ہوتا ہے۔ بہرنوع! یہ بحث تو مکلف کی ذات اور اس کے احوال سے متعلق ہے اور اس میں مزید تفصیلات ہیں۔ دوسری بحث خود احکام اور آیات احکام سے متعلق ہے۔ ائمہ فقہ نے قرآن پاک اور حدیث شریف کی روشنی میں اس امر کی وضاحت فرمائی کہ احکام کی ابتدائی دو قسمیں ہیں: عزیمت اور رخصت۔ پھر عزیمت کی اقسام ہیں: فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی وغیرہ ہیں۔ اس کے ساتھ دوسری قسم رخصت اور اس کی انواع کو بھی واضح فرمایا۔ ائمہ فقہاء نے اس نکتہ کی بھی وضاحت فرمادی کہ قرآن کریم اور حدیث پاک میں احکام کے لیے بالعموم صیغہ امر ہی استعمال کیا گیا ہے جن کا مقتضی وجوب ہی ہے، پھر بھی ہر حکم کی نوعیت جداگانہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگرچہ صیغہ امر استعمال کیا گیا ہے ہر جگہ اس سے وجوب اور فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ انہوں نے بڑی تحقیق کے بعد یہ انکشاف کیا کہ صیغہ امر سولہ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی آیات ہی سے اس کا ثبوت دیا۔ لہٰذا اگرچہ صیغہ امر سے حقیقتاً وجوب ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر قرینہ اس کے خلاف قائم ہو تو وہاں صیغہ امر سے مقام کے مناسب معنی مراد ہوں گے اور مقام کی مناسبت کی معرفت مجتہدین کے دینی کمال اور شہادت پر موقوف ہے۔ اگر یہ حضرات اس حقیقت کا انکشاف نہ فرمادیتے تو قرآن و حدیث کا ہر حکم جہاں صیغہ امر استعمال کیا گیا ہے فرض ہی قرار پاتا۔ واجب، سنت، مستحب اور مندوب کچھ نہ ہوتا، نہ عزیمت و رخصت کا سوال پیدا ہوتا۔

ائمہ فقہاء نے یہ بھی تحقیق فرمائی کہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں "حکم" کس جگہ عام ہے اور کس جگہ خاص۔ نیز یہ کہ کسی حکم کا شان نزول اگرچہ خاص ہو مگر حکم ہمیشہ عام ہوتا ہے، بشرطیکہ کوئی قرینہ اس حکم کو خاص قرار نہ دے۔

قرآن کریم اور حدیث پاک میں بہت سے مقامات پر بظاہر نظر تعارض و تضاد سا محسوس ہوتا ہے گو فی الواقع نہیں ہے۔ مجتہدین فقہ نے اس تعارض و تضاد میں مطابقت پیدا فرمائی اور ان کو حل کرنے کے طرق بیان فرمائے۔ قرآن کریم کی آیات ناسخ و منسوخ میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ یہ بتلایا کہ قرآن کریم کی کون سی آیات ناسخ کون سی منسوخ ہیں، کون سی آیات منسوخ التلاوت اور اس کا حکم باقی ہے اور کون سی آیت حکم اور تلاوت دونوں اعتبار سے منسوخ ہے اور کون سی آیت منسوخ الحکم ہے اور اس کی تلاوت باقی رکھی گئی ہے۔

اس قسم کے مباحث حدیث و سنت کے بارے میں بھی ہیں۔ قرآن کریم کے نظم و معنی، انداز بیان اور طریق استدلال سے متعلق جو اقسام وہاں بیان کیے گئے ان سب کا نفاذ حدیث و سنت میں ہوگا۔ ان کے علاوہ احادیث میں کچھ اور تفصیلات بھی ہیں۔ حدیث واحد مشہور اور متواتر ہوتی ہے۔ پھر یہ بحث کہ کون سی حجت ہے اور کون سی حدیث حجت نہیں، کسی راوی کی حدیث حجت ہوتی ہے اور کسی کی نہیں۔ ہر راوی کی حدیث حجت نہیں ہوتی۔ اس کی حجت کے لیے بھی شرائط ہیں اور ہر محل میں بھی ہر حدیث حجت نہیں ہوتی۔ عقوبات، عبادات، حقوق العباد اور اس کی ہر سہ اقسام میں سے ہر ایک کے لیے حجت حدیث کی جداگانہ شرائط ہیں۔ ان کے علاوہ نفس خبر اور اس کی اقسام سے متعلق مباحث ہیں۔ ان مباحث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ کون سی حدیث اور خبر صرف اس وقت قابل قبول ہوتی ہے جب وہ بلفظ روایت کی جائے اور کون سی حدیث اور خبر میں روایت بالمعنی

بھی قابل قبول ہے۔ نیز یہ کہ روایت باللفظ اور روایت بالمعنی کی اجازت کے لیے راوی میں کس قسم کے شرائط کا ہونا ضروری ہے کہ یہ تمام مباحث حدیث و سنت سے متعلق ہیں اور ائمہ مجتہدین نے ان کو مبسوط، مفصل اور مدلل بیان فرمایا ہے۔ قرآن و حدیث کے بعد ادلہ شرعیہ میں اجماع امت کا درجہ ہے۔ اجماع امت کی تعریف ہے کہ ہم عصر جمیع مجتہدین صالحین کا کسی مسئلہ میں متفق الرائے ہو جانا' لہٰذا اجماع کا اہل ہونے کے لیے اجتہاد صالح ہونا ضروری ہے اور نفسانی خواہشات اور فسق سے مبرا ہونا ضروری ہے۔ تمام مجتہدین فقہ کے لیے ان جملہ مسائل کا علم ضروری ہے جس پر اجماع امت منعقد ہو چکا ہے۔

اجماع امت سے کیا مراد ہے۔ کیا اجماع امت ممکن ہے۔ کیا بے علم اور کم علم مسلمانوں کا اجماع معتبر ہو سکتا ہے۔ اجماع کی کتنی قسمیں ہیں۔ اجماع کی حجت کا ثبوت ان تمام امور کو بھی اصول فقہ ہی تفصیلا" بیان کرتا ہے۔

ادلہ شرعیہ میں چوتھی قسم قیاس ہے۔ کتب اصول فقہ میں قیاس کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ اَلْقِيَاسُ هُوَفِي الشَّرْعِ تَقْدِيْرُ الْفَرْعِ بِالْأَصْلِ فِي الْحُكْمِ وَالْعِلَّةِ. جس کا مطلب یہ ہے کہ علت مشرکہ کی بنیاد پر اس کا حکم فرع کے لیے ثابت کرنا جیسے شراب کا حکم حرمت ہے اور اس کی علت سکر ہے۔ یہ علت مشترکہ ہے' لہٰذا حرمت کا حکم اس لیے بھی ثابت جس میں سکر کا مادہ ہو گا۔ قیاس ایک حجت شرعی ہے' اس پر عقلی و نقلی مبسوط دلائل ہیں تاہم ائمہ و مجتہدین کے سوا علمائے سابقین میں قیاس کے حجت شرعی ہونے میں اختلاف رہا' لیکن آج کے دور میں علماء کا کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے جو قیاس سے کام نہ لیتا ہو۔

اس کی حجت اور دلیل شرعی ہونے کو تسلیم کر چکے ہیں لیکن قیاس سے استدلال کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے شرائط سخت ہیں۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ قیاس صرف ان مسائل میں ہو سکتا ہے جن کا حکم قرآن و سنت میں نہ ملے اور وہ مسائل اجماع سے بھی ثابت نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ قیاس صرف اس مسئلہ میں کیا جا سکتا ہے جس کا حکم کسی نص سے محض اس مسئلہ کے ساتھ خاص نہ ہو۔ جیسے حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دو آدمیوں کی شہادت کے مساوی قرار دیا۔ یہ مسئلہ صرف خزیمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ تیسرے یہ کہ قیاس کرنے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اصل مسئلہ کا حکم خلاف ورزی قیاس ہے تو پھر اس قیاس کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ جیسے روزہ کی حالت میں سہواً کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہ حکم خلاف قیاس ہے۔ قیاس تو اس کا مقتضی ہے کہ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیے' خواہ وہ سہواً ہی ہو۔ مگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے سہواً کھالینے کی صورت میں اس کا روزہ باقی رکھا جو کہ خلاف قیاس ہے' لہٰذا یہ حکم صرف اسی حالت میں محدود رہے گا۔ اس پر کسی دوسرے مسائل کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اصل مسئلہ کے لیے نص سے جو حکم شرعی ثابت ہو بعینہ وہی حکم فرع کے لیے ثابت کیا جائے جبکہ فرع وجود علت میں اصل کی نظیر ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ قیاس کی بنیادیں چار ہیں: اصل' فرع' علت اور حکم۔ ان کے بغیر قیاس وجود میں نہیں آ سکتا۔

غرض! قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط و استخراج کے لیے ان تمام ادلہ شرعیہ اور ان سے متعلق مباحث کا تفصیلی علم ضروری ہے۔ ان ادلہ شرعیہ کی روشنی میں بہت بڑی تعداد قواعد فقہیہ کی ہے جن کا علم فقیہہ کے لیے ضروری ہے۔ ان پر عبور حاصل کیے بغیر فتویٰ کی راہیں کشادہ نہیں ہوتیں۔

علامہ شہاب الدین القرافی متوفی ۶۸۴ھ نے اپنی کتاب اَنْوَارُ الْبُرُوْق فِيْ اَنْوَارِ الْفُرُوْق میں اسلامی شریعت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

اسلامی شریعت چند اصول و فروع پر مشتمل ہے۔ اس کے اصول کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول اصول الفقہ اور قسم دوم وہ قواعد کلیہ فقہیہ ہیں جن کی تعداد کثیر ہے اور وہ شریعت کے اسرار و رموز سمجھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ ملی کے ماتحت بے شمار فروعی مسائل ہیں۔ یہ قواعد کلیہ فقہ میں بہت اہم اور مفید ہیں اور فقہ جس قدر ان قواعد کا احاطہ کر لے گا اسی درجہ اس کی قدر و منزلت بڑھے گی اور فقہ کی عظمت نمایاں ہوگی۔ ان ہی قواعد کے ذریعہ فتویٰ کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں اور ان ہی کی بدولت اہل علم کی ایک دوسرے پر فوقیت ظاہر ہوتی ہے۔ علماء کا یہ قدیم مقولہ ہے جو اصول فقہ کو پیش نظر رکھے' وہ منزل تک پہنچ سکتا ہے اور جو قواعد کلیہ فقہیہ کو سامنے رکھے' وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

علامہ قرانی نے جن قواعد کلیہ فقہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اگر ان کا بالاستیعاب عربی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ علماء' فقہاء اور مجتہدین کرام کے دینی افکار کتنے عمیق اور ان کا مطالعہ علوم دینیہ میں کتنا وسیع اور بلند تھا--- اور انہوں نے دین میں مہارت و کمال حاصل کرنے میں اور دین کی خدمت کرنے میں کتنی محنت اور جدوجہد کی ہے جس کے نتیجے میں مسائل فقہیہ کا عظیم الشان ذخیرہ وجود میں آیا' جس میں ہر جدید مسئلہ کے لیے خواہ وہ کتنا ہی نیا ہو' کہیں نہ کہیں کوئی جزئیہ ضرورت مل جاتا ہے۔

بلاشبہ ان قواعد کے مطالعہ اور مجتہدین کی اس عظیم و مخلصانہ جدوجہد کے علم سے شریعت اسلامیہ کے جاہ و جلال' اس کے وسعت و کمال' اس کی ہمہ گیری اور قرآن پاک کے "تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ" ہونے کا یقین کامل حاصل ہو سکتا ہے۔ بہ نظر اختصار مشتے نمونہ از خروارے ہم یہاں چند قوانین بیان کریں گے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ضروری بات یہ ہے کہ یہ قواعد کلیہ صرف اسی وقت استعمال ہوں گے' جب ادلہ شرعیہ میں سے کسی دلیل سے وہ حکم ثابت نہ ہوا ہو۔

(۱) نص شرعی کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں۔

(۲) "اَلۡاَصۡلُ فِي الۡاَشۡيَاءِ اِبَاحَةٌ"۔ یعنی ہر شے اصل میں مباح ہے' جب تک اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو۔

(۳) "مَا رَاٰهُ الۡمُسۡلِمُوۡنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ حَسَنٌ"۔ یعنی جسے دین دار و ذی علم مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت تراویح میں ختم قرآن کے وقت تقسیم شیرینی آتی ہے اور محافل میلاد النبی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا انعقاد بھی آجاتا ہے کہ ساری دنیا کے صحیح العقیدہ سنی علماء اس کو صدیوں سے مستحسن سمجھتے اور کرتے چلے آرہے ہیں اور ملک میں مسلمانوں کا اس پر عمل بھی جاری ہے۔

(۴) "اَلۡيَقِيۡنُ لَا يَزُوۡلُ بِالشَّكِّ"۔ یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی نے وضو کیا تھوڑی دیر کے بعد شک ہوا کہ معلوم نہیں کہ وضو باقی ہے یا ٹوٹ گیا تو اس اصول کے ماتحت اس کا وضو باقی ہے۔

(۵) "اَلۡحُدُوۡدُ تُسۡقَطُ مِنَ الشُّبُهَاتِ"۔ حدود شرعیہ شک و شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی قاعدے کے ماتحت شک کا فائدہ ملزم کو ملتا ہے۔

(۶) "اِذَا ابۡتُلِيۡتَ بِبَلِيَّتَيۡنِ فَاخۡتَرۡ اَهۡوَنَهُمَا"۔ جب دو خرابیوں میں پھنس جائے تو کمتر کو اختیار کر لے۔

(۷) "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَرَ"۔ نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ۔

(۸) "اَلضَّرُوۡرَاتُ تُبِيۡحُ الۡمَحۡظُوۡرَاتِ"۔ ضرورت ممنوع شے کو جائز کر دیتی ہے' یہاں ضرورت سے شرعی ضرورت ہے۔

(۹) "اِذَا اجۡتَمَعَ الۡحَرَامُ وَالۡحَلَالُ غُلِبَ حُكۡمُ الۡحَرَامِ"۔ یعنی جب حرام اور حلال اکٹھے ہو جائیں تو

حرمت کا حکم غالب ہو گا۔ اس قاعدہ کی رو سے وہ پانی حرام ہو گا جس میں شراب کا ایک قطرہ بھی پڑ جائے۔۔۔ ایک معلم کلب یعنی تربیت یافتہ شکاری کتا دوسرے غیر تربیت یافتہ کتے کے ساتھ مل کر شکار کرلے تو وہ شکار بغیر ذبیحہ کے جائز نہ ہو گا۔ اگر بغیر ذبح کے مر گیا تو حرام ہو گا۔

فقہ میں ایسے قواعد کلیہ کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم چیز ان قواعد کا صحیح طریقہ استعمال ہے اور ان مواقع و مواضع کی معرفت جہاں ان کا استعمال کیا جائے۔ مثال کے طور پر یہ قاعدہ کہ "ضرورت ممنوع چیز کو مباح کر دیتی ہے۔ اس قاعدہ کو اس وقت تک کسی جگہ استعمال نہیں کیا جا سکتا جب تک ضرورت شرعیہ صحیحہ کا علم نہ ہو یا جیسے یہ قاعدہ کہ ہر چیز اصل میں مباح ہے جب تک اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو"۔ اس قاعدے کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ فقیہ کو اس امر کا پورا پورا علم ہو کہ اس مسئلہ خاص میں عدم جواز کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ بہر حال ان تمام قواعد فقہیہ کی تمام تر بنیاد قرآن کریم اور حدیث پاک ہیں۔ ان دونوں سے یہ تمام قواعد، وسیع مطالعہ، مہارت علم، تعمق نظر سے نہایت اعلیٰ مقدس مقاصد کے ساتھ اخذ کیے گئے ہیں۔ وہ صرف مجتہدین ہیں جنہوں نے خالصاً لوجہ اللہ اپنی پوری پوری زندگیاں اللہ جل وعلا اور اس کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے فقہی مسائل کا وہ عظیم الشان ذخیرہ مرتب فرمادیا جو ہر زمانہ کی مقتضیات کی کفالت کرتا رہے گا۔ یہ ہر کس و ناکس بے بس کی بات نہ تھی۔ نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے، جبکہ علم کمال کا فقدان ہو گیا ہے۔ تجدید و احیائے دین کے علمبرداروں کا تو یہ حال ہے کہ فقہاء و مجتہدین کی تصنیفات کے ناموں کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے کی استعداد بھی نہیں رکھتے۔

ان تمام تفصیلات سے میرا مقصد دو باتوں کی وضاحت کرنا ہے۔ اول یہ کہ کس طرح قرون اولیٰ میں مجتہدین صالحین نے علوم فقہ کو مرتب فرمایا کہ خالصاً لوجہ اللہ دین کی خدمت کی۔ قرآن کریم اور احادیث سے متعلق علوم کی تدوین میں کئی صدیاں درکار ہوئیں۔ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ قرآن کی تفاسیر لکھی گئیں، جن میں سے بعض بعض تفسیریں ایک ایک ہزار جلدوں میں ہیں۔ اس طرح احادیث کو بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں جمع کیا گیا اور مختلف انداز پر ان کو مرتب فرمایا اور احادیث اور شروح احادیث میں ہزاروں کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان سے علم اصول فقہ وجود میں آیا۔ تب کہیں صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور کے بعد علمائے امت اس قابل ہوئے، انہیں قرآن و حدیث سے احکام و مسائل کے استخراج و استنباط کا سلیقہ آیا۔ اس لیے ان ائمہ فقہ نے بڑی محنت و کاوشوں سے ادلہ شرعیہ کا تعین کیا اور اس سے بے شمار فقہی جزئیات و مسائل بیان فرمائے اور کثیر تعداد میں قواعد کلیہ فقہیہ بھی مرتب فرمائے اور ان کی روشنی میں بھی لاتعداد مسائل بیان فرمائے۔ اس طرح انہوں نے فقہ کا اتنا عظیم ذخیرہ جمع کر دیا کہ وہ رہتی دنیا تک کام دیتا رہے گا۔ آج علم کی ناقدری کا یہ عالم ہے کہ عوام کو تو جانے دیجئے، خواص اور اخص الخواص تک ان تمام کتابوں کے نام سے بھی واقفیت نہیں رکھتے اور افسوس صد افسوس ان کتابوں کا پڑھنا تو درکنار ان کے اوراق گننے والے بھی نہیں ملتے۔ کشف وغیرہم نے ان میں سے بہت سی کتابوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ شریعت اسلامیہ کا ایک عظیم الشان کام ایک ہزار سال قبل ہوا جب سے اب تک کے طویل زمانہ میں نہ معلوم کتنے انقلاب آئے۔ تہذیبیں بدل گئیں، اخلاقی قدروں میں انقلاب آگیا۔ سیکڑوں حکومتیں بنیں، بگڑیں اور مٹ گئیں۔ طرح طرح کے نظریات، عقائد اور مذاہب پیدا ہوئے۔ اس دوران لاتعداد مسائل ابھر کر آئے۔ ان گنت شرعی ضرورتیں پیش آئیں اور ہر دور کے علماء فقہ و مفتیان کرام ان تمام جدید مسائل اور نئے نئے تقاضوں کا حل فقہ کے اس عظیم ذخیرہ سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ فقہ کا یہ ذخیرہ پرانا ہو چکا ہے اور یہ اسی زمانہ کی ضرورت کے مطابق تھا۔

اب یہ عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا' اس لیے ہمیں براہ راست قرآن و حدیث سے رابطہ پیدا کرنا چاہیے' حالانکہ ان فقہاء میں اپنے زمانے کے بے مثل و یگانہ روزگار علمائے کاملین تھے جو صاحب علم کے ساتھ ساتھ صاحب تقویٰ بھی تھے۔ جن کے علم کا شہرہ ملک اور بیرون ملک دیگر مسلم ممالک میں تھا۔ فقہائے بغداد' فقہائے مصر و شام' فقہائے سمرقند و بخارا' فقہائے ہند و پاکستان۔ ان جلیل القدر اور عظیم المرتبت فقہا میں سے بیشتر صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں۔ ان مشہور و معروف فقہاء میں فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین ہیں جو اپنے زمانے کے منفرد و بے مثل علماء میں سے تھے۔ ان ہی میں علامہ ابن عابدین المعروف بہ علامہ شامی ہیں جن کی مایہ ناز فقہ کی کتاب "ردالمحتار" اس وقت بھی دنیائے اسلام میں معتمد و مستند ہے۔ خود ہندوستان میں اس چودھویں صدی اور اس سے کچھ پہلے بڑے بڑے متبحر علمائے دین گزرے ہیں۔ فقہاء دلی' فقہائے فرنگی محلی' فقہائے جونپور' علمائے بدایوں' علمائے بریلی اور علمائے مسلک دیوبند ہیں' ان میں سے اکثر صاحب تصنیف و تالیف ہیں اور صاحب فتویٰ ہیں۔ چودھویں صدی کے نصف اول میں قابل ذکر مولانا عبدالحئ فرنگی محلی ہیں' جو صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ اسی دور کے ایک متبحر عالم' فقیہ بے بدل حضرت مولانا احمد رضا صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے عظیم تفقہ فی الدین کا ہر مسلک کے علماء کو اعتراف ہے جن کی تصانیف ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔ یہ صاحب فتویٰ ہیں۔ ان کا فتاویٰ رضویہ بارہ ضخیم جلدوں میں ہے اور کئی ہزار بڑی تقطیع کے صفحات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے بڑے سے بڑے پیچیدہ مسئلہ پر بڑے محققانہ مباحث کیے ہیں۔ علمائے عرب و عجم نے ان کی مہارت فقہ کو تسلیم کیا ہے۔ ان سب کے زمانہ میں عصر نو کے نئے نئے تقاضے ابھرے۔ جنگ آزادی کے مسائل پیدا ہوئے۔ نئی تہذیب اور نئے تمدن کے مسائل پیش آئے مگر وہ ان سب مسائل کو فقہ کے اسی عظیم ذخیرہ ہی سے حل کرتے رہے جو ہزار سال قبل مجتہدین کرام اور ائمہ فقہ نے قرآن مجید اور احادیث پاک کی روشنی میں بڑی جاں فشانی کے ساتھ مرتب کیا تھا' جس سے یہ امر بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ فقہ کا یہ عظیم' کامل اور جامع ذخیرہ رہتی دنیا تک کام آتا رہے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا علم اور اس پر عبور حاصل کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے فقہ کے اس ذخیرہ کا علم حاصل نہ کیا وہی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس میں دور حاضر کے مسائل کے متعلق احکام موجود نہیں ہیں۔ اس طرح کی بات دو طرح کے لوگ کہتے ہیں: ایک وہ طبقہ جو اجتہاد اور تقلید کو مانتا ہی نہیں اور دوسرا وہ طبقہ جو اپنی لاعلمی اور نادانی سے ایسا کہنے لگا ہے۔ حالانکہ وہ اجتہاد کے بھی قائل ہیں اور تقلید بھی کرتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں سے میری گزارش ہے کہ وہ صدق دل سے فقہ کا علم حاصل کریں۔ خلوص کے ساتھ محنت و جدوجہد سے فقہاء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ عقلیت پسندی اور سہل پسندی کا راستہ چھوڑ محنت اور لگن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کو حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیں اور اپنی زندگی ان میں لگائیں تب ان کی نگاہ میں فقہ کی اہمیت و عظمت پیدا ہوگی۔ پھر وہ یقیناً اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوں گے۔ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور حقیقت حال روشن ہو جائے گی۔

فقہ اسلامی کے بارے میں ہم یہاں بین الاقوامی شہرت کے مالک محقق قانون دانوں کی کچھ آراء نقل کرتے ہیں جن سے فقہ اسلامی کی عظمت کا اندازہ ہو سکے گا۔

سلیم باز جو لبنان کے مشہور عالم اور قانون دان تسلیم کیے گئے ہیں "مجلہ الاحکام الشرعیہ" میں رقمطراز ہیں: میرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلامی فقہ کے ذریعہ انسان کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی ہیں خواہ وہ کاروباری معاملات اور معلومات ہوں یا دوسرے مقدمات' سب کا حل اس میں موجود ہے۔ فقہ اسلامی کی کتابوں کا وسیع ذخیرہ نہ صرف مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے کتب خانوں میں پایا جاتا ہے' بلکہ ہالینڈ کے شہر سیڈن' روم' برلن' پیرس' برٹش میوزیم' نیز ونکن محل میں بھی پایا جائے

اعظم کے کتب خانے میں فقہ کی کتابوں کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ ان کتب خانوں میں جو کتابیں ہیں' وہ ہزاروں علمائے اسلام کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہیں۔ کتابوں کا وسیع ذخیرہ اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ فقہ اسلامی و شریعت میں انسان کی تمام ضروریات اور مسائل و احکام کا حل موجود ہے اور ہر معاملہ میں کسی نہ کسی فقیہ اور عالم کا قول ان کتابوں میں مل سکتا ہے...... وائناویونیورسٹی کے لاء کالج کے پرنسپل پروفیسر شپرل نے ۱۹۲۷ء کی قانون کانفرنس میں کہا تھا: عالم انسانیت کو یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امی ہونے کے باوجود ایسی شریعت تیرہ سو سال پہلے پیش کی کہ اگر اہل مغرب دو ہزار سال کے بعد بھی اس کی اونچی چوٹی پر پہنچ جائیں تو ہم اپنے آپ کو سب سے زیادہ خوش نصیب سمجھیں گے۔ "یحلہ الازھر"۔

پروفیسر وہیری نے ایک ترک ادیب کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ "تمہاری فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ تم نے کیوں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام اور قانون نظام فقہ اسلامی سے اخذ نہیں کیے"۔

فرانسیسی پروفیسر لام بیری کی رائے ہے کہ جو کتابیں اسلامی شریعت کے بارے میں لکھی گئی ہیں' وہ غیر فانی خزانہ اور لازوال سرچشمہ ہیں' جنہیں مسلمانوں کی غفلت اور بے توجہی سے زمانہ نے پوشیدہ کر دیا ہے۔

عظیم خطرہ

احیائے دین کے دعویداروں کا یہ پروپیگنڈہ کہ فقہ کا یہ ذخیرہ اس زمانے کی ضرورت کے مطابق تھا آج کے دور میں یہ نئے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا' اس لیے ہمیں براہ راست قرآن و حدیث سے رابطہ پیدا کرنا چاہیے' دراصل ایک عظیم خطرہ کا سگنل ہے۔ اگر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں تو تصور کیجئے کہ دین کی شکل و صورت کیا ہوگی۔ مذہبی تعلیمات شدید ترین انتشار اور بحران سے دوچار ہو جائیں گی۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کی موجودہ شکلیں باقی نہ رہ سکیں گی کہ یہ بھی فقہ کے اس پرانے ذخیرہ سے وابستہ ہیں۔ غرضیکہ دین کا کوئی مسئلہ اپنی جگہ باقی نہ رہ سکے گا' پھر ہر شخص براہ راست قرآن و حدیث سے رابطہ پیدا کر لینے کا دعویدار بنے گا اور تجدید دین کی ہی نئی راہیں کھولے گا--- اور قرآن و حدیث کی نئی نئی تشریح و تعبیر اور تفسیریں ہوں گی اور دینی تعلیمات کی تراش و خراش کے لیے من مانے نئے نئے ڈھانچے بنائے جائیں گے جن میں قرآن و حدیث کے نام پر اپنی عقل و ناقص رائے کو دخیل کیا جائے گا۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال!

مولانا محمد ناظم علی خاں قادری

مسئلہ تقلید

تقلید کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

ایک ہنگامہ محشر ہو تو اس کو روؤں' سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے دل میں خیال آتا ہے۔ آئے دن تقلید کے نام پر ایک نہ ایک فتنے وجود میں آتے رہتے ہیں۔ مذہب اسلام پر مخالفین کے کس قدر حملے ہو رہے ہیں احاطہ قلم اور وسعت تحریر سے باہر ہے۔ روئے زمین پر کچھ ایسے بھی ہیں جو غیر مقلد کے نام سے موسوم تو ہیں لیکن حقیقت تقلید اور اس کی ماہیت سے بہرہ و آگہی نہیں رکھتے' اس لیے وہ اہل تقلید کو بدعتی اور مشرک قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے تقلید کے معنی لغوی کی طرف صرف نظر اور یہ ہنگامہ مچا رکھا کہ تقلید تو کہتے ہیں کسی کی غلامی کا قلاوہ گردن میں ڈال لینا۔ کاش! وہ اس حقیقت کی اطلاع یابی کے لیے ذرا بھی طبع سلیم اور فکر قویم پر زور دیتے تو وہ اس قسم کے بیباکانہ کلمات سے گریز کرتے۔ پہلے انہیں حقیقت تقلید پر غور کر کے یہ پتہ اور سراغ لگانا تھا کہ تقلید کیا ہے' تقلید کسے کہتے ہیں' تقلید کا حیات انسانی اور بشری زندگی سے کیا تعلق و رشتہ ہے۔ کیا یہ جدید ایجاد و اختراع ہے یا دور رسالت اور عہد صحابہ سے ہے۔ ماخذ شرع میں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نہیں۔ اس سارے گوشوں اور پیچیدہ پہلوؤں پر نظر و فکر کرنا تھی پھر کسی قول یا تحریر کی طرف اقدام کی ضرورت تھی۔ ایک محرر اور اسپیک کی یہ ذمہ داری اور ملی فریضہ ہے کہ مذہبی مسائل میں تعصب و نفس پرستی سے کام نہ لے۔ تقلید کا معنی لغوی اگرچہ کسی کی غلامی کا قلاوہ گردن میں ڈال لینا ہے لیکن اس کا منقول عرفی کچھ اور ہے جو رموز و اسرار کا جامع ہے۔ اگر صرف اس کے لغوی معنی پر نظر رکھی جائے اور معنی عرفی سے قطع نظر کر لیا جائے' تو یقیناً یہ شبہات حاشیہ ذہن پر آسکتے ہیں۔ عقل انسانی محو حیرت ہو سکتی ہے۔ سب سے پہلے اقسام تقلید اور اس کی صورتوں کو واضح کردوں تاکہ حقیقت تقلید واضح ہو جائے اور مقصد اقرب الی الذہن اور اسہل الی الفہم ہو۔

تقلید کی دو ہیئتیں ہیں: ایک تقلید مطلق اور ایک تقلید شخصی۔ اول الذکر کہتے ہیں کہ فہم مسائل اور بھل قضا کے لیے کسی ایک عالم کو مخصوص و متعین نہ کیا جائے' بلکہ اسے اختیار ہے اگر کسی مسئلے میں کسی ایک عالم کا مسلک اختیار کیا ہے تو دوسرے میں اس کا مسلک اختیار نہ کیا جائے' بلکہ اس کے علاوہ غیر کی اقتداء اور پیروی کر سکتا ہے۔ یہ تو ہے تقلید مطلق لیکن تقلید شخصی

اس کا نام نہیں ہے' بلکہ اس کا اپوزٹ اور مخالف ہے' کیونکہ تقلید شخصی میں انسان خود مختار نہیں رہتا ہے' بلکہ اسے کسی عالم کا مکلف و پابند ہونا پڑتا ہے۔ اگر کسی قضیہ میں صعوبت پیش آئے تو اسی ایک عالم کی طرف رجوع کرے اور اسی کی تقلید و اقتدا کرے کیونکہ انسانی زندگی میں بہت سے ایسے مسائل پیش آتے ہیں جو لاینحل ہوتے ہیں۔ قرآن کی آیات مجمل و مشکل بھی ہیں' اس میں کچھ آیات قضیہ ہیں۔ بعض آیات بعض سے متعارض بھی ہیں۔ صورت تطبیق اور طریقہ اندفاع اسے معلوم نہیں اسے تردد و اشتباہ پیدا ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں انسان محض اپنے ذہن و فکر اور عقل خالص ہی سے کام نہ لے' بلکہ کسی تبحر عالم و مجتہد کی اقتداء اور پیروی کرے' اس کی طرف راہ و سبیل تلاش کرے کسی غیر کی طرف رجوع نہ کرے۔ یہ ہے تقلید شخصی جو عہد رسالت اور دور صحابہ سے ہے۔ نیز اس پر اجماع امت ہے جیساکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی اس عبارت سے صاف صاف واضح ہے جو انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ میں رقم فرمایا ہے کہ

"یہ چار مسلک جو مدون ہو کر تحریری شکل میں موجود ہیں ان کی تقلید کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے اور اس میں مصلحتیں ہیں وہ پوشیدہ رہ نہیں سکتیں۔ بالخصوص اس زمانے میں جب کہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں' خواہش پرستی لوگوں کی گھٹی میں پڑ گئی ہے اور ہر ایک صاحب رائے اپنی رائے پر گھمنڈ کرنے لگا ہے"۔

عبارت مذکورہ بالا سے یہ امر غیر خفی اور نمایاں طور پر ثابت ہے کہ تقلید کوئی جدید ایجاد و اختراع نہیں ہے بلکہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اہل تقلید کو بدعتی اور مشرک کہنا بے بنیاد ہے جو حقائق واقعہ سے بے بہرہ لوگوں کا طریقہ ہے' کوئی صاحب الرائے اور عدل پرور اس قسم کی دریدہ دہنی سے کام نہیں لے سکتا کیونکہ جس چیز پر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ ثابت ہوں' جو صحابہ اور کبار تابعین کا لائحہ عمل اور آئین حیات رہا ہو' جس کی حقانیت روشن و نمایاں ہو اس کی حقانیت کا منکر اور حقیقت واقعہ سے برگشتہ وہی ہو سکتا ہے جس کے عقل و خرد پر پردہ پڑ چکا ہو' حق بات سمجھ میں نہ آتی ہو کیونکہ تقلید شخصی کے بغیر حیات انسانی عبث و بیکار نظر آتی ہے۔ سفینہ زندگی ساحل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا' اسی لیے اللہ رب العزت نے اس مسئلہ کو قرآن حکیم میں خوب خوب واضح فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔

اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے جو بات میں کاوش کرتے ہیں۔

قرآن کی اس آیت سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہے کہ اہل سنت استنباط اور تخریج احکام بھی کر سکتے ہیں' اسی حقیقت کو یہ آیت مبارکہ بھی واضح کر رہی ہے کہ

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

کہ میری طرف رجوع لانے والوں کی پیروی اور ان کا اتباع کرو۔

یہ نہیں فرمایا کہ وَاتَّبِعْ سَبِيْلِيْ کہ میری طرف راہ اتباع ڈھونڈو کیونکہ یہ ایک دشوار گزار امر ہے جو قدرت انسانی سے بالاتر اور طاقت انسانی سے ماورا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنے بندگان خاص کو مخصوص فرمالیا ہے جو قضیہ لاینحل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ تعارض و تناقض اور تردد و اشتباہ میں صورت توفیق اور طریقہ اندفاع ڈھونڈ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ قرآن کی آیت مسطورہ بالا میں صیغہ امر (دال علی الوجوب) اور خصوصاً لفظ مَنْ حقیقت تقلید شخصی اور اس کے وجوب کو خوب خوب واضح کر رہا ہے۔ حضرت حذیفہ الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے یہ مسئلہ بالکل بے

غبار ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں کب تک تم لوگوں میں رہوں گا۔ لہٰذا میرے بعد ان دونوں شخصوں کی پیروی کرنا' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ انسان تقلید شخصی کا محتاج ہے۔ تقلید شخصی حق ہے۔ یہ عہد رسالت سے ہے' اس پر صحابہ نے کوئی چون وچرا نہ کیا' کیونکہ تقلید شخصی ایک ضروری شے تھی اور امر لابدی تھا۔ انسان اس کے بغیر بلا راس و قدم کے نظر آتا ہے۔ رسول پاک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس غیب کی خبر رکھ رہے تھے کہ میرے بعد کچھ ایسے جراثیم پیدا ہوں گے جو بے سروپا ہوں گے۔ انسانی زندگی کے لئے ہلاکت خیز اور ذلت آمیز راہیں ڈھونڈیں گے' اس لیے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ میرے بعد ان دونوں کی اقتداء کرنا۔ اہل علم پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ اقتداء اور تقلید میں کون سا رشتہ ہے نسبت متباینہ ہے یا متساویہ' متلازمہ تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے بعد پیش آنے والا واقعہ ہے۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اہل یمن کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید واجب کر دی تھی۔ جب نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاضی یمن بنا کر بھیجا تو اس وقت آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اے معاذ! اگر کوئی قضیہ پیش آجائے تو کیسے قضا قائم کرو گے۔ تو آپ نے عرض کیا کہ کتاب وسنت کے مطابق۔ پھر میرے آقا نے پوچھا' معاذ! اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو کیا کرو گے تو عرض کیا اَجْتَهِدُ بِرَائِیْ (یعنی اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا) اور تلاش حق میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس پر رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (فرط مسرت سے) اپنا دست اقدس میرے سینہ پر مارا اور فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِهٖ بِمَا يَرْضٰی بِهٖ رَسُوْلُهٗ۔

حمد ہے اس ذات کی جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق بخشی جس پر اس کا رسول راضی ہے۔

یہ مسئلہ اس سے خوب واضح ہو جاتا ہے کیونکہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام فقہاء وصحابہ میں صرف حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل یمن کی طرف قضا کے لیے منتخب فرمایا اور صرف کتاب وسنت ہی نہیں' بلکہ اپنی قوت اجتہاد اور وسعت استنباط سے بھی قضاء مشکلہ کے حل کی اجازت عطا فرمائی اور یہ قضا اہل یمن کے لیے لازم کر دیا۔ تقلید شخصی کا مسئلہ کس قدر بے غبار اور محکم ہے کہ ذرا بھی قوت فکر پر زور دیا جائے تو مسئلہ واضح ہو جائے' لیکن معاندین حق جو عداوت دین میں حقیقت بدیہیہ غیر خفیہ پر طالب و برہان و دلیل ہیں اور نہ ماننے کی قسم کھائے ہوئے ہیں' خدا ایسے بدباطن اور کوتاہ فہم لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے اور فہم حق کے لیے طبع سلیم اور فکر قویم بخشے۔ تعصب و عناد' تعسف و نفسانیت اور تحکم و ہٹ دھرمی سے دور رکھے۔ آمین۔

بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ صَلَاةً وَّسَلَامًا اِلٰی يَوْمِ الْيَقِيْنِ۔

از قلم : شیخ طریقت علامہ الحاج سید شاہ نعیم اشرف اشرفی جیلانی
سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ احمدیہ جائس شریف ضلع رائے بریلی

دیں ہمہ اوست

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَاَشْرَفِ الرُّسُلِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ سُفُنِ الْھُدٰی وَنُجُوْمِ السُّبُلِ۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ! | ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن ست | چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست
بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست | اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ڈاکٹر اقبال صاحب فاضل العلوم مستغرب، فارسی عربی کے رمز شناس مستشرق مفکر عصر، اظہار و بیان کے نابغہ روزگار شاعر و ادیب ہیں۔ انہوں نے نہایت جامع انداز میں بتادیا ہے کہ دین کہاں سے کہاں تک ہے اور دین میں نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اثر و نفوذ کیا اور کتنا ہے۔

ناقابل تردید بات ہے کہ جملہ ادیان و ملل اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ اس کائنات کا خالق و مالک ایک اور صرف ایک ہے جو مختلف زبانوں میں جدا جدا لفظوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی بات ہے کہ نبی مرسل رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے وحدانیت خالصہ کو دنیا فراموش کر چکی تھی۔ ثنویت پرستی، تثلیث پرستی، بے شمار خداؤں کی پرستش کا سکہ پوری دنیا میں چل رہا تھا۔ فاران کی چوٹیوں سے نور مبین نے طلوع ہو کر پوری دنیا سے وحدانیت خالصہ کو منوالیا، اب نور و ظلمت، حق و باطل، خیر و شر اور ایمان و کفر میں امتیاز "لا الہ الا اللہ" نہیں ہے بلکہ "محمد رسول اللہ" ہے۔

مردم شماری کے مسلمانوں نے ۷۲ فرقے نکال لیے ہیں، الگ الگ ناموں سے اپنی شناخت بنالی ہے۔ خوبصورت اور بدصورت استدلال کے ہینڈ بیگ سب کے ہاتھوں میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے صحابیوں کو مخاطب کر کے زمین پر انگلی سے ایک سیدھی لکیر بنائی اور اس میں دونوں طرف چھوٹی چھوٹی شاخیں نکال دیں اور فرمایا کہ یہ سیدھی لکیر صراط مستقیم ہے اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں باطل پسند لوگوں کی ہیں۔ یہ حدیث بھی ایک میزان ہے، معیار ہے، محک ہے۔

ایک دو یا چند خوبیوں کا نام اسلام نہیں ہے، بلکہ جاں نثارانہ خود سپردگی، کامل اہتمام عظمت، علم و عقل سے بلند تر محبت کا ہمہ وقتی مظاہرہ اور مکمل اتباع رسول مگر صرف نماز اور داڑھی کی اتباع نہیں، بلکہ پورے نظام اخلاق نبوی کی اتباع۔

جن جماعتوں نے آج یا کبھی بھی استخفاف مقام نبوت کیا ہے وہ کوئی چھوٹی لکیر ضرور بن گئی۔ یہ بے شبہ بات ہے چاہے وہ فلکار رشدی ہو، صاحب دستار مولوی یا نبوت کی کرسی بچھانے والا کسی مدرسہ کا بانی ہو یا کرسی پر بیٹھ جانے والا قادیانی۔ خروج مع اپنے فروع کے، تشیع مع اپنے تمام انواع کے، فلسفے کے بوجھ سے دبے ہوئے دہریت پسند اہل علم شبلی سے نظام معتزلی تک سب کے سب صراط مستقیم سے پھسل کر چھوٹی چھوٹی لکیریں بنانے والی جماعتیں ہیں۔

علماء سوء کی نشاندہی میری ذمہ داری نہیں، علماء حق میں اس صدی کے چند مشاہیر کے نام پیش خدمت ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مجدد ملت، صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب اشرفی مراد آبادی، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی رضوی اعظمی، ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین بہاری رضوی، حضرت مولانا انوار اللہ شاہ قادری حیدر آبادی رحمتہ اللہ علیہم۔

ابھی چند سال قبل رخصت ہونے والے مقتدار و مقدس علماء حق حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب نوری شہزادۂ اعلیٰ حضرت بریلوی، حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھ شریف، امام النحو صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی اشرفی میرٹھی، حضرت حافظ ملت علامہ عبدالعزیز صاحب اشرفی قادری محدث مبارک پوری، حضرت مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب قادری اشرفی رئیس اعظم اڑیسہ، حضرت علامہ مفتی محمد رفاقت حسین صاحب اشرفی، شمس العلماء حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب اشرفی، حضرت علامہ سلیمان صاحب اشرفی بھاگل پوری، حضرت مولانا کوثر صاحب قادری بنارسی (محب اہل بیت) رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

موجود مشاہیر علماء اہلسنّت میں حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی، حضرت علامہ ارشد القادری صاحب ناظم تعلیمات نظامیہ حیدر آباد حضرت علامہ پاشا قادری و دیگر متبحر علماء مدرسہ نظامیہ نیز علماء عظام و مشائخ کرام حیدر آباد و صوبہ جات دکن، حضرت مفتی عبدالمنان صاحب، حضرت مفتی عبدالجلیل صاحب اشرفی، حضرت مولانا غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی، حضرت خواجہ مظفر رضوی، حضرت مولانا مفتی قاری محمد میاں صاحب مظہری دہلوی، حضرت علامہ مفتی اشفاق نعیمی اشرفی رضوی جودھپور، شمس العلماء حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب حبیبی الہٰ آبادی (جن کا ابھی ابھی چند روز قبل انتقال ہو گیا) حضرت مولانا معین الدین خاں صاحب اعظمی، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی بمبئی، حضرت مولانا نصیرالدین اشرفی کشن گنج، حضرت مولانا وجود القادری صاحب و دیگر علماء ربانیین باندہ شریف، مولانا اختر رضا خاں صاحب ازہری بریلوی (نبیرۂ اعلیٰ حضرت) مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری شہزادۂ صدر الشریعہ گھوسی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جونپور، الحمدللہ کہ میرے خلف اکبر و ولی عہد مولانا الحاج سید محمد اشرف کلیم اشرفی جیلانی ایم اے بھی اسی ممتاز صف علماء میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور بھی مایہ افتخار قابل ذکر شخصیتیں ہیں جو عجلت اور تنگی وقت کی وجہ سے تحریر میں نہ آسکیں، کیونکہ یہ مضمون قلم برداشتہ لکھنا پڑا۔

مولانا محمد تحسین رضا قادری دیناج پوری
محمد نگر شکلا گنج گنگا گھاٹ اناؤ، یو۔پی

واقعہ افک

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی

پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْھُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

(سورۂ نور پ۱۸ ع۷)

تو تمہارا پردہ کھول دیتا بیشک وہ کہ یہ بڑا بہتان لائے ہیں تمہی میں کی ایک جماعت ہے۔ اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ ان میں ہر شخص کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا۔ اور ان میں وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان ص ۵۶۱ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی نمبر ۳)

غزوۂ مریسیع

اس کا دوسرا نام "غزوۂ بنی المصطلق" بھی ہے۔ "مریسیع" ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے آٹھ منزل دور ہے۔ قبیلہ خزاعہ کا ایک خاندان "بنو المصطلق" یہاں آباد تھا اور اس قبیلہ کا سردار حارث بن ضرار تھا۔ اس نے بھی مدینہ پر فوج کشی کے لیے لشکر جمع کیا تھا۔ جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو ۲/ شعبان ۵ھ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس غزوہ میں حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے ساتھ تھیں۔ جب حارث بن ضرار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوگئی تو اس پر ایسی دہشت سوار ہوگئی کہ وہ اور اس کی فوج منتشر ہوگئی، مگر خود مریسیع کے باشندوں نے لشکر اسلام کا سامنا کیا اور جم کر مسلمانوں پر تیر برسائے لیکن جب مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر حملہ کیا تو دس کفار مارے گئے اور ایک مسلمان بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ باقی تمام کفار گرفتار ہوئے جن کی تعداد سات سو سے زائد تھی۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں صحابہ کرام کے ہاتھ آئیں۔

(زرقانی شریف ج ۲ ص ۹۷ تا ۹۸)

واقعہ افک

اس غزوہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ واپس آنے لگے تو ایک منزل پر رات میں قیام کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بند ہودج میں سوار ہو کر سفر کرتی تھیں اور چند مخصوص آدمی اس ہودج کو اونٹ پر لادنے اور اتارنے کے لیے مقرر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لشکر کی روانگی سے کچھ پہلے لشکر سے باہر رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئیں، جب واپس ہوئیں تو دیکھا کہ ان کے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے۔ وہ دوبارہ اس ہار کی تلاش میں لشکر سے باہر چلی گئیں۔ اس مرتبہ واپسی میں کچھ دیر لگ گئی اور لشکر روانہ ہو گیا۔ آپ کا ہودج لادنے والوں نے یہ خیال کر کے کہ ام المومنین ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں، ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور پورا قافلہ منزل سے روانہ ہو گیا۔ جب حضرت عائشہ منزل پر واپس آئیں تو یہاں کوئی موجود نہ تھا۔ تنہائی سے سخت گھبرائیں، اندھیری رات میں اکیلی چلنا بھی خطرناک تھا، اس لیے وہ سوچ کر وہیں لیٹ گئیں کہ جب اگلی منزل پر لوگ مجھے نہ پائیں گے تو یقیناً میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ وہ لیٹی لیٹی سو گئیں۔ ایک صحابی جن کا نام صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، وہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے پیچھے اس خیال سے چلا کرتے تھے کہ لشکر کا گرا پڑا سامان اٹھاتے چلیں۔ جب وہ اس منزل پر پہنچے تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا اور چونکہ پردہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے وہ بارہا ام المومنین کو دیکھ چکے تھے، اس لیے دیکھتے ہی پہچان لیا اور انہیں مردہ سمجھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا۔ اس آواز سے وہ جاگ اٹھیں۔ حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ہی اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور خود اونٹ کی مہار تھام کر پیدل چلتے ہوئے اگلی منزل پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔

(سیرۃ المصطفیٰ ص ۳۲۷)

منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی نے اس واقعہ کو حضرت ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے کا ذریعہ بنا لیا اور اس کی خوب خوب تشہیر کی کہ مدینہ طیبہ میں ہر چہار جانب افترا کا چرچا ہونے لگا اور بعض مسلمان مثلاً حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اس تہمت کی تشہیر میں حصہ لیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس شرانگیز تہمت سے بے حد رنج و صدمہ پہنچا اور مخلص صحابہ بھی رنجیدہ ہوئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ پہنچتے ہی سخت بیمار ہو گئیں۔ پردہ نشین تو تھیں ہی، صاحب فراش ہو گئیں اور انہیں اس تہمت تراشی کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ گو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی کا پورا پورا علم و یقین تھا، اس لیے کہ نبی غیب داں ہوتا ہے مگر چونکہ معاملہ اپنی بیوی کا تھا، اس لیے سرکار دو جہاں نے اپنی طرف سے اپنی بیوی کی براءت اور پاک دامنی کا اعلان اچھا نہیں سمجھا اور وحی الٰہی کا انتظار فرمانے لگے۔ ہاں! اس درمیان آپ اپنے مخلص اصحاب سے اس معاملہ میں مشورہ فرماتے رہے، تاکہ ان لوگوں کے خیالات کا پتہ چل سکے۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۴)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب آپ نے تہمت کے بارے میں گفتگو فرمائی تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک مکھی بھی بیٹھ سکے جو نجاستوں پر بیٹھتی ہے تو بھلا جو عورت ایسی برائی کی مرتکب ہو خداوند قدوس کب اور کیسے گوارا فرمائے گا کہ وہ آپ کی زوجیت سے وابستہ رہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سایہ کو

زمین پر نہیں پڑنے دیا کہ اس پر کسی کا پاؤں نہ پڑے تو بھلا اس معبود برحق کی غیرت کب یہ گوارا کرے گی کہ کوئی انسان آپ کی زوجہ محترمہ کے ساتھ ایسے قبیح فعل کا مرتکب ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گزارش کہ کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ آپ کے نعلین اقدس میں نجاست لگ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو خبر دی کہ آپ اپنی نعلین اقدس کو اتار دیں' اس لیے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا "معاذ اللہ" ایسی ہوتیں تو ضرور اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرمادیتا کہ "آپ کو اپنی زوجیت سے نکال دیں"۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس تہمت کی خبر سنی تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اے بیوی! بتا اگر حضرت صفوان بن معطل کی جگہ میں ہوتا تو کیا تو یہ گمان کر سکتی ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرم پاک کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟ تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جگہ میں رسول پاک کی بیوی ہوتی' تو بخدا! میں کبھی بھی ایسی خیانت نہ کرتی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو مجھ سے لاکھ درجے بہتر ہیں اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بدرجہا تم سے بہتر ہیں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ یہ دونوں ایسی خیانت کریں گے۔

(مدارک التنزیل مصری ج ۲ ص ۱۳۴ تا ۱۳۵)

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں حضرت علی اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب مشورہ طلب فرمایا تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برجستہ کہا اھلک ولا نعلم الا خیرا۔ کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم انہیں پاک جانتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں ڈالی ہے۔ عورتیں ان کے سوا بہت ہیں اور آپ ان کے بارے میں ان کی لونڈی "حضرت بریرہ" سے پوچھ لیں' وہ آپ سے سچ سچ کہہ دے گی۔ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب آپ نے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں کوئی عیب نہیں دیکھا' ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ ابھی وہ کمسن ہیں' وہ گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا ڈالتی ہے!۔۔۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مقدسہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت فرمایا جو حسن و جمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مثل تھیں تو انہوں نے قسم کھا کر یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اَحْمِیْ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا۔

میں اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں تو حضرت بی بی عائشہ کو بہت اچھی جانتی ہوں۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۶ باب حدیث الافک)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے فرمایا کہ اس شخص کی طرف سے مجھے کون معذور سمجھے گا یا میری مدد کرے گا جس نے میری بیوی پر بہتان تراشی کر کے دل آزاری کی ہے۔

وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا۔ وَلَقَدْ ذَکَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَیْہِ اِلَّا خَیْرًا۔

میں اپنی بیوی کو ہر طرح اچھا جانتا ہوں۔ اور ان لوگوں (منافقوں) نے (اس بہتان میں) ایک ایسے مرد (صفوان ابن معطل) کا ذکر کیا ہے جس کو میں بالکل اچھا ہی جانتا ہوں۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۵ باب حدیث الافک)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بر سر منبر اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی براءت و طہارت اور عفت و پاک دامنی کا پورا پورا علم اور یقین تھا اور وحی نازل ہونے سے پہلے ہی آپ کو معلوم تھا کہ منافق جھوٹے اور ام المومنین پاک دامن ہیں' ورنہ آپ بر سر منبر قسم کھا کر ان دونوں کی خوبیوں کا مجمع عام میں ہرگز اعلان نہ فرماتے۔ قبل سے اعلان عام نہ فرمانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ اپنی بیوی کی پاک دامنی کا اپنی زبان سے اعلان کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مناسب نہیں سمجھتے تھے' لیکن جب منافقین نے بے حد شور و غوغا کیا تو اللہ کے رسول نے منبر پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اس کے باوجود سرکار کو اعلان عام کے لیے وحی الٰہی کا انتظار رہا جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سفر سے آتے ہی بیمار ہو کر صاحب فراش ہو گئی تھیں' اس لیے وہ اس بہتان تراشی سے بالکل ہی بے خبر تھیں۔ جب انہیں مرض سے کچھ افاقہ ہوا تو ایک رات حضرت ام مسطح صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رفع حاجت کے لیے صحرا میں تشریف لے گئیں۔ ان کی زبانی سنا۔ حضرت صدیقہ نے اس دل خراش اور روح فرسا خبر کو سنا جس سے انہیں قلبی اذیت ہوئی اور وہ شدت رنج و غم سے نڈھال ہو گئیں۔ اس طرح ان کی بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ دن رات بلک بلک کر روتی رہیں' آخر جب یہ صدمہ جانکاہ برداشت نہ ہو سکا تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی والدہ (ام رومان) کے گھر چلی گئیں اور اس منحوس خبر کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے تسلی و تشفی دی مگر حضرت عائشہ برابر روتی ہی رہیں۔ ناگہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ! تمہارے بارے میں اس قسم کی خبر اڑائی گئی ہے اگر تم پاک دامن ہو اور یہ خبر جھوٹی ہے تو عنقریب خداوند تعالیٰ تمہاری برات کا بذریعہ وحی اعلان فرما دے گا' ورنہ تم توبہ و استغفار کر لو کیونکہ جب کوئی بندہ خدا سے توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہو گئیں اور انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب دیں۔ صدیق اکبر نے فرمایا: کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں؟ پھر انہوں نے ماں سے جواب دینے کی درخواست کی تو ان کی ماں نے بھی یہی کہا۔ پھر خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ لوگوں نے مجھ سے متعلق بے بنیاد بات اڑائی ہے اور لوگ مشکوک ہو رہے ہیں اور کچھ لوگ اس کو سچ سمجھ چکے ہیں' اس صورت میں اگر میں یہ کہوں کہ میں پاک دامن ہوں تو لوگ اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں اس برائی کا اقرار کر لوں تو سب مان لیں گے' حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری اور پاک دامن ہوں۔ اس وقت میری مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) جیسی ہے' لہٰذا میں بھی وہی کہتی ہوں جو انہوں نے کہا تھا یعنی فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے کروٹ بدل کر منہ پھیر لیا۔

حضرت عائشہ کی پاکی پر نزول وحی

اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس تہمت سے بری اور پاک دامن ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری برات کو ظاہر فرما دے گا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب سن کر ابھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ ناگہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ آپ پر نزول وحی کے وقت کی بے چینی شروع ہو گئی اور باوجودیکہ شدید سردی کا وقت تھا مگر پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے ٹپکنے لگے۔ نزول وحی کے بعد

ہنستے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے عائشہ! تم خدا کا شکرادا کرتے ہوئے اس کی حمد کرو کہ اس نے تمہاری براءت اور پاک دامنی کا اعلان فرمادیا اور پھر آپ نے قرآن مجید کی سورۂ نور میں سے دس آیتوں کی تلاوت فرمائی جو اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ سے شروع ہو کر وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ پر ختم ہوتی ہے۔

(سیرت المصطفیٰ ص ۳۴۲، و بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۵ و ۹۶)

ان آیات کے نازل ہو جانے کے بعد منافقوں کا منہ فق ہوگیا اور حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس طرح چمک اٹھا کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے دلوں کی دنیا روشن ہوگئی۔ (سیرت المصطفیٰ ص ۳۴۲، و بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۵ و ۹۶)

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک خطبہ پڑھا اور سورۂ نور کی آیتیں تلاوت فرما کر مجمع عام میں سنا دیں اور تہمت لگانے والوں میں سے حضرت حسان بن ثابت و حضرت مسطح بن اثاثہ و حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ان چاروں کو حد قذف کی سزا میں اسی اسی درے مارے گئے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۳)

اقول: اسی سال یعنی ۵ھ میں حد قذف (کسی پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا) اور لعان و ظہار کے احکام نازل ہوئے۔

(فقیر قادری غفرلہ)

شارح بخاری علامہ کرمانی علیہ الرحمتہ نے فرمایا: کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت اور پاک دامنی قطعی اور یقینی ہے جو قرآن سے ثابت ہے اور اگر کوئی اس میں ذرا بھی شک کرے، تو وہ کافر ہے۔ (حاشیہ بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۵)

نیز دوسرے تمام فقہاء امت کا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرت عائشہ کی فضیلت اور خصوصیات

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ اے نبی کی بیوی (حضرت عائشہ) تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

(قرآن شریف ص ۲۲ سورۂ احزاب)

(ترجمہ کنزالایمان ص ۶۷۳ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئے نمبر ۳)

فقہ و حدیث کے علوم میں ازواج مطہرات کے اندر ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے اور دو ہزار دو سو دس حدیثیں انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں، کہ مجھے تمام ازواج مطہرات پر ایسی دس فضیلتیں حاصل ہیں جو دوسری ازواج مطہرات کو حاصل نہیں ہوئیں:

۱۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

۲۔ میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے میری براءت اور پاک دامنی کا بیان آسمان سے قرآن میں نازل فرمایا۔

۴۔ نکاح سے قبل حضرت جبرئیل امین نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھا دی تھی اور آپ مسلسل تین رات مجھے خواب میں ملاحظہ فرماتے رہے۔

۵۔ میں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں سے پانی لے لے کر غسل کیا کرتے تھے۔ یہ شرف میرے سوا

ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

۶۔ حضور اقدس نماز تہجد پڑھتے تھے اور میں آپ کے آگے سوئی ہوئی رہتی تھی۔ امہات المومنین میں سے کوئی بھی حضور کی اس کریمانہ محبت سے سرفراز نہیں ہوئی۔

۷۔ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی لحاف میں سوتی رہتی تھی اور آپ پر خدا کی وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ یہ وہ اعزاز خداوندی ہے جو میرے سوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی ازواج مطہرات کو حاصل نہیں ہوا۔

۸۔ وفات اقدس کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لیے ہوئے بیٹھی تھی اور آپ کا سرانور میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور اسی حالت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

۹۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری باری کے دن وفات پائی۔

۱۰۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبرانور خاص میرے گھر میں بنی۔

(زرقانی شریف، ص ۲۲۳ جلد ۳، فقط واللہ اعلم)

از : اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ

ثبوت و دلائل

شافع محشر

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفیع ہونا کس حدیث سے ثابت ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْبَصِیْرِ السَّمِیْعِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الْبَشِیْرِ الشَّفِیْعِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ کُلِّ مَسَاءٍ وَّمُطِیْعٍ۔

سبحان اللہ! ایسے سوال سن کر کتنا تعجب آتا ہے کہ مسلمان و مدعیان سنیت اور ایسے واضح عقائد میں تشکیک کی آفت یہ بھی قرب قیامت کی ایک علامت ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ○

احادیث شفاعت بھی ایسی چیز ہیں جو کسی طرح چھپ سکیں۔ بیسیوں صحابہ، صدہا تابعین، ہزارہا محدثین ان کے راوی۔ حدیث کی ہر گونہ کتابیں صحاح، سنن، مسانید، معاجیم، جوامع مصنفات ان سے مالا مال۔ اہلسنّت کا ہر متنفس یہاں تک کہ زنان و اطفال، بلکہ دہقانی جہال بھی اس عقیدے سے آگاہ۔ خدا کا دیدار، محمد کی شفاعت، ایک ایک بچے کی زبان پر جاری، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وشرف ومجد وکرم۔

فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے رسالہ "سمع وطاعہ لاحادیث الشفاعہ" میں بہت کثرت سے ان احادیث کی جمع و تلخیص کی۔ یہاں بہ نہایت اجمال صرف چالیس حدیثوں کی طرف اشارت اور ان سے پہلے چند آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہوں۔

آیت اولیٰ: قال اللہ تعالیٰ:

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○ قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں بھیجے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی مقام محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا:

هُوَالشَّفَاعَةُ۔ وہ شفاعت ہے۔

آیت ثانیہ: قال اللہ تعالیٰ:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ اور قریب تر ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

دیلمی مسند الفردوس میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی، جب یہ آیت اتری حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَنْ لَّا اَرْضٰى وَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِىْ فِى النَّارِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ۔ طبرانی، معجم اوسط اور بزار مسند میں اس جناب مولی المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَشْفَعُ لِاُمَّتِىْ حَتّٰى يُنَادِيَنِىْ رَبِّىْ اَرَضِيْتَ يَا مُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ اَىْ رَبِّ رَضِيْتُ۔ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب پکارے گا، اے محمد! تو راضی ہوا۔ میں عرض کروں گا اے رب میرے! میں راضی ہوا۔

آیت ثالثہ: قال اللہ تعالیٰ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کو حکم دیتا ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہ مجھ سے بخشواؤ اور شفاعت کاہے کا نام ہے۔

آیت رابعہ: قال اللہ تعالیٰ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے پاس حاضر ہوں، پھر خدا سے استغفار کریں اور رسول ان کی بخشش مانگے تو بیشک اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ گناہ کر کے اس نبی کی سرکار میں حاضر ہو اور اس سے درخواست شفاعت کرو۔ محبوب تمہاری شفاعت فرمائے گا تو ہم یقیناً تمہارے گناہ بخش دیں گے۔

آیت خامسہ: قال اللہ تعالیٰ:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ۔ جب ان منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہاری مغفرت مانگیں تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔

اس آیت میں منافقوں کا حال بدمال ارشاد ہوا کہ وہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت نہیں چاہتے پھر جو آج نہیں چاہتے، وہ کل نہ پائیں گے اور جو کل نہ پائیں گے وہ بالکل نہ پائیں گے۔ اللہ دنیا و آخرت میں ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔

حشر میں ہم بھی سیر دیکھیں گے
منکر آج ان سے التجا نہ کرے

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

الاحادیث

شفاعت کبریٰ کی حدیثیں جن میں صاف صریح ارشاد ہوا کہ عرصات محشر میں وہ طویل دن ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے اور سروں پر آفتاب اور دوزخ نزدیک۔ اس دن سورج میں دس برس کامل کی گرمی جمع کریں گے اور سروں سے کچھ ہی فاصلے پر لا کر رکھیں گے۔ پیاس کی وہ شدت کہ خدا نہ دکھائے۔ گرمی وہ قیامت کی کہ اللہ بچائے۔ بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہو کر اوپر چڑھے گا یہاں تک کہ گلے گلے سے بھی اونچا ہوگا۔ جہاز چھوڑیں تو بہنے لگیں۔ لوگ اس میں غوطے کھائیں گے۔ گھبرا گھبرا کر دل حلق تک آ جائیں گے۔ لوگ ان عظیم آفتوں میں جان سے تنگ آ کر شفیع کی تلاش میں جابجا پھریں گے۔ آدم و نوح، خلیل و کلیم و مسیح علیہم الصلوۃ والتسلیم کے پاس حاضر ہو کر جواب صاف سنیں گے۔ سب انبیاء فرمائیں گے ہمارا یہ مرتبہ نہیں، ہم اس لائق نہیں، ہم سے یہ کام نہ نکلے گا نَفْسِیْ نَفْسِیْ تم اور کسی کے پاس جاؤ یہاں تک کہ سب کے بعد حضور پرنور خاتم النبین، سید الاولین، والاخرین، شفیع المذنبین، رحمتہ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "انا لھا انا لھا" فرمائیں گے یعنی میں ہوں شفاعت کے لیے، میں ہوں شفاعت کے لیے۔ پھر اپنے رب کریم جل جلالہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سجدہ کریں گے۔ ان کا رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو تمہاری بات سنی جائے گی اور مانگو تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے۔

یہی مقام محمود ہوگا جہاں تمام اولین و آخرین میں حضور کی تعریف و حمد و ثنا کا غل پڑ جائے گا اور موافق و مخالف سب پر کھل جائے گا۔ بارگاہ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی کی نہیں اور ملک عظیم جل جلالہ کے یہاں جو عظمت ہمارے مولیٰ کے لیے ہے کسی کے لیے نہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسی کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ کے مطابق لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ پہلے اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے پاس جائیں اور وہاں سے محروم پھر کر ان کی خدمت میں حاضر آئیں، تاکہ سب جان لیں کہ منصب شفاعت اسی سرکار کا خاصہ ہے، دوسرے کی مجال نہیں کہ اس کا دروازہ کھول سکے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

یہ حدیثیں صحیح بخاری و صحیح مسلم تمام کتابوں میں مذکور اور اہل اسلام میں معروف و مشہور ہیں۔ ذکر کی حاجت نہیں کہ بہت طویل ہیں۔ شک لانے والا اگر دو حرف بھی پڑھا ہو تو مشکوۃ شریف کا اردو میں ترجمہ منگا کر دیکھ لے یا کسی مسلمان سے کہے کہ پڑھ کر سنا دے اور انہیں حدیثوں کے آخر میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ شفاعت کرنے کے بعد حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخشش گناہگاران کے لیے بار بار شفاعت فرمائیں گے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ وہی کلمات فرمائے گا اور حضور ہر مرتبہ بے شمار بندگان خدا کو نجات بخشیں گے۔ میں ان مشہور حدیثوں کے سوا ایک اربعین یعنی چالیس حدیثیں اور لکھتا ہوں جو گوش عوام تک کم پہنچی ہوں جن سے مسلمان کا ایمان ترقی پائے، منکر کا دل آتش غیظ میں جل جائے، بالخصوص جن سے اس ناپاک تحریف کا رد شریف ہو جو بعض بددینوں، خدا ناترسوں، ناحق کوشوں، باطل کیشوں نے معنی شفاعت میں کیں اور انکار شفاعت کے چہرۂ نجس چھپانے کو ایک جھوٹی صورت نام کی شفاعت دل سے گڑھی۔ ان حدیثوں سے واضح ہوگا کہ ہمارے آقائے اعظم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت کے لیے متعین ہیں۔ انہیں کی سرکار بیکس پناہ ہے' انہیں کے در سے بے یاروں کا نباہ ہے' نہ جس طرح ایک بدمذہب کہتا ہے کہ جس کو چاہے گا اپنے حکم سے شفیع بنادے گا۔ یہ حدیثیں ظاہر کریں گی کہ ہمیں خدا و رسول نے کان کھول کر شفیع کا پیارا نام بتادیا اور صاف فرمایا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ یہ بات گول رکھی ہو جیسے ایک بدبخت کہتا ہے کہ اسی کے اختیار پر چھوڑ دیجئے جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کردے۔ یہ حدیثیں مژدۂ جانفزا دیں گی کہ حضور کی شفاعت نہ اس کے لیے ہے جس سے اتفاقاً گناہ ہوگیا ہو اور وہ اس پر ہروقت نادم و پشیمان و ترساں و لرزاں ہے جس طرح اک دزد باطن کہتا ہے کہ چور پر تو چوری ثابت ہوگئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا' مگر نفس کی شامت سے قصور ہوگیا' سو اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے۔ نہیں نہیں ان کے رب کی قسم جس نے انہیں شفیع المذنبین کیا ان کی شفاعت ہم جیسے روسیاہوں' پرگناہوں' سیہ کاروں ستم گاروں کے لیے ہے جن کا بال بال گناہ میں بندھا ہے' جن کے نام سے گناہ بھی ننگ و عار رکھتا ہے۔ ع

ترسم آلودہ شود دامن عصیاں از من

وَحَسْبُنَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الشَّفِیْعِ الْجَمِیْلِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ بِاُلُوْفِ التَّبْجِیْلِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حدیث نمبرا و ۲

امام احمد بہ سند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور ابن ماجہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی' حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خُیِّرْتُ بَیْنَ الشَّفَاعَۃِ وَبَیْنَ اَنْ یَّدْخُلَ شَطْرُ اُمَّتِی الْجَنَّۃَ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَۃَ لِاَنَّھَا اَعَمُّ وَاَکْفٰی اَتُرَوْنَھَا لِلْمُؤْمِنِیْنَ الْمُتَّقِیْنَ لَا وَلٰکِنَّھَا لِلْمُذْنِبِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے' میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے' کیا تم یہ سمجھ لیے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے نہیں' بلکہ وہ ان گناہگاروں کے واسطے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

حدیث نمبر ۳

ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی' حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

شَفَاعَتِیْ لِلْھَالِکِیْنَ مِنْ اُمَّتِیْ۔

میری شفاعت ان امتیوں کے لیے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔

حق ہے اے شفیع میرے' میں قربان تیرے صلی اللہ علیک۔

حدیث نمبر۴ تا ۸

ابوداؤد، و ترمذی، و ابن حبان، و حاکم، و بیہقی بافادۂ تصحیح حضرت انس بن مالک اور ترمذی، و ابن ماجہ، و ابن حبان، و حاکم حضرت جابر بن عبداللہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور خطیب بغدادی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق و حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ — میری شفاعت میری امت میں ان کے لیے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْکَ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حدیث نمبر۹

ابوبکر احمد بن علی بغدادی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الذُّنُوْبِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ — میری شفاعت میرے گنہگار امتیوں کے لیے ہے۔

ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرِقَ۔ — اگرچہ زانی اور چور ہو۔

فرمایا:

وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرِقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِی الدَّرْدَاءِ۔ — اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو برخلاف خواہش ابودرداء کے۔

حدیث نمبر۱۰ و ۱۱

طبرانی و بیہقی حضرت بریدہ اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنِّیْ لَاَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِاَکْثَرَ مِمَّا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ وَّحَجَرٍ وَّمَدَرٍ۔ — یعنی روئے زمین پر جتنے پیڑ پتھر ڈھیلے ہیں، میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت فرماؤں گا۔

حدیث نمبر۱۲

بخاری، مسلم، بیہقی، حاکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، واللفظ لھذین حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شَفَاعَتِیْ لِمَنْ شَھِدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا یُصَدِّقُ لِسَانَہٗ قَلْبُہٗ۔ — میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو۔

حدیث نمبر ۱۳

احمد، طبرانی و بزار حضرت معاذ بن جبل و حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّھَا اَوْسَعُ لَھُمْ ھِیَ لِمَنْ مَّاتَ وَلَا یُشْرِكُ بِاللّٰہِ شَیْئًا۔

شفاعت میں امت کے لیے زیادہ وسعت ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

حدیث نمبر ۱۴

طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اٰتِیْ جَھَنَّمَ فَاَضْرِبُ مَا بِھَا فَیُفْتَحُ لِیْ فَاَدْخُلُھَا فَاَحْمَدُ اللّٰہَ مَحَامِدَ مَا حَمِدَہٗ اَحَدٌ قَبْلِیْ مِثْلَہٗ وَلَا یَحْمَدُہٗ اَحَدٌ بَعْدِیْ مِثْلَہٗ ثُمَّ اُخْرِجُ مِنْھَا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُلَخَّصًا۔

میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا، وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے۔ پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خالص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔

حدیث نمبر ۱۵

حاکم بافادۂ تصحیح اور طبرانی و بیہقی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یُوْضَعُ لِلْاَنْبِیَآءِ مَنَابِرُ مِنْ ذَھَبٍ فَیَجْلِسُوْنَ عَلَیْھَا وَیَبْقٰی اُمَّتِیْ بَعْدِیْ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ یَامُحَمَّدُ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ اَصْنَعَ بِاُمَّتِكَ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ عَجِّلْ حِسَابَھُمْ فَمَا اَزَالُ حَتّٰی اُعْطِیَ قَدْ بُعِثْتُ بِھِمْ اِلَی النَّارِ وَحَتّٰی اَنَّ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ فَیَقُوْلُ یَامُحَمَّدُ مَا تَرَكْتَ لِغَضَبِ رَبِّكَ فِیْ اُمَّتِكَ مِنْ بَقِیَّۃٍ۔

انبیاء کے لیے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے، وہ ان پر بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی رہے گا کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا، بلکہ اپنے رب کے حضور سروقد کھڑا ہوں گا، اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد رہ جائے، پھر عرض کروں گا، اے رب میرے! میری امت، میری امت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد! تیری کیا مرضی ہے میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں؟ عرض کروں گا اے رب میرے! ان کا حساب جلد فرما دے، پس میں شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے ان کی رہائی کی چٹھیاں ملیں گی جنہیں دوزخ بھیج چکے تھے یہاں تک کہ مالک داروغہ دوزخ عرض کرے گا، اے محمد! آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حدیث نمبر ۱۶ تا ۲۱

بخاری و مسلم و نسائی حضرت جابر بن عبداللہ اور احمد بہ سند حسن اور بخاری تاریخ میں اور بزار طبرانی و بیہقی و ابو نعیم حضرت عبداللہ بن عباس اور احمد بہ سند حسن و بزار بہ سند جید و دارمی و ابن ابی شیبہ و ابو یعلی و ابو نعیم و بیہقی حضرت ابو ذر اور طبرانی معجم اوسط میں بہ سند حضرت ابو سعید خدری اور کبیر میں حضرت سائب بن یزید اور احمد باسناد حسن اور ابن ابی شیبہ و طبرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی---

وَاللَّفْظُ لِجَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُعْطِيْتُ مَا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِىْ اِلٰى قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ۔

ان چھوؤں حدیثوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں شفیع مقرر کر دیا گیا اور شفاعت خاص مجھ کو عطا ہو گی' میرے سوا کسی نبی کو یہ منصب نہ ملا۔

حدیث نمبر ۲۲ و ۲۳

ابن عباس و ابو سعید و ابو موسیٰ سے انہیں حدیثوں میں وہ مضمون بھی ہے جو احمد و بخاری و مسلم نے انس اور شیخین نے ابو ہریرہ سے روایت کیا رضی اللہ عنہم اجمعین کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَاتٌ قَدْ دَعَا بِهَا فِيْ اُمَّتِهٖ وَاسْتُجِيْبَ لَهٗ وَهٰذَا اللَّفْظُ لِاَنَسٍ وَلَفْظُ اَبِىْ سَعِيْدٍ لَيْسَ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَقَدْ اُعْطِىَ لَهٗ رَجَعْنَا اِلٰى لَفْظِ اَنَسٍ وَاَلْفَاظُ الْبَاقِيْنَ كَمِثْلِهٖ مَعْنٰى قَالَ وَاِنِّىْ اِخْتَبَاْتُ دَعْوَتِىْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (زَادَ اَبُوْمُوْسٰى) جَعَلْتُهَا لِمَنْ مَّاتَ مِنْ اُمَّتِىْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا۔

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوتی ہیں مگر ایک دعا انہیں خاص جناب باری تبارک و تعالیٰ سے ملتی ہے کہ جو چاہو مانگ لو بے شک دیا جائے گا۔ تمام انبیاء کرام' آدم سے عیسیٰ تک علیہم الصلوٰۃ والسلام' سب اپنی اپنی وہ دعا دنیا میں کر چکے اور میں نے آخرت کے لیے اٹھا رکھی' وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے قیامت کے دن۔ میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِجَاهِهٖ عِنْدَكَ اٰمِيْن۔

اللہ اکبر! اے گنہگاران امت! کیا تم نے اپنے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ کمال رافت و رحمت اپنے حال پر نہ دیکھی کہ بارگاہ الٰہی عز جلالہ سے تین سوال حضور کو ملے کہ جو چاہو مانگ لو عطا ہو گا۔ حضور نے ان میں کوئی سوال اپنی ذات پاک کے لیے نہ رکھا' سب تمہارے ہی کام میں صرف فرما دیئے۔ دو سوال دنیا میں کیے وہ بھی تمہارے ہی واسطے' تیسرا آخرت کو اٹھا رکھا وہ تمہاری اس عظیم حاجت کے لیے جب اس مہربان مولیٰ رؤف و رحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا بگڑی بنانے والا نہ ہو گا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حق فرمایا حضرت حق عزوجل نے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ واللہ العظیم! قسم اس کی جس نے انہیں آپ پر مہربان کیا کہ ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زنہار اتنی مہربان نہیں جس قدر وہ اپنے ایک امتی پر مہربان ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الٰہی تو ہمارا عجز و ضعف اور ان کے حقوق عظیمہ کی عظمت جانتا ہے۔ اے قادر! اے واجد! اے ماجد! ہماری طرف سے

ان پر اور ان کی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو ان کے حقوق کو وافی ہوں اور ان کی رحمتوں کو مکافی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ قَدْرِ رَاْفَتِهٖ وَرَحْمَتِهٖ بِاُمَّتِهٖ وَقَدْرَ رَاْفَتِكَ وَرَحْمَتِكَ بِهٖ اٰمِيْنَ - اٰمِيْنَ اِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِيْنَ۔

سبحان اللہ! امتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی افضلیت میں تشکیکیں نکالتا ہے' کوئی ان کی شفاعت میں شبہ ڈالتا ہے' کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے' کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر کراتا ہے۔ افعال محبت کا بدعت نام اجلال و ادب پر شرک کے احکام۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○

حدیث نمبر ۲۴

صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے۔ میں نے دو بار تو دنیا میں عرض کرلی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَّرْغَبُ اِلَيَّ فِي الْخَلْقِ حَتّٰى اِبْرَاهِيْمَ۔

الٰہی میری امت کی مغفرت فرما' الٰہی میری امت کی مغفرت فرما اور تیسری عرض اس دن کے لیے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الٰہی میری طرف نیاز مند ہوگی یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام بھی۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

حدیث نمبر ۲۵

بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسریٰ اپنے رب سے عرض کی کہ تو نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے۔ رب عز مجدہ نے فرمایا:

اَعْطَيْنَاكَ خَيْرًا مِّنْ ذَالِكَ (اِلٰى قَوْلِهٖ) خَبَاْتُ شَفَاعَتَكَ وَلَمْ اَخْبَاْهَا لِنَبِيٍّ غَيْرِكَ۔

میں نے تجھے عطا فرمایا جو ان سب سے بہتر ہے' میں نے تیرے لیے شفاعت چھپا رکھی اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی۔

حدیث نمبر ۲۶

ابی شیبہ و ترمذی بافادۂ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ و حاکم بحکم تصحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ كُنْتُ اَنَا اِمَامُ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبُهُمْ وَصَاحِبُ شَفَاعَةٍ غَيْرَ فَخْرٍ۔

قیامت کے دن میں انبیاء کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا۔

حدیث نمبر ۲۷ تا ۴۰

ابن منیع حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِهَا لَمْ یَکُنْ مِّنْ اَهْلِهَا۔

میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا اس کے قابل نہ ہوگا۔

منکر مسکین اس حدیث متواتر کو دیکھے اور اپنی جان پر رحم کر کے شفاعت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنَّکَ هَدَیْتَ فَاٰمَنَّا بِشَفَاعَةِ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِهَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ یَا اَهْلَ التَّقْوٰی وَاَهْلَ الْمَغْفِرَةِ وَاجْعَلْ اَشْرَفَ صَلٰوتِکَ وَاَنْمٰی بَرَکَاتِکَ وَاَزْکٰی تَحِیَّاتِکَ عَلٰی هٰذَا الْحَبِیْبِ الْمُجْتَبٰی وَالشَّفِیْعِ الْمُرْتَجٰی وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ دَائِمًا اَبَدًا اٰمِیْنَ! اٰمِیْنَ! یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی
ترجمہ : مولانا محمد اصغر فاروقی

فضائل درود شریف

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔
علامہ شمس الدین خطیب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ میں النَّبِیِّ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ سے حق تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر خصوصی رحمت نازل فرمائی جائے اور ملائکہ بھی آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔ صلوہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے اور فرشتوں کی طرف سے استغفار کا اظہار ہے۔ ابو العالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوۃ فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف و توصیف کرنا ہے اور فرشتوں کی صلوۃ یہ ہے کہ وہ بارگاہ نبوت میں دعا کرتے رہیں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ یعنی ان کے لیے رحمت کی دعا کرو۔ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا سلام و ثنا کے تحائف پیش کرو۔ جہاں تک ممکن ہو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت اور برتری بیان کی جائے۔ مدح و ثنا کی کثرت کی جائے اور حسن اتباع سے جس بات کا آپ حکم فرمائیں اسے بجالایا جائے اور انہی زبانوں سے آپ کی ذات گرامی پر سلام بھیجا جائے۔ سلام میں تاکید کے لیے مصدر کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے لیکن صلوۃ میں مصدر کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ صلوۃ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یعنی اللہ اور فرشتوں سے موکد تھی اور سلام حضور کی امت کے لیے خاص تھا۔

حضرت امام بیضاوی کی تشریح

حضرت امام بیضاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شرف کا اظہار فرمایا گیا ہے اور آپ کی شان رفعت کا بیان ہے۔ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اے ایمان والو! تم بھی اس بات کی کوشش کرو کہ حضور کی ذات والا صفات کی برتری کو بیان کیا جائے۔ تمہارے لیے یہ بات زیادہ بہتر ہے اور کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا) اور کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پھر کہا، ان احکام پر عمل کرو اور فرماں بردار بن جاؤ۔ یہ آیت فی الجملہ، حضور کی ذات گرامی پر صلوۃ و سلام کے وجوب پر دلالت کرتی ہے چنانچہ جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک لیا جائے آپ کی ذات والا صفات پر درود پاک پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اور حافظ سخاوی نے فرمایا اور انہوں نے ابن عبد البر سے بیان کیا کہ حضرات علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر مسلمان کے لیے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اسی آیہ کریمہ کی رو سے فرض ہے۔ امام قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زندگی بھر میں ایک بار درود پڑھنے کے وجوب میں تو کسی کو اختلاف نہیں۔ یہ سنت موکدہ کی طرح نہایت ضروری ہے۔ اس سے پہلے ابن عطیہ رضی اللہ عنہ بھی یہی بات کہہ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا ہر حال میں سنت ہے جسے کسی صورت میں بھی ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اس نیک کام سے وہی شخص غفلت کر سکتا ہے جس میں نیکی کی رمق باقی نہ ہو۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز کے آخری تشہد میں درود پاک پڑھنا واجب ہے۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے شاگردوں کے نزدیک بھی یہی بات درست ہے' لیکن بعض حضرات نے بلایقین کثرت سے درود پاک پڑھنا واجب قرار دیا ہے۔

امام طحاوی رضی اللہ عنہ کی رائے

امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک ایمان دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر سنے یا آپ کا اسم گرامی زبان پر لائے تو آپ کی ذات گرامی پر درود شریف ضرور بالضرور پڑھے۔ امام حلیمی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احترام اور تعظیم ایمان کا ایک حصہ ہے۔ آپ کی تعظیم کا مقام محبت سے بلند تر ہے۔ اندریں حالات ہم پر لازم ہے کہ آپ کے ساتھ محبت کریں اور تعظیم بجالائیں۔ یہ محبت اور عزت بیٹے کی والد' غلام کی آقا کے تمام احترام واعزاز سے بلند و بالا ہے۔ یہی مقصد ہے قرآن کریم کی آیات کا اور اسی مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوئے ہیں۔

حافظ سیوطی کا بیان

حافظ سیوطی درمنثور میں لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو مبارک باد دیتے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کی یہ روایت مختلف تفاسیر اور احادیث میں منقول ہے کہ وہ ایک بار کعب بن عجرہ سے ملے۔ انہوں نے فرمایا: میں تمہیں ایک ایسا تحفہ دینا چاہتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ میں نے کہا ضرور مجھے ایسا تحفہ دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ آیت نازل ہوئی تو ہم نے عرض کی' یارسول اللہ! ہم آپ کو سلام عرض کرتے رہتے ہیں مگر آپ پر صلوۃ کیسے بھیجی جائے؟ آپ نے فرمایا: کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ بعض دوسری روایت میں ان الفاظ کو کمی و بیشی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

علامہ قسطلانی کا قول

علامہ قسطلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی شرح بخاری اور کتاب مواہب اللدنیہ میں عارف ربانی ابی محمد المرجانی سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے كَمَا صَلَّيْتَ اور كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ فرمایا ہے لیکن كَمَا

صَلَّيْتَ عَلٰی مُوْسٰی نہیں فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجلی جلالی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلوۂ خداوندی سے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تجلی جمالی تھی۔ محبت اور خلت جمالی آثار میں سے ہوا کرتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے درود اس طرح بھیجا کرو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان جمالی پر موزوں ہے۔ اس واقعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برابری کی دلیل نہیں ہے' کیونکہ آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی امت کو ایسی تجلی کے حصول کی دعا کا سبق دیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی۔ حدیث پاک کا تقاضا محض مشارکت فی الوصف ہے اور وہ تجلی جمالی میں ہے۔ مراتب میں برابری کا تقاضا ہرگز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں مقربوں پر اپنی تجلی جمالی ان کے مراتب اور مقامات کے مطابق وارد فرماتا ہے۔ اگرچہ دونوں تجلی کے وصف میں مشترک ہیں لیکن وہ ہر شخصیت پر علیحدہ علیحدہ مقام و تزکیہ کے لحاظ سے تجلی ڈالتا ہے۔ ان مراتب و مقامات کے حدود کا تعین تو اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہیں بلند و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مطلوبہ صلوۃ بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی صلوۃ سے اعلیٰ اور برتر ہوگی۔

امام نووی نے بھی اسی موضوع کی تائید میں ایک لطیف بات فرمائی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درود شریف کی تشبیہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بہت خوب ہے باوجودیکہ آپ کی ذات سیدنا ابراہیم سے بہت افضل ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ تشبیہ اصل صلوۃ کی اصل صلوۃ کے ساتھ ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الجوھر المنظم فی زیارہ القبر الشریف النبی المکرم" میں لکھتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم اور آپ کی مومن آل کو اس لیے ترجیح دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے برکت اور رحمت کو ان کے علاوہ کسی قوم میں یکجا نہیں فرمایا۔ سورۂ ہود میں فرمایا: آپ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

درود پاک تمام اعمال سے افضل ہے

علامہ احمد بن المبارک اپنی کتاب البریز' جو ان کے شیخ' غوث الزماں' بحر العرفان سیدنا عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات پر مشتمل ہے' کے گیارہویں باب میں فرماتے ہیں کہ حضرت دباغ علیہ الرحمہ سے اس قول کے بارے میں فرماتے سنا تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک ہر ایک شخص سے قطعی طور پر قبول ہے۔ آپ نے فرمایا: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود تمام اعمال سے افضل ہے اور یہ ان ملائکہ کا ذکر ہے جو اطراف جنت میں رہتے ہیں اور جب وہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود پاک پڑھتے ہیں تو اس کی برکت سے جنت کشادہ ہو جاتی ہے۔ وہ مسلسل ذکر کرتے رہتے ہیں اور جنت مسلسل بڑھتی رہتی ہے۔ وہ چلتے رہتے ہیں جنت ان کے پیچھے پیچھے چلتی رہتی ہے۔ جنت کشادگی اس وقت تک نہیں رکتی جب تک فرشتے تسبیح پڑھنا شروع نہیں کرتے اور یہ فرشتے اس وقت تسبیح پڑھنا شروع کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ جنت پر اپنی تجلی ڈالتا ہے۔ جونہی اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے' ملائکہ دیکھتے ہیں اور تسبیح بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تسبیح سنتے ہی جنت ٹھہر جاتی ہے اور اپنے باشندوں کے ساتھ قرار پاتی ہے۔ اگر یہ ملائکہ اپنی پیدائش کے وقت سے صرف تسبیح پر اکتفا کرتے تو آج تک جنت کبھی کشادہ نہ ہوتی اور وہ جوں کی توں ہی رہتی۔ یہ کشادگی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود کی برکات سے ہے۔

درود کی قبولیت کی شرط

درود پاک کی یقینی قبولیت پاکیزہ ذات اور طاہر قلب سے ہوتی ہے۔ جب انسان اپنی تمام بیماریوں بخل' حسد' ریا اور عجب وغیرہ سے مبرا ہو جاتا ہے تو وہ پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ بیماریاں بے شمار ہیں۔ پاکیزہ ذات اور طاہر قلب ان میں سے ایک بیماری بھی قبول نہیں کرتا۔ احادیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ مَنْ قَالَ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ سے مراد یہی پاکیزگی ہے۔ جب ذات اور دل طاہر ہو تو ایسی بات صرف اس کی ذات کے لیے کہی جاسکتی ہے اور اس کا قائل خاص اللہ کے لیے کہتا ہے۔ ابن المبارک فرماتے ہیں: میں نے آپ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود سے جنت بڑھتی ہے' تسبیح اور افکار سے نہیں بڑھتی اس کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا: کہ جنت کی اصل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے ہے' وہ اس کی طرف بچے کے باپ کی طرف مخلوق کی رغبت کرنے کی طرح بڑھتی ہے۔ جب وہ آپ کا ذکر سنتی ہے خوش ہوتی ہے اور اس کی طرف اڑتی چلی جاتی ہے' کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض و برکت حاصل کرتی ہے اور وہ فرشتے جو اس کے در و دیوار اور اطراف میں ہیں' نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر اور ان پر درود میں مصروف ہوتے ہیں۔ چنانچہ جنت ان کی طرف رجوع کرتی اور ان کی طرف جاتی ہے۔ وہ تمام اطراف میں ہوتے ہیں۔ جنت بھی تمام اطراف سے کشادہ ہوتی جاتی ہے۔ شیخ عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور ممانعت نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں جنت دنیا کی طرف نکل آتی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی جہاں بھی آپ تشریف لے جاتے اور جہاں آپ رات بسر کرتے وہ بھی وہاں ہی رات گزارتی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے سے روک دیا' تاکہ آپ کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل ہو۔ شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی امت جنت میں داخل ہوں گے' جنت دیکھ کر خوش ہوگی اور ان کے لیے کشادہ ہو جائے گی اور اسے بے پناہ خوشی و مسرت حاصل ہوگی۔ (مختصراً تقدیم و تاخیر کے ساتھ)

درود پاک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے

شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حافظ سخاوی اور انہوں نے فاکہانی سے نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ دوسرے انبیاء کو یہ بات حاصل نہیں' جہاں تک علم کا تعلق ہے قرآن اور دوسری کتابوں میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر کے لیے موجود نہیں' یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے جس کے ساتھ انبیاء میں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی مختص کیا ہے۔ ابو عثمان الواعظ امام سہل بن محمد بن سلیمان سے بیان کرتے ہیں کہ یہ شرف جس کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الایہ کے ساتھ مشرف فرمایا' آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے انہیں سجدہ کرنے کے حکم سے زیادہ اہم اور جامع ہے' کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اس شرف میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ شریک ہو۔ دوسری طرف خود اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اقدس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ بھیجنے اور درود پڑھنے میں شریک ملائکہ ہوئی' پھر آپ پر فرشتوں کے صلوۃ پڑھنے کی خبر دی ہے۔ وہ شرف جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے صادر ہو' وہ اس شرف سے زیادہ بلیغ ہے جس کے ساتھ صرف ملائکہ مختص ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ نہ ہو۔ حافظ نے کہا اور واحدی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت اصمی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا' میں نے مہدی کو بصرہ کے منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے کام کا حکم دیا ہے

جس کی ابتدا اس نے خود کی اور ملائکہ قدس نے ثنا کی۔ بس اس نے اپنے نبی کو شرف بخشتے ہوئے اور اس کی تکریم کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

انبیاء میں سے اس امر کے لیے آپ کو ترجیح دی اور لوگو! میں نے تمہیں اس چیز کا تحفہ دیا اور اس نعمت کا شکر ادا کرو اور آپ پر بکثرت صلوۃ وسلام پڑھتے رہو۔

سخاوی نے کہا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی تعظیم و تکریم کا اظہار ہے جو دوسری آیات میں نہیں ہے اور علامہ ابن حجر کی کتاب جواھر المنظم میں ہے کہ بیہقی نے ابن فدیک سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک فاضل سے بوقت ملاقات سنا۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کھڑا ہو کر یہ آیت تلاوت کرے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الایہ پھر کہے صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمْ اور ایک روایت میں ہے کہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ (ستر مرتبہ) فرشتہ اسے جواب میں کہتا ہے کہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا فُلَانُ لَمْ تَسْقُطْ لَكَ الْيَوْمَ حَاجَةٌ اور فرمایا: اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے نام کے ساتھ پکارنے کے جواز کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہمارے ائمہ نے اس کی حرمت کی تصریح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اور آپ کو يَا نَبِيَّ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کی مانند الفاظ سے پکارا جائے گا اور یہ حدیث صحیح اس کے معارض نہیں ہے کہ ایک نابینا صحابی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا' اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے صحت دے۔ آپ نے اسے اچھی طرح وضو کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ دعا مانگے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ لِيَقْضِيَ لِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ۔ پس وہ اس حال میں اٹھا کہ اس کی بصارت لوٹ آئی تھی۔ یہ حدیث اس کے لیے معارض نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صاحب حق ہیں۔ وہ جس طرح چاہیں تعلیم فرمائیں اور دوسرے اس پر قیاس نہیں کرسکتے۔ اسلاف نے اس دعا کو اپنی حاجات میں آپ کی وفات کے بعد استعمال کیا ہے اور بعض صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک ضرورت مند کو سکھائی۔ اس نے اس کے مطابق عمل کیا تو اس کی حاجت پوری ہو گئی۔ ابن حجر نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ توسل استغاثہ' تشفع اور توجہ یا دوسروں کے ساتھ انبیاء اور اسی طرح اولیاء کے ساتھ توسل وغیرہ میں کوئی فرق نہیں۔ علامہ سبکی نے بھی اس کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔

تنبیہات

درود اور سلام میں فرق

شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ تعظیم کے ساتھ پیوستہ رحمت ہے اور غیر پر مطلق رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے صلوۃ مطلق دعا ہے۔ اس معاملہ میں فرشتے اور انسان میں کوئی فرق نہیں۔ امیر اور حبان نے اسی طرح تحقیق کی ہے اور ابن حجر کی عبارت ان کی کتاب الجوھر المنظم میں یہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام کا معنی اللہ تعالیٰ سے صلوۃ تعظیم سے پیوستہ

رحمت ہے اور فرشتوں اور انسانوں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس کا سوال لیکن اسلام سے مراد عیوب و نقائص سے محفوظ رہنا ہے اور ایسے ہر نقص سے مبراذ کر کیا ہے۔ پس آپ کی یہ دعوت زمانہ کے ساتھ ساتھ بلند سے بلند تر ہوتی رہے گی اور امت بڑھتی رہے گی اور آپ کا ذکر بلند تر ہوتا رہے گا اور فرمایا کہ صرف صلوۃ یا صرف سلام پیش کرنا مکروہ ہے' جیسا کہ نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے علماء سے نقل کیا ہے کیونکہ آیت میں دونوں کے متعلق حکم وارد ہوا ہے اور خطیب پر علامہ مچیری کے حاشیہ میں ہے کہ اس کا موقع و محل شارع علیہ السلام سے جہاں وارد ہے اس کے علاوہ ہے' جیسے درود ابراہیمی ہے' پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس مقام پر بھی مکروہ ہے۔ مذکورہ کتاب میں علامہ ابن حجر نے ایک دوسرے مقام پر برکت کی شرح فرمائی ہے کہ برکت خیر و کرامت کی زیادتی اور اس کا بڑھتے رہنا ہے اور عیب سے پاک ہونا ہے اور مزید کہا کہ اس کا ہمیشہ قائم رہنا ہے چنانچہ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ کا معنی یہ ہیں کہ آپ کو پوری پوری بھلائی دے اور ان کے ذکر اور شریعت کو ہمیشہ رکھ' آپ کے متبعین کو بڑھا' انہیں آپ کی یمن و کرامت سے آشنا کر۔ بایں طور کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت ان کے حق میں قبول فرما اور انہیں جنت میں داخل کر اور بَارِكْ عَلٰى اٰلِهٖ کے معنی یہ ہیں کہ انہیں وہ بھلائی عطا فرما جو ان کے مناسب ہو اور اس بھلائی کو ان کے ساتھ ہمیشہ رکھ۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے بکر قیشری سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ' شرف و کرامت کی زیادتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ دوسروں پر رحمت ہے۔ فرمایا اس تقریر سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور باقی مسلمانوں میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ اور اس سورۃ میں اس سے پہلے کہا: هُوَ الَّذِیْ يُصَلِّیْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ۔

فرمایا: اور یہ بات معلوم ہے کہ جو مرتبہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس کے لائق ہے وہ اس سے بلند ہے جو دوسروں کے لیے مناسب ہے۔ علامہ قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں کہا ہے کہ ابن عربی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا فائدہ اسی کی طرف لوٹتا ہے جو آپ پر درود بھیجتا ہے کیونکہ یہ بات اس کے عقیدہ اور نیت کے خلوص' اظہار محبت' اطاعت پر ہمیشگی اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطہ کریمہ کے احترام پر دلالت کرتی ہے اور علامہ قسطلانی نے اپنے شیخ سخاوی سے' انہوں نے دو جلیل ائمہ حلیمی اور عزالدین بن عبدالسلام سے نقل کیا ہے کہ ہمارا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہماری طرف سے آپ کے لیے شفاعت نہیں ہے' کیونکہ ہم جیسا آپ جیسے کی شفاعت نہیں کر سکتا' لیکن خدا تعالیٰ نے ہمیں اس شخص کا بدلہ لینے کا حکم دیا ہے جو ہم پر احسان کرے اور انعام کرے' پس اگر ہم اس کا بدلہ دینے سے عاجز ہوں تو کم از کم دعا کے ذریعہ اس کا بدلہ دیں گے' پس جب اس نے ہمارے عجز کو دیکھا تو ہمیں آپ پر درود بھیجنے کی ہدایت فرمائی' تاکہ ہماری صلوۃ آپ کے احسانات کا بدلہ ہو سکے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احسان سے افضل کسی کا احسان نہیں ہے۔

شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ امام مرجانی نے کہا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود کا فائدہ چونکہ تیری ہی طرف لوٹتا ہے' اس لیے درحقیقت تو اپنی ہی ذات کے لیے دعا کرتا ہے۔ ایک اور عالم نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے' ان کی محبت آپ کے حق کو ادا کرنا' آپ کی توقیر و تعظیم اور اس کی ہمیشگی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرنے کے باب سے ہے اور آپ کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے' کیونکہ آپ کے عظیم انعامات ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے لیے دوزخ کی آگ سے نجات' جنت میں داخل ہونے' آسان اسباب کے ذریعہ کامیابی کا حصول' ہر حیثیت سعادت حاصل کرنے اور ہمارے بلا حجاب بلند مناقب اور

عمدہ مراتب میں داخل ہونے کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ۔

علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب الجوھر المنظم میں کہا ہے کہ امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو ہم درود بھیجتے ہیں اور خدا تعالیٰ جو درود بھیجتا ہے' دس مرتبہ یا سو مرتبہ بھیجتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی امت کو ارشاد ہے کہ وہ صلوۃ بھیجیں' اس کا معنی پوچھا گیا اور یہ کہ آپ اس سے راحت محسوس کرتے ہیں۔ پس آپ نے جواب دیا جس کا خلاصہ معناً کچھ زیادتی کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور آپ پر درود پڑھنے والوں پر صلوۃ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کئی اقسام کی مہربانیوں' عمدہ انعامات و احسانات جو آپ کے لائق ہیں اور صلوۃ بھیجنے والوں پر جو ان کے لائق ہیں' اسے سرفراز فرماتا ہے لیکن ہمارا اور فرشتوں کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اس کا معنی کمالات کو حاصل کرنے کا سوال ہے اور آپ کو انہیں عطا کرنے میں رغبت ہے' لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے درود شریف بھیجنے کی فرمائش تو یہ تین امور کی وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ دعائیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم کے حصول کا سبب ہوتی ہیں خصوصاً مجمع کثیر میں جب کہ وہ نفس و خواہشات سے خالی ہوں' تو وہ ملاء اسفل کے ملائکہ کی روحانیت کے ساتھ متحد ہو جاتی ہیں' کیونکہ ان میں مناسبت ہوتی ہے جو خواہشات کی کدورتوں سے صفائی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے' اسی لیے اس قسم کا مجمع ہو تو اس کی دعا کم ہی خطا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے نماز استسقاء وغیرہ میں جماعت کثیر کو بلایا جاتا ہے۔

درود سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راحت ملتی ہے

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کی طرف کے درود آنے سے راحت حاصل ہوتی ہے اور فخر حاصل ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنِّیْ اُبَاھِیْ بِکُمُ الْاُمَمَ۔ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا جس طرح ایک عالم اپنی زندگی میں اپنے ان شاگردوں کی کثرت تعداد پر فخر کرتا اور خوش ہوتا ہے جن کی فلاح وہدایت اس کی وجہ سے مکمل ہوئی اور اس سے ان کی محبت و احترام درست ہوئے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی امت کو نیکیوں پر تحریص دلانا مقصود ہے' بلکہ بہت سی ایسی نیکیاں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تجدید ایمان' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم' عنایات و اعزازات کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے طلب کرنا' یوم آخرت پر ایمان کیونکہ وہ اکثر کرامات کے حصول کا مقام ہے' آل و اصحاب اور صالحین کا ذکر پاک جو نزول رحمت کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تکریم و تعظیم اور اس کی جانب نسبت کی وجہ سے علاوہ ازیں بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا اظہار اور دعائیں' عجز و انکساری اور پھر اس چیز کا اقرار کہ جملہ امور کی مالک اللہ کی ذات ہے اور اس بات پر ایمان کہ آنحضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدر و منزلت میں اگرچہ اس قدر بلند و بالا ہیں کہ مخلوقات میں سے ان کے مقام تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا' پھر بھی وہ اللہ کے عبد اور اس کی رحمت و فضل کے طالب ہیں۔

درود پاک پر علماء کا اجماع

امام نووی نے کہا ہے کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ بھیجنے پر علماء کا اجماع ہے اور اسی طرح تمام انبیاء اور ملائکہ پر مستقلاً صلوۃ بھیجنے کے جواز اور استحباب پر اکابر اسلام کا اجماع ہے' لیکن انبیاء کے علاوہ غیر نبی پر صلوۃ و سلام اکثر کے نزدیک حرام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے اور صحیح وہی ہے جس پر اکثریت ہے کہ یہ مکروہ تنزیہ کی مانند ہے' کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور ہمیں ان کے شعار سے منع کیا گیا ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اس میں قابل اعتماد یہ بات ہے کہ صلوۃ کا لفظ سلف کی زبان میں صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے جس طرح عزوجل کا لفظ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' چنانچہ جس طرح محمد عزوجل نہیں کہا جاتا' اگرچہ آپ عزیز اور جلیل ہیں' ابو بکر یا علی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جا سکتا' اگرچہ معنًا یہ بات درست ہے' علماء کا انبیاء کے ساتھ تبعاً غیر انبیاء کے ساتھ صلوۃ کے لفظ کے جواز پر اتفاق ہے۔ پس اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ۔ کیونکہ اس کے متعلق صحیح حدیث وارد ہے اور ہمیں اس کا تشہد میں حکم دیا گیا ہے اور سلف ہمیشہ سے خارج نماز میں بھی استعمال کرتے آئے ہیں۔

سلام کا اطلاق

سلام کے متعلق ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد الجوینی نے کہا ہے کہ وہ صلوۃ کے معنی میں ہی ہے۔ پس اسے غائب میں استعمال نہیں کیا جائے گا اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تنہا دوسروں پر استعمال نہیں کیا جائے گا' پس علی علیہ السلام نہیں کہا جائے گا۔ اس حکم میں زندہ اور فوت شدہ برابر ہیں' لیکن حاضر کے لیے اس کے ساتھ خطاب کیا جائے گا۔ کہا جائے گا سلام علیک یا سلام علیکم یا السلام علیک یا علیکم اور اس پر اجماع ہے۔ فرمایا: صحابہ تابعین اور ان کے بعد تمام علماء اور اخیار کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا استعمال مستحب ہے۔ بعض علماء کا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کے ساتھ اور رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ مختص کرنے کے ساتھ موافقت نہیں کی جا سکتی۔ فرمایا: اور لقمان اور مریم نبی نہیں تھے' جب ان کا ذکر کیا جائے تو زیادہ راجح یہ ہے کہ رضی اللہ عنہ یا عنہا کہا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ انبیاء پر صلی اللہ علی الانبیاء و علیہ یا علیہ یا علیہما وسلم کہا جائے اور اگر علیہ السلام یا علیہما السلام کہا تو ظاہر یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں۔

والہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی

علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب الجوھر المنظم میں کہا ہے کہ یہاں یعنی ان پر صلوۃ میں امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور جمہور کے نزدیک آل سے مراد وہ ہیں جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مسلمان ہیں اور کہا گیا ہے اس سے آپ کی ازواج اور صرف فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عنہم کی اولاد مراد ہے اور کہا گیا ہے کہ علی' عباس' جعفر' عقیل اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد مراد ہے اور بعض نے اس قول میں بڑی تفصیل بیان کی ہے اور کہا گیا ہے کہ تمام قریش ہیں اور کہا گیا ہے کہ تمام امت اجابت ہے اور حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا اسی طرف رجحان ہے اور ازہری اور بعض شافعیہ نے اسے اختیار کیا ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی ہے' لیکن قاضی حسین وغیرہ نے متقی لوگوں کو مخصوص کیا اور اسے اس لیے ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ ان پر صلوۃ سے مراد مطلق رحمت ہے اور یہ غیر اتقیاء کو بھی عام ہے اور حدیث

آل محمد کل تقی کی سند بہت ہی کمزور ہے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ضعیف سند سے روایت کی گئی ہے۔ تشہد نماز کے علاوہ ان کے ساتھ صحابہ کرام پر صلوۃ پہلے قیاس کے مطابق ہے' کیونکہ وہ اس آل سے افضل ہے آل نہیں' پس ابن عبدالسلام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول الاولی الاقتصاد علی الموارد ضعیف ہے اور عارف باللہ سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی نے غوث ربانی سیدی عبدالقادر جیلانی کی شرح الصلوات المحمدیہ کے آغاز میں اس قول وعلی آل محمد کے ضمن میں کہا ہے یعنی وہ جو ان کی طرف راجع ہوئے یا اتباع کے ساتھ قیامت تک مراد ہیں اور وہ عارف کامل روحانی اور جسمانی طور پر ہیں اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو روحانی و جسمانی طور پر عارف کامل ہوں۔

دوسری فصل

فضائل درود پاک

اس فصل میں وہ احادیث بیان کی جا رہی ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت کے متعلق ہیں۔ یہ امر کے صیغہ سے وارد ہوتی ہیں اور وہ احادیث ہیں جن میں تعداد کا ذکر ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس مرتبہ صلوۃ بھیجتا ہے اور وہ احادیث جو اس کے مناسب ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ صلوۃ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوۃ بھیجتا ہے۔ (مسلم)

اور فرمایا مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا مجھ پر درود و سلام بھیجنا تمہارے لیے پاکیزگی کا باعث ہے اور دگنا چوگنا اجر ملتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے' تم مجھ پر صلوۃ بھیجو' اللہ تعالیٰ تم پر صلوۃ بھیجے گا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قبر کو عید نہ بناؤ' مجھ پر صلوۃ بھیجو تم جہاں کہیں بھی ہو تمہاری صلوۃ مجھے پہنچ جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس جگہ بھی ہو مجھ پر درود بھیجو' تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سیاح فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں اور فرمایا: جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے مجھے اس کا درود پہنچتا ہے' وہ مجھے پہنچادیا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھی مجھ پر درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے' میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جبرائیل علیہ السلام سے ملا' اس نے مجھے کہا میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا اور جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے' انہوں نے کہا: یا محمد! آپ پر جو صلوۃ بھیجتا ہے اس پر میں درود بھیجوں گا اور جس پر فرشتے درود بھیجیں وہ جنتی ہوتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جسے لوگوں کی باتیں سننے کی طاقت دی ہے۔ بعد از وصال وہ میری قبر پر کھڑا رہے گا۔ جو بھی سچے دل سے مجھ پر صلوۃ بھیجے گا وہ کہے گا' یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ ایک کے بدلے دس مرتبہ اس شخص پر صلوۃ بھیجتا ہے اور جب تک وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے' فرشتے اس پر صلوۃ بھیجتے رہتے ہیں۔

درود پڑھنے والوں پر فرشتے درود پڑھتے ہیں

حضرت ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں: میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کے چہرہ سے ایسی چیز مشاہدہ کی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں نے عرض کی تو فرمایا: مجھے کوئی ممانعت تو نہیں' ابھی جبرائیل گئے ہیں۔ میرے رب سے خوشخبری لائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ میں آپ کو اس بات کی خوشخبری سناؤں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص بھی آپ پر ایک مرتبہ صلوۃ بھیجے گا اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس پر دس بار صلوۃ بھیجیں گے اور فرمایا: جو شخص مجھ پر دس بار صلوۃ پڑھے گا اللہ اس پر سو بار صلوۃ بھیجے گا اور جو شخص مجھ پر سو بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر آگ اور نفاق سے نجات لکھ دے گا اور قیامت کے روز اسے شہداء کے ساتھ ٹھہرائے گا۔ جب بھی میرا ذکر کیا جائے' مجھ پر بکثرت درود پڑھو' یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے اور فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور جو شخص مجھ پر دس بار صلوۃ بھیجتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر سو بار صلوۃ بھیجتا ہے اور جو شخص مجھ پر سو بار صلوۃ بھیجتا ہے اللہ اس پر ہزار بار صلوۃ بھیجتا ہے اور جو شخص مجھ پر ہزار بار درود بھیجتا ہے اللہ اس کے جسم پر آگ کو حرام کر دیتا ہے اور اسے دنیا کی زندگی اور آخرت میں حساب کے وقت ایمان پر قائم رکھتا ہے اور مجھ پر صلوۃ اس کے لیے قیامت کے روز پانچ سو سال مسافت کے پل پر نور بن کر آتی ہے اور ہر صلوۃ کے بدلے جو اس نے مجھ پر پڑھی' اللہ تعالیٰ اسے جنت میں آتے ہی محل عطا فرمائے گا' یہ کم ہو یا زیادہ' اور ایک روایت میں ہے کہ جو مجھ پر ہزار بار صلوۃ بھیجتا ہے جنت کے دروازہ پر وہ میرے کندھے کے ساتھ کندھا ملائے ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا' اللہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا' دس گناہ معاف کرے گا' دس درجات بلند کرے گا۔

درود پڑھنے والے پر انعامات الٰہی کی بارش

اور ایک روایت میں ہے' میری امت میں سے جو شخص خلوص دل سے درود بھیجے اللہ اس پر دس بار صلوۃ بھیجتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کرتا ہے' اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے ستر بار اس پر صلوۃ بھیجتے ہیں اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے: جو شخص مجھ پر ایک دن میں ہزار بار صلوۃ بھیجے گا اسے اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنا گھر نہ دیکھ لے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص مجھ پر روزانہ سو بار درود شریف بھیجے گا اللہ اس کی سو حاجات پوری کرے گا جن میں سب سے زیادہ آسان اس کا آگ سے نجات پانا ہے۔ حافظ سخاوی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر اللہ کا ذکر بھول جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے سوا کوئی نیکی کا کام نہ کرتا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بے شک اللہ جل وعلا فرماتا ہے کہ جو شخص آپ پر دس بار درود شریف بھیجے گا وہ میری ناراضگی سے محفوظ رہنے کا حقدار ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابی کاہل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابا کاہل رضی اللہ عنہ! جو شخص مجھ پر روزانہ تین بار دن میں اور تین بار رات کو درود شریف محبت اور شوق سے پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے رات اور دن کے گناہ معاف فرما دے گا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا' جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ

تعالیٰ اس کے لیے ایک قیراط اجر لکھ دیتا ہے اور قیراط احد پہاڑ کی طرح ہے اور آپ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس وقت تک اس پر صلوۃ بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ درود بھیجتا ہے۔ پس انسان کو اختیار ہے کہ کم پڑھے یا زیادہ۔
ابو غسان مدنی نے روایت کیا ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک دن میں سو بار درود بھیجا وہ ایسا ہے گویا اس نے دن رات عبادت میں گزارے اور امام شعرانی نے اپنی کتاب لواقع الانوار میں کہا ہے کہ میں نے سیدی علی الخواص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کے بندے پر صلوۃ میں عدد کو دخل نہیں' کیونکہ خدا تعالیٰ کی صلوۃ کے لیے ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔ عدد بندے کے مرتبہ کے اعتبار سے داخل ہوا ہے کیونکہ وہ زمانہ کے ساتھ مقید اور محصور ہے۔ پس حق سبحانہ وتعالیٰ بندے کی مشکل کے لیے نزول کرتا ہے اور خبر دی کہ وہ ہر بار اپنے بندے پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ فافہم۔

ہمارے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بندہ اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے' یہ نہیں کہتا کہ اے اللہ! میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں کیونکہ بندہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رتبہ کو نہیں جانتا تو اللہ کا مرتبہ بطریق اولیٰ معلوم نہیں ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود کی تعداد ہمارے سوال کے اعتبار سے ہے کہ ان پر صلوۃ بھیجے' پس ہمارا ہر سوال ایک بار شمار ہوگا۔

درود پاک پڑھنے والے کا درندے بھی احترام کرتے ہیں

عارف ابن عباد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اَلْمَفَاخِرُ الْعُلْیَۃِ فِی الْمَآثِرِ الشَّاذِلِیَّۃِ" میں کہا ہے کہ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ میں اپنے ایک سفر میں تھا۔ ایک رات میں نے اسی جگہ گزاری جہاں درندے بکثرت تھے۔ درندے میرے درپے آزار تھے۔ میں ایک اونچے ٹیلے پر بیٹھ گیا اور کہا خدا کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھوں گا کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار صلوۃ بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار صلوۃ بھیجتا ہے۔ جب اللہ مجھ پر صلوۃ بھیجے گا تو میں رات اللہ کی حفاظت میں گزاروں گا۔ فرمایا: کہ میں نے ایسا ہی کیا تو رات میں کسی چیز سے نہ ڈرا۔

درود پاک اذکار کا جامع ہے

عارف باللہ تاج الدین بن عطاء اللہ اسکندری نے اپنی کتاب تاج العروس الحاوی تہذیب النفوس میں کہا ہے جو شخص موت کے قریب ہو اور وہ مافات کی تلافی کرنا چاہے کہ اذکار جامعہ کا ذکر کرے جب وہ ایسا کرے گا تو اس کی تھوڑی عمر لمبی ہو جائے گی جیسے "سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ" اسی طرح وہ شخص جس کی بہت سی نمازیں اور روزے فوت ہوئے ہوں اسے چاہیے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں مشغول رہے کیونکہ اگر تو نے تمام زندگی تمام عبادات کے ساتھ گزاری ہو خدا تعالیٰ نے ایک بار تجھ پر صلوۃ بھیج دی تو وہ ایک صلوۃ تیری تمام عمر کی تمام عبادات سے بڑھ جائے گی' کیونکہ تو اپنی وسعت کے مطابق صلوۃ بھیجتا ہے اور وہ اپنی ربوبیت کے اعتبار سے بھیجتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ ایک صلوۃ ہو تو اس کی کیا کیفیت ہوگی جب وہ ایک کے بدلے دس بار صلوۃ بھیجے' جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے وہ کس قدر عمدہ زندگی ہوگی جبکہ تو اسے اللہ کے ذکر یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ بھیجنے میں صرف کرے۔

درود مطلوب خداوندی ہے

شیخ فرماتے ہیں کہ ابن عطاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' جس پر ہمارا رب ایک بار صلوۃ بھیجے تو وہ اسے دنیا و آخرت کے غم کو کافی ہوتا ہے اور حافظ سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امام فاکہانی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ اولین و آخرین کے مطلوب کی غایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صلوۃ ہے اور یہ انہیں کیسے حاصل ہو سکتی ہے بلکہ اگر عاقل سے کہا جائے کہ تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے' تمام مخلوق کی نیکیاں تیرے نامہ اعمال میں ہوں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر صلوۃ' تو وہ اللہ تعالیٰ سے صلوۃ کے علاوہ کسی چیز کو پسند نہیں کرے گا۔ نیز اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور تمام فرشتے ہمیشہ صلوۃ بھیجتے رہیں اور وہ وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجے اور یہ بات مومن کبھی پسند نہیں کرے گا کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بکثرت درود شریف نہ بھیجے اور غافل رہے۔

تیسری فصل

وہ احادیث جن میں جمعرات اور جمعہ کے دن میں درود شریف پڑھنے کی رغبت دلائی گئی ہے اور اس کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

جمعہ اور جمعرات کو درود پاک پڑھنے کی ترغیب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ پر جمعہ کے دن اور اس کی رات بکثرت درود شریف بھیجا کرو۔ پس جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا' اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر جمعہ کے روز بکثرت صلوۃ بھیجو کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا' روئے زمین پر جو بھی مسلمان آپ پر ایک بار درود شریف پڑھے گا' میں اور میرے فرشتے اس پر دس بار درود بھیجیں گے۔

فرمایا: جمعہ کے روز مجھ پر بکثرت درود بھیجو کیونکہ وہ بہت مشہور ہے۔ ملائکہ اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے--- یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا آپ کی وفات کے بعد بھی۔ فرمایا: بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

نیز فرمایا: مجھ پر جمعہ کے روز بکثرت درود بھیجا کرو' کیونکہ میری امت کا درود ہر جمعہ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے' جو شخص سب سے زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوتا ہے' وہ ان میں سے مرتبہ میں میرے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

نیز فرمایا: تمام دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے' اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے' اسی میں انہوں نے وفات پائی۔ اسی روز صور پھونکا جائے گا اور اس روز مردے اٹھائے جائیں گے۔ پس اس روز مجھ پر درود بھیجو' بے شک تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے سامنے ہمارے درود کیسے پیش کیے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

فرمایا: جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو' جس شخص نے ایسا کیا میں قیامت کے روز اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔

فرمایا: جس شخص نے مجھ پر جمعہ کے روز سو بار درود شریف پڑھا تو اس کے اسی سال کے گناہ معاف کیے گئے۔ جس شخص نے جمعہ کے روز مجھ پر ہزار بار درود پڑھا' وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنا ٹھکانا جنت میں نہ دیکھ لے گا۔

فرمایا: جو شخص جمعہ کے روز مجھ پر درود بھیجے گا وہ اس کے لیے قیامت کے روز شفیع ہو گا۔ فرمایا: جو شخص مجھ پر جمعہ کے روز اسی بار درود پڑھے گا تو اس کے اسی سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر درود کیسے پڑھیں۔ فرمایا کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ۔

فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے روز عصر کی نماز پڑھی' پھر اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی بار اس نے کہا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا تو اس کے اسی سال کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اسی سال کی عبادت لکھی جاتی ہے۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں ہر ایک خاص نور سے پیدا کیے گئے ہیں' وہ صرف جمعہ کے دن اور اس کی رات کو ہی اترتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں سونے کی قلمیں اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں' وہ صرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود ہی لکھتے ہیں۔

حافظ سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت درود کو ہر حال میں دوست رکھتا ہوں اور میں جمعہ کے دن اور رات زیادہ پسند کرتا ہوں اور ابن حجر نے اپنی ایک کتاب میں بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے روز اور جمعہ کی رات کو سورۃ کہف کے سوا قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہونے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے' کیونکہ سورۂ کہف کے جمعہ کے دن رات کے اندر پڑھنے کے متعلق صحیح حدیث میں تصریح کی گئی ہے۔ شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے اور نقل میں حجتہ ہیں اور غالباً انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جمعہ کے دن اور رات کو بکثرت درود پڑھنے کی رغبت دلانے والی اکثر روایات سے اخذ کیا ہے۔ علامہ قسطلانی کی مواہب اللدنیہ میں اس کے متعلق تصریح ہے۔ اگر تو یہ کہے کہ جمعہ کے دن اور رات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بکثرت درود شریف پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟ تو ابن قیم نے اس کا جواب دیا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام قوموں کے سردار ہیں اور جمعہ کا دن سید الایام ہے۔ پس آپ پر اس میں درود شریف پڑھنے کو وہ فضیلت حاصل ہے جو دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ وہ آپ ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے اس کے ساتھ دنیا اور آخرت کی بھلائی جمع کر دی ہے اور سب سے بڑا اعزاز وہ ہے جو آپ کو جمعہ کے روز حاصل ہوتا ہے۔ جمعہ ہی میں آپ کا اور آپ پر درود پڑھنے والوں کا جنت میں داخلہ ہو گا اور وہ دن ان کے لیے یوم المزید ہو گا۔ جب جنت میں داخل ہوں گے اور دنیا میں ان کے لیے جمعہ یوم عید ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ انہیں ان کی حاجات اور ضروریات کا نفع دے گا' پھر کسی کا سوال رد نہیں کیا جائے گا۔ ان سب چیزوں کو وہ جانتے ہیں اور اس کے سبب سے جو کچھ انہیں حاصل ہے آپ ہی کے ذریعہ سے ہے۔ پس آپ کے شکرانہ' حمد اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق کو ادا کرنے کے لیے یہ بات ہے' کم از کم کہ اس دن اور رات میں آپ پر بکثرت درود شریف پڑھیں۔

چوتھی فصل

درود پاک کی کثرت

وہ احادیث جن میں بکثرت درود شریف پڑھنے کی ترغیب ہے اور اس سے متعلقہ اقوال بیان کیے جائیں گے۔ رسول اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ قبر میں سب سے پہلے میرے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر درود قیامت کے روز پل صراط کی تاریکی کے وقت نور ہو گا' پس مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔

نیز فرمایا: جسے یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حال میں ملے کہ وہ اس سے راضی ہو تو اسے چاہیے کہ مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرے۔

کثرت درود کا نسخہ حاجت روائی ہے

نیز فرمایا: جس پر کوئی حاجت سخت ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ مجھ پر بکثرت درود پڑھے کیونکہ یہ غم و اندوہ اور مصائب و کرب کو رد کر دیتا ہے اور رزق میں ترقی اور حاجات کو پورا کرتا ہے۔

فرمایا: جس پر کوئی تنگی آ جائے اسے چاہیے کہ وہ مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھے' کیونکہ یہ عقدے حل کرتا اور پریشانیوں کو دور کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے زیادہ قیامت کے روز اس کے احوال سے نجات یافتہ وہ شخص ہو گا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہو گا' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں میں اس کے لیے کافی ہو گا۔ مسلمانوں کو اس کا حکم اس لیے دیا' تاکہ انہیں ثابت رکھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حوض کوثر پر مجھے ایسی اقوام ملیں گی جنہیں میں کثرت صلوۃ ہی کے سبب سے پہچانوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جنت میں سب سے زیادہ حوریں اس شخص کی ہوں گی جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہو گا۔

درود حضور کی قربت کا سبب ہے

نیز فرمایا: میرے سب سے زیادہ قریب قیامت کے روز وہ شخص ہو گا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا۔ فرمایا: قیامت کے روز جس دن اس سایہ کے بغیر کوئی سایہ نہیں ہو گا تین اشخاص اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے۔ عرض کیا گیا' یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ شخص جو میری امت کے کسی شخص کی پریشانی کو دور کرے' دوسرا میری سنت کو زندہ کرے' تیسرا مجھ پر بکثرت درود پڑھنے والا۔

اور امام ابی القاسم القشیری کے رسالہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے تجھ میں دس ہزار کان پیدا کیے یہاں تک کہ تو نے میرا کلام سنا اور دس ہزار زبانیں پیدا کیں اور یہاں تک کہ تو مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب اس وقت ہو گا جب تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجے گا۔

شیخ نے دلائل پر اپنی شرح میں' اس کے شارح فاسی اور جمل سے اور مختصراً بخاری کے حاشیہ پر شنوائی سے اور حافظ سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں نقل کیا ہے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! اگر میری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا تو میں گنہگار کو پلک جھپکنے کی مہلت نہ دیتا' میرے کلیم! اگر لا الہ الا اللہ پڑھنے والا کوئی نہ ہوتا تو جہنم کو دنیا پر بہا دیتا' اے موسیٰ! علیہ السلام جب تو مساکین سے ملا تو ان سے ایسا ہی سوال کر جیسا کہ اغنیاء کو سوال کرتا ہے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اپنے ہر عمل کو جو تو نے کیا ہے

مٹی کے نیچے دبا دے، اے موسیٰ! تو پسند کرتا ہے کہ قیامت کے روز تو پیاسا نہ ہو۔ عرض کیا: الٰہی! ہاں! فرمایا: تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بکثرت درود پڑھا کرو۔

درود پاک کی یہودی پر برکات

سخاوی نے کہا ہے اور بعض لغبار میں روایت کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں اپنے نفس پر زیادتی کرنے والا ایک شخص تھا۔ جب وہ مرگیا تو اسے پھینک دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اسے غسل دو اور اس پر نماز پڑھو، بے شک میں نے اسے بخش دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! تو نے اسے کیوں بخش دیا ہے؟ جواب آیا کہ وہ ایک روز تورات پڑھ رہا تھا، اس میں اس کی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر نظر پڑی تو آپ پر اس نے درود پڑھا، اس وجہ سے میں نے اسے بخش دیا۔

ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب چوتھائی رات گزر جاتی تو کھڑے ہوتے، پھر فرماتے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ

اے لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ موت اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ آ رہی ہے۔

ابی بن کعب نے کہا، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر بکثرت درود پڑھتا ہوں، میں رات کا کتنا حصہ آپ پر درود پڑھوں۔ فرمایا: جس قدر تو چاہے اور اگر زیادہ کرے تو تیرے لیے بہتر ہے۔ عرض کیا: دو ثلث۔ فرمایا: جس قدر تو چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ عرض کیا: میں تمام رات درود شرف ہی پڑھتا رہوں۔ فرمایا: تب یہ تیری تمام ضروریات کو کافی ہوگا اور طبقات امام شعرانی نے ابی المواہب شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں درج کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابی بن کعب کے اس قول کہ لَكُمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي کا کیا معنی ہے۔ فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے بتائیے کہ اس کا میرے نامہ اعمال میں اس کے علاوہ کیا ثواب ہوگا اور شیخ نے حافظ سخاوی عن ابن ابی جملہ عن ابی خطیب سے نقل کیا ہے کہ ایک نیک آدمی نے اسے بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف کی کثرت طاعون کو دور کرتی ہے۔۔۔

اور امام شعرانی نے کشف الغمہ میں بیان کیا ہے کہ بعض علماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا ہے کہ کم سے کم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بکثرت درود ہر رات سات سو بار اور ہر دن سات سو بار ہے اور ایک اور عالم نے کہا ہے کہ کم از کم کثرت روزانہ ساڑھے تین سو بار دن اور ساڑھے تین سو بار ہر رات ہے۔ امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب "لَوَاقِعُ الْأَنْوَارِ الْقُدْسِيَّهِ فِي بَيَانِ الْعُهُودِ الْمُحَمَّدِيَّةِ" میں کہا ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کا عہد لیا کہ ہم آپ پر دن رات بکثرت درود و سلام پڑھا کریں گے اور اپنے بھائیوں کے سامنے اس کا اجر و ثواب بیان کرتے رہیں گے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اظہار محبت کے لیے انہیں پوری ترغیب دیں گے اور یہ کہ ہم اسے ہر دن اور رات، صبح اور شام ہزار سے دس ہزار بار تک اپنا وظیفہ بنائیں گے تو یہ بزرگ ترین عمل ہوگا۔ پھر فرمایا: درود شریف پڑھنے والے کے لیے طہارت قلب اور حضوری مع اللہ ضروری ہے، کیونکہ یہ رکوع و سجود والی نماز کی طرح اللہ کے ساتھ مناجات ہے، اگرچہ اس کی صحت کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔ پھر فرمایا: جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے جس نے اس پر عمل کیا اس کے لیے اجر

عظیم ہوگا اور یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرب حاصل کیا جاتا ہے زیادہ بہتر ہے' اور عالم وجود میں ایسا کوئی نہیں جسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند دنیا و آخرت کے بست و کشاد کے لیے بنایا ہو' پس جو شخص آپ کی خدمت صدق و محبت اور خلوص سے کرتا ہے' ظالم لوگوں کی گردنیں اس کے سامنے جھک جاتی ہیں اور تمام اہل ایمان اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ جیسا کہ تو اس شخص کو دیکھتا ہے جو دنیاوی بادشاہوں کا مقرب ہوتا ہے اور وہ شخص جو آقا کی خدمت کرتا ہے دوسرے غلام اس کی خدمت کرتے ہیں۔

شیخ نورالدین شعرانی کا روزانہ وظیفہ دس ہزار تھا اور شیخ احمد روادی روزانہ چالیس ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے' مجھے ایک بار انہوں نے فرمایا: ہمارا طریق یہ ہے کہ ہم نہایت کثرت سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بیداری میں آپ ہمارے ساتھ بیٹھتے اور ہم آپ کے ساتھ صحابہ کی مانند مجلس کرتے اور آپ سے اپنے دین کے متعلق پوچھتے ہیں اور ان احادیث کے متعلق جنہیں حفاظ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے' وہ ہمارے پاس ہوتی ہیں اور ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جب تک ہماری یہ کیفیت نہ ہو ہم بکثرت درود پڑھنے والے نہیں ہوتے۔ اے میرے بھائی! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ بارگاہ خداوندی میں پہنچنے کا قریب ترین راستہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ جس شخص نے خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت نہیں کی' اس کے باوجود اس نے بارگاہ خداوندی میں داخل ہونا چاہا اس نے ناممکن کی خواہش کی اور بارگاہ خداوندی کا حجاب اسے داخل نہیں ہونے دیتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب سے جہالت کی وجہ سے ہے۔ اس کا حکم اس دیہاتی کی طرح ہے جو سلطان سے بغیر واسطہ کے ملنا چاہے۔ فافہم۔

اے میرے بھائی! تیرے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نہایت کثرت سے درود پڑھے' کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام قیامت کے روز' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکرام و اعزاز میں زبانیہ متعرض نہیں ہوگا' قصور کے باوجود آپ کی حمایت نے وہ نفع پہنچایا ہے جو ایسے اعمال صالحہ کی کثرت جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مستند نہیں تھے' وہ نفع نہیں پہنچا سکے اور قسم بخدا! لوگوں کے مجمع میں سے ہر صادق کا مقصد اللہ کے ذکر سے اللہ کی محبت ہی ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف میں بھی اس کی محبت ہی ہوتی ہے۔ ابتدائی عہود میں ہم نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برزخی صحبت کے لیے عظیم صفائی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بندہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہم نشینی کے لائق ہو جائے اور وہ شخص جس کی بری فطرت ہو جس کے دنیا اور آخرت میں ظہور سے شرماتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کے لائق نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس نے جن وانس کی سی عبادت بھی کی ہوئی ہو جیسا کہ منافقین کی صحبت کوئی نفع نہیں دیتی اور اسی طرح ہے کفار کا قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور اس سے نفع اندوز نہیں ہوتے کیونکہ اس کے احکام پر ان کا ایمان نہیں ہوتا۔ ثعلبی نے کتاب العرائس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوہ قاف کے پیچھے مخلوق ہے جس کی تعداد خدا ہی جانتا ہے۔ ان کی عبادت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف ہی بھیجنا ہے۔ (مختصراً)

درود سے زیارت رسول

علامہ شیخ احمد بن المبارک نے الابریز میں اپنے شیخ غوث الزماں حضرت سیدنا عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب میں لکھا ہے کہ سیدنا خضر علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے آغاز کار میں آپ کو ایک وظیفہ دیا کہ روزانہ سات ہزار بار

"اَللّٰھُمَّ یَارَبِّ بِجَاہِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ" پڑھا کرے۔ آپ نے اس وظیفہ پر ہیشگی کی' مذکورہ کتاب میں متعدد جگہ ذکر کیا ہے کہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیداری کی حالت میں ملتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسائل پوچھتے اور آپ ایسے جوابات دیتے جو آئمہ علماء کے بیان کے مطابق ہوتے' باوجودیکہ عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بظاہر پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ سیدی عبدالغنی نابلسی نے سیدی شیخ عبدالقادر الگیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شرح صلوات میں الفتحنا بمشاھدہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہا ہے یعنی دنیا میں بیداری کی عالم میں آپ کی رویت اور دیدار ہے اور حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ کا اس موضوع پر ایک رسالہ ہے جس کا انہوں نے "اَنَارَۃُ الْحِلْکِ فِیْ جَوَازِ رُؤْیَۃِ النَّبِیِّ وَالْمِلْکِ" نام رکھا ہے۔

میں مدینہ منورہ میں ماہ رمضان ۱۱۰۵ھ جبکہ میں وہاں مجاور حق محمود الکردی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملا۔ میں ان کے ساتھ حجرہ نبویہ کے دروازہ کے پاس بیٹھتا تھا۔ وہ مجھے بتاتے تھے کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھتے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور کبھی حجرہ کی طرف آنے کو انہیں کہا جاتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے ہیں اور ان سے میں اپنے والد کی قبر کے نزدیک' میرے اور میرے والد کے شیخ شمس محمد بن ابی الحمائل نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے' پھر اپنا سر آپ کے دامن میں رکھا کرتے اور فرماتے "قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْہِ کَذَا" پس وہ اسی طرح ہوا جیسے آپ نے خبر دی' کبھی بھی اس کے خلاف نہیں ہوا۔ اس کے انکار سے بچو' کیونکہ یہ خطرناک زہر ہے اور نابلسی سید عبدالغنی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ تو عجیب بات ہے اور نہ ہی انوکھی' کیونکہ موتی کی ارواح نہ تو مطلقاً فنا ہوتی ہیں اور نہ کبھی فنا ہوگی' لیکن جب وہ خاکی عنصری اجسام سے مفارقت اختیار کرتی ہیں تو وہ مختلف اشکال میں متشکل ہوتی ہیں جیسا کہ روح الامین جبرائیل علیہ السلام کا اعرابی اور حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں متشکل ہونا جو کہ صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وارد ہے۔ جب یہ بات عامتہ الناس کی ارواح میں ہے جن کی ارواح طبقات اور حقوق میں محبوس ہیں کہ وہ اس حال میں فوت ہوئے کہ وہ ان کے ذمہ رہ گئے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ۔ تو پھر تیرا انبیاء و مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کے متعلق کیا خیال ہے اور یاد رکھو' موت ارواح کے فنا کرنے کا حکم نام نہیں' اگرچہ ان کے اجسام بوسیدہ ہو جائیں۔

قبر کے سوالات کی کیفیت

اہل سنت وجماعت کے مذہب میں قبر کا سوال حق ہے' اسی طرح اس کی نعمتیں اور عذاب حق ہے۔ سوال اور نعمتیں عالم برزخ میں ہی ہوتی ہیں' عالم دنیا میں نہیں ہوتیں اور عالم آخرت کا دروازہ قبر ہے اور قبر میں صرف عالم ہوتے ہیں کیونکہ قبور عالم دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور ارواح موتی عالم برزخ میں حیاۃ امریہ سے زندہ ہوتی ہیں۔ اجسام دنیا میں اپنی ارواح کے ذریعہ ہی زندہ ہوتے ہیں۔ جب وہ ان میں تصرف سے معزول ہوگئیں' اجسام کو موت آگئی لیکن ارواح اسی طرح زندہ ہیں جیسے وہ پہلے زندہ تھیں۔ موت تو صرف ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال ہے۔ پس ارواح مکلفہ جو اپنے گناہوں کی وجہ سے محبوس نہ ہوں وہ عالم برزخ میں خوش ہوتی ہیں' وہ اپنی صورتوں اور لباس میں ہوتی ہیں اور دنیا میں اس شخص کے سامنے ظاہر ہوتی ہیں

جس پر اللہ ظاہر کرنا چاہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے انبیاء' اولیاء اور صالحین کی ارواح ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کسی مومن کو شک نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ یہ قواعد اسلام اور اصول احکام پر مبنی ہے اور اس میں صرف بدعتی' گمراہ اور ظاہر عقل و فہم کے ضدی لوگ ہی انکار کرتے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ کی ہدایت دیتا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور جندی نے شرح نصوص میں ذکر کیا ہے کہ شیخ اکبر اپنی موت کے بعد اپنے گھر آتے تھے اور اپنے بیٹے کی والدہ سے ملتے اور کہتے' تیرا کیا حال ہے' تو کیسے ہے اور وہ اسے حال بتاتی اور وہ اس کی سچائی میں شک نہیں کرتے تھے۔

درود وسیلہ شفاعت ہے

حافظ سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں کہا ہے کہ اس ذات گرامی پر درود بھیجنے سے کونسا وسیلہ زیادہ شفیع ہے' جس پر اللہ اور اس کے ملائکہ صلوۃ بھیجیں اور اسے دنیا و آخرت میں قربت عظیمہ سے مختص کیا ہو' پس آپ پر درود بھیجنا سب سے بڑا نور ہے۔ یہ وہ تجارت ہے جس میں نقصان نہیں اور یہ اولیاء اللہ کا صبح و شام دیکھنا ہے' پس نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے پر ثابت قدم رہنا چاہیے' اس سے گمراہی دور ہوگی اور اعمال کا تزکیہ ہوگا اور تو اعلیٰ مقاصد حاصل کرے گا اور تیرا قلبی نور بڑھے گا اور اپنے رب کی رضا حاصل کرے گا۔ خوف اور دہشت کے دن اہوال سے مامون رہے گا۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما۔

از قلم : حضرت اقدس علامہ نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان
(والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ)

فضائل درود شریف

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

بے شک خدا اور فرشتے اس کے درود بھیجتے ہیں خاص نبی پر، اے ایمان والو! درود بھیجو اس پر اور سلام بھیجو۔

سلام کہہ کر "ان" واسطے تحقیق اور تقریر معنی جملہ کے آتا ہے لیکن اس جگہ تاکید و تقریر کی حاجت نہیں، اس لیے کہ وہ ان کا مخاطب کے مقابلے میں ہوتی ہے اور یہاں خطاب اہل ایمان سے ہے۔ پس دخول ان کا اور جملہ ہونا مسند کا محض واسطے اہتمام شان اس حکم کے ہے اور فعلیت جملہ کی واسطے افادۂ تجدد کے ہے کہ روز بروز رحمت و عنایت پروردگار تقدس و تعالیٰ کی ان کے حال پر طرح طرح سے زیادہ ہوتی ہے اور آپ کے کمالات کو یوماً فیوماً ترقی ہے۔ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔

اور صیغہ ماضی کا باوجود اس کے کہ تحقیق اور نوع پر دلالت کرتا ہے، واسطے انتفاع کے ترک ہوا۔ علاوہ بریں صیغہ مضارع اس آیت میں زیادتی ترغیب و تشویق کا فائدہ بخشتا ہے کہ صیغہ ماضی سے حاصل نہیں۔

حدیث میں آیا ہے جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے گناہ اس کے بخشے جائیں، پس کس قدر فائدہ حاصل ہوا اس شخص کو کہ درود اس کا درود ملائکہ یا صلوٰۃ خدا سے موافق ہو جائے اور ذکر فرشتوں کا پھر اضافت ان کی خدا کی طرف، بلکہ اس کلام کی تقدیم امر پر اسی فائدہ کے لیے ہے کہ اگر بادشاہ اپنی رعایا اور لشکر کو کسی کام کا حکم دیتا ہے اور لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ فقط ایک بار تعمیل اس حکم کی واجب ہے اور پھر ہم مختار ہیں تو اکثر لوگ اس میں دوسری بار کاہلی کرتے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ تمام مقربان بادشاہی اکثر اس کام میں مشغول رہتے ہیں اور اسے بادشاہ کی خوشنودی کا سبب سمجھتے ہیں بلکہ خود بادشاہ بہ نفس نفیس اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شوق و رغبت اور بڑائی اور عظمت اس کی سب کے دل میں زیادہ ہو جاتی ہے اور اسے عزت اور سعادت جانتے ہیں۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں تقدیم اس جملہ کی امر پر درود کی فضیلت پر صاف صریح دلالت کرتی ہے کہ ہر عبادت میں ابتداء امر ہوا مگر اس امر میں پہلے اپنے اور فرشتوں کے فعل سے خبر دی، پھر مسلمانوں کو حکم کیا اور اللہ ذات جامع جمیع کمالات کا اور بعض کے نزدیک اسم اعظم ہے۔ علماء کہتے ہیں لفظ اللہ اصل میں الٰہ تھا، ہمزہ حذف کر کے اس کے عوض لام

تعریف کالائے اور اللہ دراصل ولاہ تھا کہ مشتق ہے ولہ بہ معنی حیرت سے' پس نصیب بندے کا اس نام پاک سے یہ ہے کہ آپ کو بحر حیرت میں غرق کرے۔

اے عزیز! راہ مولیٰ سراسر حیرت بلکہ حیرت در حیرت ہے۔ جس نے اس میں قدم رکھا آپ کو اور تمام عالم کو گم گیا بلکہ اس راہ میں راہ کو دیکھنا بھی گمراہی ہے۔ جو نہیں جانتا وہ سب کچھ کہتا ہے اور جو جانتا ہے کچھ نہیں جانتا اور جو کسی وقت جانتا ہے تو زبان پر نہیں لاتا۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ۔

اور جس طرح راہ معرفت اس کی عبارات واشارات سے وراء ہے' اسی طرح عجائب وغرائب ونکات ولطائف اس کے نام نامی کے بھی احاطہ تحریر وتقریر سے زیادہ ہیں۔ باقی رہا لفظ "اَللّٰھُمَّ" کہ ثناودعا خصوصاً درود کے شروع میں اکثر وارد ہوتا ہے۔ اصل اس کی نزدیک خلیل اور سیبویہ اور بصیر میں کہ یااللہ حرف ندا محذوف ہوا اور عوض اس کی میم مشدد لے آیا۔ شیخ الشیوخ حسن بصری کہتے ہیں "اَللّٰھُمَّ" سب دعاؤں کا مجموعہ ہے اور نضر بن شمیل کہتے ہیں جس نے اَللّٰھُمَّ کہا گویا تمام اسماء الٰہی کے ساتھ خدا کو یاد کیا اور بعض اسے اسم اعظم جانتے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمَّ وَاَحْکَمَ۔

قولہ عزوجل وَمَلٰٓئِکَتَہٗ' ملائکہ کھانے پینے اور سونے سے منزہ ہیں۔ نہ مرد ہیں نہ عورت' جس کام پر خدائے تعالیٰ نے انہیں مقرر کر دیا اس پر قائم ہیں اور طرح طرح کی شکلیں بنا سکتے ہیں۔ خدا کی تسبیح اور یاد سے جیتے ہیں۔ شمار ان کا سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا' مگر مستدرک میں ابن عمر سے اس قدر وارد ہوا کہ تمام مخلوق دس حصے ہے' ایک حصہ باقی مخلوق نو حصے فرشتے۔ اور طبرانی نے جابر سے اور طبری نے ام المومنین عائشہ سے روایت کی ہے کہ ساتوں آسمان میں ایک ہتھیلی برابر جگہ بھی فرشتے سے خالی نہیں ہے۔

قولہ عزوجل یُصَلُّوْنَ: لفظ صلوۃ لغت میں بہ معنی دعاء اور عرف شرع میں بہ معنی نماز اور درود کے آتا ہے اور مناسبت دعا اور درود میں ظاہر ہے کہ دعا تحصیل مقصد کے لیے داعی ہے واقع ہوتی ہے اور مصلی بھی صلوۃ سے جمیع مقاصد جمیلہ اور مطالب جلیلہ ظاہراً اور باطناً جمع کرنا چاہتا ہے اور کبھی یہ لفظ بہ معنی رحمت' استغفار' مغفرت اور ثنا کے بھی آیا ہے اور آیت میں ان سب معنی کے تفسیر کیا گیا ہے۔

قولہ عَلَی النَّبِیِّ: لفظ علیٰ دعا کے صلے میں واسطے ضرر کے آتا ہے اور رحمت اور صلوۃ کے ساتھ فائدہ لام کا بخشتا ہے اور لام عہد کا ہے کہ آپ وصف نبوت میں مشہور ومعہود ہیں یا واسطے جنس کے ہے اور مطلق فرد کامل کی طرف متصرف ہوتا ہے اور اس جگہ اس لفظ کے اختیار میں باوجود اس کے کہ مرتبہ خاص یعنی رسالت بھی قطعاً ویقیناً آپ کے لیے ثابت ہے۔ ایک فائدہ جلیلہ ہے کہ جب ایسی نعمت عظمیٰ اور دولت کبریٰ آپ کی نبوت کے مقابل ہے تو کمالات مرتبہ رسالت کے کہ نبوت سے بہت بلند وبالا ہے' کس درجہ اشرف واعلیٰ ہوں گے۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

قولہ جل شانہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: یہ لفظ اس امت مرحومہ کے خصائص سے ہے اور ان کے کمال فضل وبزرگی اور درود کی عظمت اور بڑائی پر دلالت کرتا ہے کہ خود خالق حقیقی درود پڑھنے والوں کے ایمان کی گواہی دیتا ہے اور ان کو ایمان والے کہتا ہے اور یہ بھی سمجھاتا ہے کہ درود پڑھنا ایمان کا مقتضی ہے' اس لیے کہ جب کسی سے کوئی بات طلب کرتے ہیں تو اسے مناسب ومقتضی مطلوب کے ساتھ متصف کر کے خطاب کرتے ہیں جیسے معرکہ جنگ وجدل میں سپاہیوں سے کہتے ہیں "اے بہادرو! وقت جاں بازی اور جرات کا ہے اور سخی سے تحریص بغاوت کے وقت کہتے ہیں "اے کریم! یہ موقع دینے کا ہے۔

قولہ تعالیٰ صَلُّوا عَلَیْہِ: اس جگہ کئی بحثیں ہیں۔

بحث اول: درود واجب ہے یا مستحب اور بر تقدیر وجوب واجب سے حافظ ابو عمرو بن عبد البر کہتے ہیں' امر اس آیت میں بالاجماع وجوب پر محمول ہے اور طبری نے استحباب پر اجماع کا دعویٰ کیا۔ قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں مراد طبری کی یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ مستحب ہے' ورنہ قول اس کا خلاف ہے کہ اجماع وجوب پر منعقد ہے۔

بحث ثانی: شیخ عزیز الدین ابن عبد السلام فرماتے ہیں' ہماری صلوۃ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر ان کی شفاعت نہیں بلکہ ہمیں حکم ہے کہ حق ہر شخص کا ادا کریں اور حقوق پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہم پر اس قدر نہیں کہ تمام عمر میں ایک شمہ ادا کر سکیں' پس خدا کی تعلیم سے اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ الٰہی تیرے حبیب کے حقوق اور احسانات کا بدلہ ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا' تو ہی اپنے فضل و کرم سے ان کو جزائے خیر دے اور اپنی رحمت کاملہ اس جناب پر نازل فرما۔

اے سید انام درود جناب تو
ورد زبان ما ست مہ و سال صبح و شام
نزدیک تو چہ تحفہ فرستیم ما ز دور
در دست ما ہمیں صلوۃ ست والسلام

تنبیہ: حضرت احدیت کی اس امت پر کمال عنایت ہے کہ پیغمبر کی تعظیم کا طریقہ انہیں سکھا دیا' تاکہ وہ اپنی زبان کو ادائے شکر نبوی اور تعظیم محمدی سے قاصر سمجھ کر جناب احدیت کی طرف رجوع کریں اور یہود و نصاریٰ کی طرف عقل کو دخل دے کہ ورنہ افراط و ضلالت میں نہ پڑیں اور یہ تقریر ایک قوی شبہ کو بھی دفع کرتی ہے کہ ظاہر امر دلالت کرتا ہے۔ ہم درود بھیجیں اور صَلِّیْنَ یَا نُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہیں تقدیر دفع کی یہ ہے کہ ہم درود بھیجنے سے عاجز ہیں' اس لیے حوالہ بخدا کرتے ہیں کہ تو اپنے بندوں کی طرف سے ان پر درود نازل فرما۔ پس ہر چند بندہ بنفسہ اس حکم کے ساتھ قیام نہیں کرتا لیکن قیام بہ دعا و طلب کہ انتہائے امکان و قدرت ہے' قائم مقام بنفسہ کا ہے اور اس قدر تعلق امر کے لیے کفایت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مصلی در حقیقت خدا ہے اور نسبت صلوۃ بندے کی طرف مجازاً ہے' بہ معنی سوال و طلب صلوۃ کے خدا سے اور یہی معنی اس سے مطلوب ہیں کہ اس سے زیادہ قدرت نہیں رکھتا اور تکلیف قدر وسعت سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔

بحث ثالث: درود پڑھنا ہر وقت اور ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر قدم اور ہر سانس کے ساتھ یہاں تک کہ راہ اور نہانے کی حالت میں جائز بلکہ مستحب ہے' مگر اوقات مخصوصہ میں کہ جن کی خصوصیت اس امر شریف کے ساتھ کتابوں سے ثابت ہے اور رعایت آداب کے افضل اور بہتر ہے اور آداب یہ ہیں کہ بدن اور کپڑے نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک کرکے اور خوشبو لگا کر یا پاس رکھ کر باوضو' روبہ قبلہ دو زانو بیٹھے اور بہ کمال خشوع و خضوع دل کو جناب احدیت اور حضرت رسالت کی طرف متوجہ کرے اور نام جناب باری اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا بہ کمال تعظیم زبان پر لائے اور معنی کلمات درود کے سمجھتا جائے۔ جب کلمہ غیبت پر پہنچے بہ سبب گناہوں اور آلودگی کے آپ کو درگاہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے دور جانے اور جب کلمہ خطاب پر آئے خس و خاشاک کی طرح وہاں حاضر سمجھے اور تصور اس صورت پاک کا کہ آخر عمر میں تھی ذہن میں جمائے اور امتثال امر الٰہی اور ادائے حق نبوی کا قصد کرے' معاذ اللہ! اپنا احسان نہ سمجھے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنم
منت شناس زد کہ بخدمت بداشت تست

بلکہ اپنے اس درود پڑھنے اور اس کی جناب کی طرف متوجہ ہونے کو حضرت کی عنایت تصور کرے۔

بلبل ز ادب یا نہند در صف گلزار
تا گل بہ طلب گاری او لب نکشاید

اور اسے اپنی اصلاح اور فلاح کا عمدہ سبب جاننے اور پڑھنے کے لیے بوقت معین ایک عدد متعین کرے اور حتی الوسع اسے فوت نہ ہونے دے۔ اگر احیاناً فوت ہو جائے دوسرے وقت پڑھ لے اور بعد ختم کے دعا اپنے مقاصد و مطالب خصوصاً اس وظیفہ کی بہ کمال الحاح و انکسار مانگے کہ امید اجابت ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا کَذٰلِکَ وَلِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَجَعَلَ اٰخِرَتَنَا وَعَاقِبَۃَ اَمْرِنَا خَیْرًا مِّنَ الْاُوْلٰی۔

بحث رابع: ہرچند یہ کرامت اور پیغمبروں کو بھی استقلالاً اور غیر انبیاء کو طبعاً حاصل ہے لیکن بہ اعتبار کمیت و کیفیت کے اس جناب سے ایک طرح کی خصوصیت رکھتی ہے کہ نہ اس قدر کثرت اس کی اوروں کو حاصل اور نہ ایسی کامل رحمت الٰہی پر نازل اور نہ کسی کے درود پڑھنے پر مصلی کے واسطے اس قدر فوائد مرتب اور نہ جناب احدیت کو کسی کے درود کا اہتمام منظور۔ ازل سے پروردگار تقدس و تعالیٰ نے اس جناب پر بڑے درجے کی کامل رحمت اپنی نازل فرمائی اور حضرت موسیٰ جیسے پیغمبر اولوالعزم کو حکم کیا' اگر تجھے میری نزدیکی مطلوب ہے تو محمد پر درود بہت بھیجا کر اور اسے امام البشر حوا کا مہر مقرر کر کے ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا مہر حوا کا یہی ہے کہ تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر دس بار درود بھیجے اور بڑے بڑے مقرب فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں اور ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح سے شام تک اور ستر ہزار شام سے صبح تک اسی کام پر مقرر ہیں کہ آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر درود پڑھتے رہیں اور مسلمانوں کو اپنے اور فرشتوں کے درود بھیجنے سے خبر دے کر ارشاد ہوتا ہے' اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو تمام مسلمان بہ امتثال امر الٰہی اپنی مجلسوں اور منبروں اور عبادت گاہوں اور خلوت خانوں' بلکہ بعض چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے رات دن درود پڑھتے ہیں' یہاں تک کہ عمدہ طاعات اور افضل عبادات یعنی نماز میں پانچوں وقت پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ امام شافعی کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں واجب ہے اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (الی آخرہ)

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ میں نفس صلوۃ تشبیہ مطلوب ہے' نہ کیفیت و کمیت اس کی مانند کیفیت و کمیت صلوہ ابراہیم کے کہ باقاعدہ علم بیان دونوں صلوۃ میں مساوات یا ترجیح صلوۃ ابراہیمی کے صلوۃ محمدی پر لازم آئی جیسے کریمہ اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی نُوْحٍ میں تشبیہ نفس رسالت محمدی کے ساتھ نفس رسالت نوح علیہ السلام کی ہے' نہ اس کی کیفیت رسالت نوح علیہ السلام کے ساتھ بلکہ کہہ سکتے ہیں جس طرح سجدہ فرشتوں کا ظاہر میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ہوا' مگر درحقیقت قبلہ ان کا نور محمدی تھا کہ آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ گر تھا' اسی طرح اگرچہ ظاہر میں ابراہیم علیہ السلام مورد اس کرامت کے ہوئے' لیکن حقیقت میں نور محمدی ہے کہ ان کی بھی پشت میں موجود تھا اور استقلال حضرات انبیاء کا اس کرامت میں کہ اوروں پر ان کے نام کے ساتھ اور ان پر بے ذکر نام کسی دوسرے کے جائز ہے۔ منافی اس تقریر کا نہیں' اس لیے کہ آپ کی ذات مجمع کمالات اس استقلال کا واسطہ ہو سکتی ہے' جیسے مرتبہ نبوت کا ان کو استقلالاً حاصل مگر آپ اس مرتبہ میں اصل ہیں۔ کَمَا صَرَّحَ بِہِ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ حُجَّۃُ الْاِسْلَامِ مُحَمَّدُ نِ الْغَزَالِیُّ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔

بہرحال! یہ امر بخوبی ثابت ہوا کہ کمال اس کرامت کا اور کثرت اس کی آپ کے لیے مخصوص ہے۔ کوئی نبی ولی اس میں شریک نہیں۔

قَوْلُہٗ عَزَّ اِسْمُہٗ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا' سلام بھی وجوب و استحباب میں مانند صلوۃ کے ہے جو درود کو واجب کرتا ہے۔ وہ سلام کو بھی واجب سمجھتا ہے' اس لیے کہ ایک آیت میں ایک طرح سے دونوں کے ساتھ امر وارد ہے' اگر درود میں جملہ و متقدمہ کے ساتھ تاکید کی ہے' سلام بہ لفظ تسلیما موکد ہے۔ ارباب تحقیق فرماتے ہیں سلام تحیت جس کا جواب واجب ہے' وہ ہر شخص کے لیے مگر سلام دعا کہ قریب بہ معنی صلوۃ کے ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر حالت حیات ظاہری میں اور بعد اس کے اگرچہ مسلم ان کی قبر حتیٰ کہ سے قریب نہ ہو جائز ہے بہ خلاف اوروں کے کہ ان پر بعد از وصال سوا وقت زیارت قبر کی استقلالاً جائز نہیں۔ کَمَا اَشَارَہُ اللّٰہُ الشَّیْخُ تَقِیُّ الدِّیْنِ السُّبْکِیِّ کَذَا فِی الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ وَلِابْنِ الْحَجَرِ الْمَکِّیِّ۔

مولانا انتظار القادری نوری (شاہجہانپوری)

عقیدۂ توحید ورسالت

قرآن وحدیث کی روشنی میں

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ایمان کامل کے دو جزو ہیں:

(۱) عقائد: جن کا تعلق انسانی دل سے ہے۔

(۲) اعمال: جن کا صدور جوارح اور اعضاء سے ہوتا ہے مگر ایمان کے ہر دو اجزاء میں جزو اول یعنی عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اعمال جو ایمان کامل کے لیے ثانوی درجہ رکھتے ہیں' ان کی حیثیت فروعی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب اس بات کو بھی بخوبی سمجھ لیا جائے کہ صحت عقائد ہی دل کی طہارت کا انحصار ہے اور اسی لیے بغیر عقیدۂ صحیحہ کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اگر آپ درستی عقیدہ و اعمال صالحہ کو سمجھنے کے لیے اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (حدیث) کو مشعل راہ بنا کر غور فرمائیں تو صاف ظاہر ہوگا کہ اس نسخہ کیمیا میں بھی اعمال صالحہ کی بنیاد نیت خیر پر رکھ کر واضح طور پر نشاندہی فرمادی گئی ہے کہ عمل کے حسن وقبح کا مدار نیت کے خیر و شر پر ہی منحصر ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ نیت کا تعلق قلب انسانی سے ہے' اس لیے اگر قلب وساوس شیطانی اور فاسد ارادوں سے پاک ہے تو اخلاص نیت کی بنیاد پر وہ اعمال بھی مبارک و مسعود ہوں گے اور اگر خدانخواستہ قلب میں فاسد وناپاک ارادے کروٹیں لے رہے ہیں تو ان ارادوں کی بنیاد پر اعضاء و جوارح سے سرزد ہونے والے اعمال نامبارک و نامسعود قرار دیئے جائیں گے۔

لہٰذا مذکورہ بالا فرمان مصطفےٰ کی روشنی میں اس کی اچھی طرح وضاحت ہوگئی کہ کسی عمل کے ظاہری خدوخال کے حسن و جمال پر اس کی صحت کا مدار نہیں' بلکہ اس عمل کے پیچھے جو جذبہ' جو ارادہ' جو مقصد اور جو نیت کارفرما ہے' وہی اس عمل کے محرکات ہیں۔ اور بالفاظ دیگر اگر وہ ارادے صحت مند عقائد سے مربوط ہیں تو یقیناً وہ اعمال سراسر خیر ہوں گے وگرنہ فساد نیت کی بنا پر بظاہر خوب تر دکھائی دینے والے اعمال بھی نامقبول ہو کر مردود بارگاہ خداوندی قرار دیئے جائیں گے--- تو پتہ چلا کہ اعمال صالحہ کی عمارت کے لیے عقائد صحیحہ کی بنیاد ضروری ہے۔

اس اجمال کی تفصیل میں نہ جا کر یہاں اس نقطہ کو بخوبی سمجھ لیا جائے کہ مذاہب اربعہ کا اختلاف مذاہب کے باوجود ہم عقیدگی کی بنیاد پر چاروں مذاہب ایک ہیں اور سب اہل سنت و جماعت کہلاتے ہیں--- مگر عقائد میں اختلاف ہی کی بنیاد پر وہ فرقے

جو نئے نئے ناموں سے اپنی پہچان بنا کر جنم لیتے رہے ہیں' دعوت عمل کا ڈھنڈورہ پیٹنے کے باوجود اپنے باطل اور گمراہ کن عقائد کی بنیاد پر اہل سنت و جماعت سے خارج ہو کر خارج از اسلام قرار دیئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت نے درستی اعمال کی اہمیت کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ صحت عقائد ہے اور اسی لیے اہل سنت کے نزدیک عقائد میں عقیدۂ توحید و رسالت بہت اہم ہیں۔

اسلام کی بنیاد توحید و رسالت کے عقیدہ پر قائم ہے اور ان دونوں امور کی صحت ہی اصل ایمان کی صحت ہے۔ اگر آپ تفکر قرآن کی بصیرت کو بروئے کار لا کر عقیدۂ توحید کے مضمرات کا بغور مطالعہ کریں تو بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی۔

چنانچہ اہل سنت و جماعت کا عقیدۂ توحید جس پر قرآن حکیم دلالت کرتا ہے' یہ ہے کہ عالم میں جمیع موجودات توحید باری پر دلائل ہیں اور ان دلائل کے علم سے توحید خداوندی کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ بھی امر مسلمہ ہے کہ جتنا جتنا یہ علم و ادراک زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے' اتنا ہی توحید کا علم بھی کامل سے کامل تر ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے برعکس کم دلائل کا علم نقصان توحید کو مستلزم ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔

علامہ علی قاری نے اس آیت مبارکہ کے جو معنی بیان فرمائے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولی تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے:

"جیسا کہ آپ کو زمین و آسمان کے عجائبات دکھائے ہیں' اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو آسمان و زمین کے علوم دیئے تھے تاکہ وہ اپنے مولی تعالیٰ پر استدلال قائم کریں"۔

مذکورہ بالا آیہ کریمہ کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ زمین و آسمان میں جمیع موجودات عرفان خداوندی حی و قیوم کے دلائل ہیں اور ان اشیاء کے علم پر توحید باری تعالیٰ کی تکمیل کا انحصار ہے۔

ملا علی قاری اور دیگر شراح حدیث نے مذکورہ بالا آیہ کریمہ پر بحث کرتے ہوئے ایک ایمان افروز نکتہ بیان فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اور رویہ کو "مشبہ بہ" اور خلیل علیہ السلام کے علم و اراۃ کو "مشبہ" سے تعبیر فرمایا اور یہ امر مسلم ہے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں اقویٰ ہوتا ہے"۔

تمثیل کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ "زید شیر کی طرح بہادر ہے" تو اس جملہ میں شیر "مشبہ بہ" اور زید "مشبہ" اور بہادر "وجہ شبہ" ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جس چیز سے مشابہت قائم کی جائے گی وہ چیز مشبہ سے قوی تر ہوگی۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیہ کریمہ کا معنی ہوگا کہ حضور علیہ السلام کا علم و رؤیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے علم و رویہ سے اقویٰ ہے۔ اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے شراح حدیث نے اس کا جواب یہ دیا کہ آیت مذکورہ بالا میں خلیل علیہ السلام کو پہلے اراۃ ہوئی اور بعد میں ایقان۔ اور جس حدیث مبارکہ میں حبیب علیہ السلام کا ذکر ہے اس میں رویہ باری عز اسمہ مقدم اور علم جمیع ما فی السموات والارض موخر ہے۔ تو حاصل کلام یہ کہ "حبیب علیہ السلام نے موثر اور خالق سے اثر قبول فرما کر مخلوق کی طرف انتقال فرمایا اور حضرت خلیل علیہ الصلوۃ والتسلیم کا معاملہ برعکس ہے"۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں عقیدۂ توحید پر اجمالی بحث کی گئی اور مذکورہ بالا بحث سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ اگر کسی بھی نبی علیہ الصلوۃ والتسلیم کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیا جائے کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں ہے تو ایسا فاسد و باطل عقیدہ اس امر کو مستلزم ہوگا کہ اس نبی کا عقیدۂ توحید ناقص ہے (نعوذ باللہ) چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کے متعلق یہ کفری

عقیدہ ہو کہ عالم ما کان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فلاں چیز کا علم نہیں---اور اگر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی توحید ہی مکمل نہیں تو پھر دنیا میں کسی کی بھی توحید مکمل نہیں ہو سکتی--- لیکن اہل بدعت و ضلالت نے اپنے عقیدۂ توحید کی بنیاد ہی یہ قرار دی ہے کہ ہمارا نبی وہ ہے جس کو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں اور پھر مستزاد یہ کہ نبی کی توحید کامل کے لیے نبی کے علم کے بارے میں گمراہ کن عقیدہ اختراع کیا گیا کہ شیطان لعین کی وسعت علم تو نص قطعی سے ثابت ہے لیکن افضل الانبیاء کے وسعت علم پر کوئی دلیل نہیں۔ جس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ابلیس مردود کی توحید انبیاء علیہم السلام کی توحید سے اکمل ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ) ایں چہ بو العجبی است۔

یہاں تک تو اسلام کی اساس اول یعنی عقیدۂ توحید پر گفتگو کی گئی جس میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عقیدۂ توحید میں اہل بدعت و ضلالت فرمایا کہ عقیدۂ توحید میں اہل بدعت و ضلالت نے کتنی ٹھوکریں کھائی ہیں اور اس بنیاد اسلام کو غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ اب ایمان مکمل کے جزو ثانی عقیدۂ رسالت پر اجمالی بحث کی جائے گی' تاکہ اس سلسلہ میں بھی اہل ضلالت نے جو غلط اور گمراہ کن نظریات پیش کیے ہیں' ان سے بھی اچھی طرح واقفیت ہو سکے مگر آگے بڑھنے سے پیشتر عقیدۂ توحید ہی کے سلسلہ میں کچھ ضروری گزارشات کا پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہو گا' کیونکہ اہل ضلالت نے عقیدۂ رسالت سمجھنے میں جو ٹھوکریں کھائی ہیں وہ تو اپنی جگہ مسلم ہیں مگر توحید پرستی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود شان باری عزاسمہ میں جو گستاخیاں کی ہیں' وہ ان کے فاسد عقائد کے تابوت میں آخری کیل کے سوا کچھ اور نہیں۔

اسلام کا بچہ بچہ اچھی طرح جانتا ہے کہ شرائط اسلام پانچ ہیں: کلمہ طیبہ 'نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج جن میں کلمہ طیبہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کلمہ طیبہ کا زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق اس کلمہ کی شرط میں شامل ہے اور باقی ماندہ چاروں شرائط ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اور ان چاروں کا تعلق عبادات سے ہے' جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا کہ عقیدہ و عمل دونوں کو ملا کر مکمل اسلام کہلائے گا جس میں عقیدہ اصل اور عمل فرع اور عقیدہ کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہے۔ تفصیل میں نہ جا کر میں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ان شرائط اسلام میں اولین شرط کلمہ طیبہ کو سمجھ لیا جائے کیونکہ اس کلمہ مبارکہ میں توحید اور رسالت دونوں کی وضاحت موجود ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے دو جزو ہیں جن میں جزو اول اقرار توحید اور جزو ثانی میں رسالت کا اقرار ہے' لیکن اگر آپ اس کلمہ کے اول جزو لا الہ الا اللہ کے حقیقی تقاضے اور مطالبات پر غور فرمائیں تو آپ اس میں ایک عجیب و غریب نکتہ پائیں گے اور وہ نکتہ عقیدۂ رسالت کی ترجمانی کرتا ہوا پائیں گے۔

کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے لفظی معنی تو بس اس قدر ہیں کہ "نہیں ہے کوئی الٰہ مگر اللہ" اور اس مجمل کی وضاحت کر دی جائے تو خداوند کریم کی ذات و صفات کے اقرار کے ساتھ اس کو معبود تسلیم کرنا اور پھر اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا ہے لیکن اس اقرار توحید میں جو روح کار فرما ہے وہ یہ کہ بندہ رضائے الٰہی میں اپنی مرضی کو منحصر کر دے اور یہی وہ لطیف نکتہ ہے جو عقیدۂ توحید کی جان ہے اور پھر یہی وہ نازک مقام بھی ہے' جہاں عقل کے پرستاروں نے بے شمار ٹھوکریں کھائی ہیں کیونکہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

اہلسنت و جماعت کے علاوہ مختلف عقائد رکھنے والے مدعیان اسلام فرقے جنہوں نے اپنے عقیدۂ توحید کا محدود دائرہ خدا کو معبود گردان کر فقط اس کے سامنے سجدہ ریزی کو اپنے عقیدۂ توحید کا کمال سمجھا' مگر اسلام کا ایک شیدائی معبود حقیقی کے سامنے

سجدہ ریزی کی روح پرور لذتوں میں ڈوب کر اپنے عقیدۂ توحید کی بنیاد رضائے الٰہی پر قائم کرتا ہے اور اس کے عقیدۂ توحید کا کمال تو یہ ہوتا ہے کہ معبود حقیقی جس کے سامنے جھکنے کا حکم دے وہ اس کے سامنے بے چون و چرا جھک جاتا ہے اور یہی جذبہ لا الٰہ الا اللہ کا مقتضی بھی ہے۔ ایک سچا مومن کبھی یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ میں اس کے سامنے کیوں جھکوں؟ میں اس کی برتری کیوں تسلیم کروں؟ وہ تو مجھ ہی جیسا ایک بشر ہے یا پھر اکڑ کر کہہ دے خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ میں تو اس سے افضل ہوں۔ بس یہی وہ مقام آزمائش ہے جہاں توحید کے پرستاروں کا امتحان لیا جاتا ہے اور جہاں لاکھ سجدہ ریزی کے باوجود عزازیل ابلیس لعین بنا دیا جاتا ہے--- تو پتہ چلا کہ عقیدۂ توحید کا کمال یہ ہے کہ بندہ عقل و خرد سے بے نیاز ہو کر وارفتگی عشق و محبت میں منزل رضا پر ثابت قدم رہے اور اس امتحان و آزمائش میں صحت و سلامتی کے ساتھ اس وادی آزمائش سے گزر جائے جہاں غرور و تکبر کی بنیاد پر ہزاروں سال کی عبادتیں مردود کر دی جاتی ہیں۔

آپ غور فرمائیں کہ اگر عقیدۂ توحید صرف اس امر کا مقتضی ہو تا کہ خدا کو سجدہ کر لیا جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا مطالبہ پورا ہو گیا تب تو ابلیس لعین کو سب سے بڑا توحید پرست ماننا پڑے گا' کیونکہ ابلیس نے سب سے زیادہ سجدہ ریزی کی تھی اور خدا کو سجدہ کرنے سے انکار بھی نہیں کیا تھا' مگر ظالم اہل ضلالت کی مانند عقیدۂ توحید میں پوشیدہ راز محبت کو نہ سمجھ سکا کہ محبوب حقیقی جب اپنے محبوب کے سامنے جھکنے کا حکم دے تو بے چون و چرا خوشی خوشی جھک جایا جائے مگر

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔ انکار کیا اور اکڑ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

بس یہی وہ مقام ہے جہاں اہل بدعت و ضلالت عقیدۂ توحید میں ٹھوکریں کھاتے ہیں' لہٰذا ان کا اقرار توحید بھی ناقص ہے اسی لیے مولانا فرماتے ہیں:

آں کہ می بیند عزیزاں را بشر
داں کہ میراث ابلیس است آں نظر

مذکورہ بالا تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ کے آگے جھکنا کچھ اتنا مشکل نہیں' ہاں! مشکل تو یہ ہے کہ وہ جس کے آگے جھکائے اس کے آگے جھکا جائے۔ ابلیس یہ راز توحید نہ سمجھ سکا اور اسی آزمائش محبت میں مارا گیا--- تو ثابت ہوا کہ راز توحید سراسر عشق و محبت ہے اور توحید خالص یہی ہے کہ اس کے آگے اس طرح جھکا جائے کہ جہاں وہ جھکائے جھکتے چلے جائیے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اور اسی عقیدۂ توحید میں پوشیدہ راز محبت کی آزمائش ازل میں رب کائنات نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے اعلان کے ساتھ فرمائی۔

سطور بالا میں عقیدۂ توحید پر اجمالی گفتگو کے بعد ضروری ہے کہ کلمہ طیبہ کے جزو ثانی "محمد رسول اللہ" کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے' لہٰذا مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا جو اعلان کر دیا ہے مقام رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وہی نشان دہی فرماتا ہے۔

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر خالق کائنات کو کیا ضرورت تھی کہ اس نے اپنے خلیفہ کا اعلان فرمادیا؟ امر مسلمہ ہے کہ خلیفہ تو اس وقت مقرر کیا جاتا ہے کہ جب سلطنت کے انتظام و انصرام میں عجز پایا جائے۔ لیکن مولیٰ عزاسمہ ہر عجز و نقص سے پاک ہے اور اس کی قدرت کاملہ ہر شے کو محیط تو پھر خلیفہ کا تقرر چہ معنی دارد؟ اس اشکال کو حضرت علامہ بیضاوی نے اپنے حکیمانہ انداز میں

بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایمان افروز پیمانوں میں ڈھال کر حل فرمایا ہے' فرماتے ہیں:

"انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم کے علاوہ جتنی مخلوق ہے اس میں ظلمت اور کدورت ہے' لہٰذا اس میں اتنی استعداد نہیں کہ وہ بلاواسطہ اللہ رب العزت سے اکتساب فیض کر سکے۔ اس بنا پر خلیفہ کی تخلیق ہوئی--- علمائے کرام اہل سنت و جماعت اس کی مزید صراحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ مخلوق میں کیوں استعداد فیضان نہ تھی؟"

سوال قائم کرنے کے بعد خود جواب ارشاد فرماتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جتنی بھی مخلوق ہے' اس میں ظلمت اور کدورت ہے اور اللہ تعالیٰ ظلمت و کدورت سے پاک و منزہ ہے۔ بلکہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نقص و عیب محال ہے اور یہ بھی کلیہ ہے کہ مستفیض اور مفیض میں مناسبت شرط ہے اور پھر یہ شرط عادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ پیدا فرمایا جو دو جہتیں ہیں اور جو تجرد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مناسبت رکھتا ہے اور اس ہی مناسبت کی بنیاد پر اللہ جل مجدہ سے استفادہ کرتا ہے اور تعلق بدنی کے لحاظ سے مخلوق کے مناسب ہے اور اس نسبت کی وجہ سے مخلوق اس سے استفادہ کرتی ہے"۔

وجہ خلافت کو سمجھ لینے کے بعد اس نکتہ لطیف کو بطور تمثیل ذہن نشین کرنے کے لیے سطور ذیل میں وہ مبارک تقریر بھی سنئے جس کو علامہ بیضاوی نے انسانی بدن سے تمثیل دے کر کس خوبصورت انداز میں پیش فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

"مثلاً ہڈیاں گوشت سے خوراک حاصل کرتی ہیں اور گوشت اور ہڈیوں کے مابین مناسبت نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے عادی طور پر نرم ہڈی کو پیدا فرمایا جو کہ ظاہری رنگ کے لحاظ سے ہڈی ہے اور نرمی کے لحاظ سے گوشت سے مناسبت رکھتی ہے اور ہڈیاں اسی نرم ہڈی کے واسطے سے اپنی خوراک گوشت سے حاصل کرتی ہیں--- بس اسی طرح اللہ رب العزت اور مخلوق کے درمیان انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام واسطہ بنائے گئے ہیں اور جن کی شان ذوجہتین ہے' کیونکہ ان میں تجرد و نورانیت بھی ہے اور تعلق بشریت بھی"۔

لہٰذا اس تقریر سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچی کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نہ تو خدا ہیں اور نہ ہی محض بشر۔ اہل بدعت و ضلالت نے اس مقام پر ٹھوکر کھائی' وہ نبی کی ظاہری شکل کو حقیقت سمجھ کر "اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ" کا انکار کر بیٹھے اور نبی کو اپنی طرح کا محض معمولی انسان قیاس کر کے توہین رسالت کے سنگین جرم کے مرتکب ہوگئے۔ بس جس طرح ان اہل ضلالت کو عقیدۂ توحید میں پوشیدہ راز محبت سے بے خبری کی بنیاد پر کلمہ طیبہ کے جزو اول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا حقیقی عرفان نصیب نہ ہو سکا' بالکل اسی طرح اس کلمہ ایمان کے جزو ثانی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں پوشیدہ کمال محبوبیت و جمال نورانیت کے عرفان و آگہی سے بھی محروم و نامراد رہ کر آپ کے مناصب جلیلہ اور مدارج علیہ کا انکار کر بیٹھے۔

جناب محمد رسول اللہ علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شان محبوبیت کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت قاضی عیاض مالکی قدس سرہ کتاب الشفاء شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

امام ابوالحسن نابلسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس فضیلت عظمیٰ کے ساتھ نوازا گیا ہے اس سے کسی دوسرے کو مشرف نہیں فرمایا گیا' جیسا کہ مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ میں مذکور ہے:

اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ○ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں--- پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا' سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی فاسق ہیں۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب بھی وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرے اور ان کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے یہ عہد لے کہ اگر وہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لانا ہو گا---
اور بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کر کے اس بات کا عہد لیں کہ وہ اپنے بعد والوں کو فضائل مصطفیٰ سے آگاہ کرتے اور حبیب پروردگار کے خطبے پڑھتے رہیں گے۔ پھر اسی آیہ کریمہ کی وضاحت کے ذیل میں چند سطور ارشاد فرماتے ہیں۔ امام سمرقندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیہ سے ہمارے آقا و مولیٰ کی دیگر انبیاء کرام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے' اسی لیے تو آخری نبی ہونے کے باوجود آپ کا ذکر سب سے پہلے فرمایا ہے۔ یہ عہد (میثاق انبیاء) اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء کرام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی مانند نکال کر لیا تھا۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اسی میثاق انبیاء پر بحث کرتے ہوئے یہ ایمان افروز تقریر فرمائی چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں' پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس مضمون کو قرآن عظیم نے کس قدر مہتم بالشان ٹھہرایا ہے اور طرح طرح سے موکد فرمایا ہے۔

اولاً: انبیاء کرام علیہم السلام معصومین ہیں' زنہار حکم الٰہی کے خلاف ان سے محتمل نہیں--- کافی تھا کہ رب تبارک و تعالیٰ بطریق امر انہیں ارشاد فرماتا' اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے' اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ مگر اس قدر پر اکتفانہ فرمایا' بلکہ ان سے عہد و پیمان لیا۔ یہ عہد "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے بعد دوسرا پیمان تھا جیسے کلمہ طیبہ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ تاکہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوائے اللہ پر پہلا فرض ربوبیت الٰہیہ کا اذعان ہے' پھر اس کے بعد رسالت محمدیہ پر ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک و شرف وجل و عظم۔

امام عشق و محبت علیہ الرحمتہ والرضوان اس میثاق انبیاء سے متعلق اپنے حکیمانہ انداز میں مزید بصیرت افروز نکات بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ثانیاً: اس عہد کو لام قسم سے موکد فرمایا۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ جس طرح نوابوں سے بیعت سلاطین پر قسمیں لی جاتی ہیں' امام سبکی فرماتے ہیں کہ "شاید سوگند بیعت اسی آیت سے ماخوذ ہوئی ہے"۔

ثالثاً: نون تاکید۔

رابعاً: وہ بھی ثقلیہ لاکر ثقل تاکید کو اور دوبالا فرمایا۔

خامساً: یہ کمال اہتمام ملاحظہ کیجئے کہ حضرات انبیاء ابھی جواب بھی نہ دینے پائے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھا جاتا ہے "ءَاَقۡرَرۡتُمۡ" کیا تم اس امر پر اقرار لاتے ہو؟ یعنی کمال تعجیل و تسجیل مقصود ہے۔

سادساً: اس قدر پر بھی بس نہ فرمایا' بلکہ ارشاد ہوا:

وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ۔ خالی اقرار نہیں' بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لے لو۔

سابعاً: عَلَیۡہِ یا عَلٰی ھٰذَا کی جگہ عَلٰی ذٰلِکُمۡ فرمایا کہ بعد اشارت دلیل عظمت ہو۔

ثامناً: اور ترقی ہوئی کہ فَاشۡھَدُوۡا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ' حالانکہ معاذ اللہ اقرار کر کے مکر جانا ان پاک و مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا۔

تاسعاً: کمال یہ ہے کہ فقط ان کی گواہیوں پر اکتفا نہیں ہوئی' بلکہ ارشاد فرمایا:

وَاَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰھِدِیۡنَ۔ میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔

عاشراً: سب سے زیادہ نہایت کار یہ ہے کہ اس قدر عظیم و جلیل تاکیدوں کے بعد بانکہ انبیاء کو عصمت عطا فرمائی۔ یہ سخت شدید تہدید بھی فرمادی گئی کہ

فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذَالِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفَاسِقُوۡنَ۔ اب جو اس اقرار سے پھرے گا فاسق ٹھہرے گا۔

اللہ! اللہ! یہ وہی اعتنائے تام و اہتمام تمام ہے جو باری تعالیٰ کو اپنی توحید کے بارے میں منظور ہوا کہ ملائکہ معصومین کے حق میں ارشاد فرماتا ہے: "جو ان سے کہے گا میں اللہ کے سوا معبود ہوں" اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے' ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستم گاروں کو۔ گویا ارشاد فرماتا ہے جس طرح ہمیں ایمان کے جزو اول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اہتمام ہے' یونہی جزو دوم مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ سے اعتنائے تام ہے۔ میں تمام جہان کا خدا کہ ملائکہ بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے اور میرا محبوب سارے عالم کا رسول و مقتدا کہ انبیاء و مرسلین بھی اس کی بیعت و خدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔ اس سے بڑھ کر حضور کی سیادت عامہ و فضیلت تامہ پر کونسی دلیل درکار ہے۔ وَلِلّٰہِ الۡحُجَّۃُ الۡبَالِغَۃُ۔

(تجلی الیقین' مطبوعہ مراد آباد' ص ۸ تا ۱۰)

مضمون کے اختتام پر ایمان و ایقان کے ضمن میں سیر حاصل گفتگو اور اس حدیث مبارک کی بھی وضاحت کر دی جائے جس کا مفہوم نہ سمجھنے پر اہل ضلالت نے اپنی حرماں نصیبی کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔ اس حدیث مبارک کے متعلق جب امام اہل سنت سے معلوم کیا گیا تو آپ نے فلسفہ لا الہ الا اللہ پر مندرجہ ذیل بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

سوال: حضور سرور کونین رحمت دارین علیہ الصلوۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں: مَنۡ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الۡجَنَّۃَ۔ اس حدیث مبارک سے غلط معنی اخذ کرتے ہوئے فرقہ نیچری کے سرخیل ڈپٹی نذیر احمد نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ نجات کے لیے صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے' مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کی کچھ حاجت نہیں۔ اس کے جواب میں مجدد دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی اس حدیث مبارکہ سے اقرار رسالت پر استدلال فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ارشاد: حدیث حق ہے اور زعم خبیث کفر۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کلمہ طیبہ کا علم ہے جس سے پورا کلمہ مراد ہے۔ اگر کہئے الحمد سات بار کہو یا قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ گیارہ بار کہو۔ کیا اس سے صرف لفظ اَلۡحَمۡدُ یا صرف قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ مراد ہوگی۔ ہرگز

نہیں بلکہ پوری سورتیں کہ اختصاراً جن کے نام یہ ہیں۔ کلمہ طیبہ کا اختصار لَآاِلٰہَ نہیں ہو سکتا تھا کہ نفی محض بلا استثناء تو معاذ اللہ کلمہ کفر ہے' لاجرم نصف کلمہ اس کا اختصار ہوا۔ یہ ایک ظاہر جواب ہے اور میرے نزدیک تو حقیقت امر یہ ہے کہ بے شک صرف لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے فقط الفاظ مراد نہیں' بلکہ اس کے معنی کی تصدیق سچے دل سے ایمان لانا کہ جس ذات جامع جمیع کمالات منزہ از جمیع عیوب و نقائص کا علم پاک واقع میں اللہ ہے' جس نے سچی کتابیں اتاریں' سچے رسول بھیجے' محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو افضل الرسل و خاتم النبین کیا۔ جس نے اللہ کو اس طرح پہچانا اسی نے اللہ کو جانا' اسی نے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مانا اور جسے ضروریات دین سے کسی بات میں شک یا شبہ ہے اس نے ہرگز اللہ کو نہ جانا اور نہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مانا۔ مثلاً جو شخص لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر ایمان کا دعویٰ رکھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ مانے وہ ایسے کی توحید کی گواہی دیتا ہے' ایسے کو اللہ سمجھا ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ بھیجا اور وہ ہرگز اللہ نہیں۔ اس نے اپنے خیال میں ایک باطل تصور جما کر اس کا نام اللہ رکھا ہے۔ یہ اللہ پر مومن نہیں' بلکہ اللہ کے ساتھ مشرک ہے۔ اللہ یقیناً وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔

غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ (ملتان)

اختیارات انبیاء و اولیاء

خدا کی وحدانیت

اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے' اس کا موجود ہونا اور ایک ہونا ایسا ہے کہ جاہلیت زدہ لوگوں کو اس کی تفصیل کی ضرورت ہو تو ہو ورنہ اس دور میں سلیم الفطرت انسان کے لیے محض اس مسئلہ کی طرف توجہ دلانا ہی کافی ہے۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے "اَلْاَشْیَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِهَا" ہر چیز اپنی ضد کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ مثلاً راحت کا ادراک وہی کر سکتا ہے جو کبھی پریشان ہوا ہو' جس نے کبھی رنج و غم نہ پایا ہو وہ راحت کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ دن کا اندازہ رات کے بغیر نہیں لگایا جا سکتا' اسی طرح ظلمت کے بغیر نور کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ باطل کا تصور اگر کسی کے سامنے نہ ہو تو وہ حق کی لذتوں سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو یہ نہ سمجھے کہ شرک کسے کہتے ہیں وہ توحید کو نہیں جان سکتا۔ جس طرح حق کی پہچان باطل کے تصور سے ہوتی ہے' اسی طرح یقیناً توحید کا صحیح ادراک بھی تب ہوگا جب ہم سمجھیں گے کہ شرک کسے کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے توحید اور شرک کے حالات کو واضح طور پر بیان کیا اور لادینی کے تمام تصورات کو مٹا دیا' لیکن تعجب ہے کہ قرآن کریم کی تصریحات کے باوجود بھی مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا' لیکن یہ چیز الجھی ہوئی ان ہی لوگوں کے لیے ہے۔ جن کے ذہن الجھے ہوئے ہیں۔

توحید کا معنی

توحید کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو اس کی ذات اور صفات میں شریک سے پاک ماننا' یعنی جیسا اللہ ہے ویسا ہم کسی کو اللہ نہ مانیں۔ اگر کوئی اللہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اللہ تصور کرتا ہے تو وہ ذات میں شرک کرتا ہے۔

علم' سمع' بصر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات اگر ان صفات میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائیں تو ہم مشرک ہوں گے۔

توحید اور شرک میں فرق

ہمیں توحید کا معنی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ "علم" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر ہم کسی دوسرے کے لیے علم ثابت کر دیں تو کیا یہ شرک

ہو گا؟ سمیع و بصیر اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں' اگر ہم کسی دوسرے کے لیے سننے اور دیکھنے کی صفات ثابت کر دیں تو کیا یہ بھی شرک ہو گا؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے صفت حیات ثابت ہے' اگر ہم کسی دوسرے کو حیات کی صفت کا حامل کہیں تو کیا ہم مشرک ہوں گے؟

اللہ تعالیٰ کی حیات اور انسانی حیات

اللہ تعالیٰ کی حیات پر تو سب کا ایمان ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صفت حیات دی ہے وہ سب اس صفت کے حامل ہیں' پس ہم نے اپنے لیے بھی حیات کی صفت کو جانا اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی صفت حیات کو مانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حیات ہم اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے ہیں وہ حیات نہ ہم اپنے لیے مانتے ہیں نہ کسی اور کے لیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی حیات دینے والا نہیں۔ ہماری حیات عارضی ہے' اس کی دی ہوئی ہے' محدود اور فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیات عارضی' عطائی اور محدود نہیں اور ہماری زندگی عطائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیات باقی ہے اور ہماری فانی' تو شرک ختم ہو گیا۔ یہی تصورات تمام مسائل میں پیش کرتے چلے جائیے' بات واضح ہو جاتی ہے۔

قدرت خداوندی اور اختیار انسانی

سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر کوئی قوت پیدا نہیں کی؟ اگر نہیں کی تو پھر پتھر اور انسان میں کیا فرق ہو گا؟

اللہ تعالیٰ قادر و مختار ہے اور انسان کی وہ قدرت اور اختیار جو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اندر پیدا کی' اس کی وجہ سے انسان بھی مختار ہوا کہ نہیں' تو پھر اللہ بھی مختار اور بندہ بھی مختار۔ یہ کیا ہوا؟ سنئے! اللہ تعالیٰ مختار ہونے میں محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار کسی سے عطا نہیں ہوا' بلکہ ذاتی ہے اور بندہ مختار ہونے میں محتاج ہے۔

علم ایزدی اور علم انسانی

علم انسانیت کا زیور ہے لیکن علم تو خدا کی صفت ہے تو کیا یہ شرک ہو گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو علم اللہ تعالیٰ کا ہے وہ بندے کا نہیں' اللہ تعالیٰ کا علم اپنا ہے' ہمارا علم اسی کا عطا کردہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر یعنی سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ تو اللہ تعالیٰ کی یہ تمام صفات بے نیاز و غنی ہو کر ہیں اور بندوں کی یہ صفات اس کے حاجت مند اور نیاز مند ہو کر ہیں' کیونکہ انہیں یہ صفات رب نے دیں اور وہ خود اور اس کی صفات رب کے قبضہ اور قدرت میں ہیں--- الوہیت اور عبدیت کے درمیان یہی فرق ہے۔

اب شرک کا مطلب واضح ہو گیا کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی اپنی ہیں یعنی کسی کی عطا کردہ نہیں' وہی کسی اور کے لیے ثابت کرنا شرک ہے اور ان صفات سے شرک لازم نہیں آتا۔ جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بخشی ہیں اگر انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صفات نہ بخشی ہوں تو پھر نہ کوئی سننے والا ہو' نہ دیکھنے والا ہو' نہ زندہ ہو' نہ کوئی علم والا ہو۔ پس ہم یہی کہیں گے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ بندے کی نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی و ابدی ہیں' بندے کی عارضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کمالات بغیر کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور انسان کے کمالات اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے ہیں۔

اگر ہم کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ اختیار مانیں' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمع اور بصر

مانیں تو شرک نہیں، کیونکہ جب عطا کا تصور آیا تو شرک کی نفی ہو گئی۔

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہو گیا۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز کا تصور آ گیا تو شرک ختم ہو گیا، حالانکہ یہ بات نہیں کیونکہ مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ تم جو بتوں کی پوجا کرتے ہو تو ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وہ کہیں گے اللہ نے پیدا کیا"۔

معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے تصور کو مان لینے سے مقصد پورا نہ ہوا اور محض مخلوق کا تصور کرنا شرک سے بچنے کے لیے کافی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا اور یہ ماننا کہ خدا کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے بھی ضروری ہے۔

مشرکین کا اعتقاد

یہ درست ہے کہ مشرکوں نے اپنے باطل معبودوں کو مخلوق مانا لیکن جب مان لیا تو ان کو تسلیم کرنا چاہیے تھا کہ مخلوق خالق کی محتاج ہے اور خالق کے وجود کے بغیر مخلوق کا وجود نہیں ہو سکتا اور مخلوق جس طرح پیدائش میں خالق کی محتاج ہے اسی طرح موت کے لیے بھی اسی کی محتاج ہے۔ یہ اعتقاد ضروری تھا لیکن ان مشرکین نے کہا! یہ ٹھیک ہے کہ ان کو اللہ نے پیدا کیا، لیکن پیدا کرنے کے بعد ان کو الوہیت دے دی، لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کوئی کام نہ کرے اور یہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اب ان کو اپنے حکم میں نہیں رکھا اور استقلال کی صفت ان کو دے دی کہ میرا حکم نہ بھی ہو تو تم کام کر سکتے ہو۔ یہ تھا ان جاہلوں کا اعتقاد، حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے تھا کہ جو چیز مخلوق ہے وہ مستقل نہیں ہو سکتی۔

الوہیت عطائی نہیں ہو سکتی

اللہ تعالیٰ سب کچھ دے سکتا ہے، مگر الوہیت نہیں دے سکتا، کیونکہ الوہیت مستقل ہے اور عطائی چیز مستقل نہیں ہو سکتی۔ الوہیت استقلال ہی کے معنی میں ہے لیکن مشرکین کا تصور یہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ لات و منات وغیرہ ایسے زاہد و عابد لوگ تھے کہ اللہ نے کہا تمہاری عبادت کمال کو پہنچ گئی۔ اب میں تم پر یہ عنایت کرتا ہوں کہ تم آزاد ہو۔ میں تم پر نہ کچھ فرض کرتا ہوں اور نہ کوئی پابندی لگاتا ہوں۔ پس اس طرح انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تمام معبودوں کو الوہیت دے دی۔

مشرکین اور مومنین کے مابین بنیادی فرق یہی ہے کہ وہ غیر اللہ کے لیے عطائے الوہیت کے قائل تھے اور مومنین کسی مقرب سے مقرب ترین حتیٰ کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں بھی الوہیت اور غنائے ذاتی کے قائل نہیں۔

ہر کام باذن اللہ عین توحید ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (پ ۳)

کون ہے جو شفاعت کرے بغیر اذن خداوندی کے۔

پتہ چلا کہ بغیر اذن کے شفاعت کا اعتقاد شرک ہے اور اذن کے ساتھ عین توحید ہے۔ پس جب یہ عقیدہ آیا کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی حاجت پوری کر سکتا ہے تو شرک ہے اور جب اذن الٰہی کا عقیدہ آیا تو شرک ختم۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کے سامنے تعلیم رسالت پیش کی تو ان سے کہا:

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (پ ۳' سورہ آل عمران: آیت ۴۹)

اور اچھا کرتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

اب دیکھئے شفا دینا اور مردے کو زندہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لحاظ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کاموں کا دعویٰ کیا' لیکن اپ آگے فرماتے ہیں "بِاِذْنِ اللّٰهِ" یعنی میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہوں' پس جہان اذن الٰہی ہونا توحید اور شرک کا بنیادی نکتہ ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر آج کوئی یہ کہے کہ میں مادر زاد اندھوں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے اچھا کردوں گا اور حالانکہ اسے اذن نہیں دیا گیا تو اس کا یہ کہنا شرک تو نہ ہوگا کیونکہ اس نے خود اچھا کرنے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہا۔ لیکن بغیر اذن کے اذن کہنا اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے اور یہ خدا پر بہتان باندھنے والا جھوٹا کہلا سکتا ہے' اسے ہم کافر تو کہہ سکتے ہیں لیکن مشرک نہیں کہہ سکتے۔

اب کوئی اولیاء اللہ کو بِاِذْنِ اللّٰهِ حاجت روا کہے تو شرک تو ختم ہوگیا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان کو اذن دیا ہے؟ اگر اذن دیا تو اس کی کیا دلیل ہے؟

اس سوال میں مشرکین تو دونوں طرح سے پٹ گئے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر بتوں کو حاجت روا مانا' دوسرا یہ کہ اگر وہ اذن کے ساتھ حاجت روا مانتے بھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اذن دیا نہ تھا' تو اس طرح بھی پٹ گئے۔ ایک تو یہ کہ حاجت روائی کے اہل نہ تھے اور ان کو حاجت روا مانا۔ دوسرا یہ کہ اذن الٰہی کا محتاج بھی نہ مانا۔ پس وہ کفر میں بھی مبتلا ہوئے اور شرک میں بھی۔

اب آیئے مومنین کی طرف کہ وہ شرک سے پاک ہیں کہ ان کے پاس بِاِذْنِ اللّٰهِ کا ثبوت ہے اور وہ بِاِذْنِ اللّٰهِ حاجت روا مانتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی اللہ نے ان کو اذن دیا ہے؟ اب خطرہ یہ ہے کہ ان پر کفر ثابت نہ ہو جائے کیونکہ کفر بھی تو مصیبت ہے۔ ہم کو یہ بتانا ہے کہ ہمارے اعتقاد میں نہ شرک کا شائبہ ہے اور نہ ہی کفر کا۔

لیکن اس سے پہلے ایک بنیادی بات کہہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو شرف انسانیت عطا فرمایا ہے اس کے متعلق چند چیزیں قرآن وحدیث کی روشنی میں سامنے لائیں تو بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

مقصد تخلیق انسان

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کسی نہ کسی کام کے لیے پیدا کیا ہے۔ سورج اپنا کام کرتا ہے۔ درخت اپنا کام کرتے ہیں۔ پانی' ہوا اپنا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا' اس کا بھی تو کوئی کام ہوگا' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (پ ۲۷)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لیے ہی پیدا کیا۔

عبادت تب ہوتی ہے جب معرفت ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا۔ اب خدا کی معرفت کا مفاد کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو کوئی جس قدر پہچانا جائے گا یعنی جتنی معرفت ہوتی جائے گی' اسی قدر اللہ

کا قرب اس کے نزدیک بڑھتا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ انسان کا مقصد حیات خدا کی معرفت ہے اور معرفت کا نتیجہ قرب ہے۔ تو یوں کہئے کہ قرب الٰہی انسانیت کا کمال ہوا۔ اب اس کمال کو ذرا تفصیل کی روشنی میں دیکھیں تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ آیئے! اس قرب کے مفہوم، قرب کے انجام اور قرب کے معنی کو دلائل شرعیہ میں تلاش کریں۔

حدیث قدسی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ۔

اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر) فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور جن چیزوں کے ذریعے بندہ نوافل کے ذریعہ میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں۔

(بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۶۳ مطبوعہ مجتبائی، مشکوٰۃ ج ا کتاب الدعوات مطبوعہ مجیدی کانپور)

بعض لوگ اس حدیث کا یہ معنی کرتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کا محبوب بن جاتا ہے تو پھر وہ اپنے کانوں سے کوئی ناجائز بات نہیں سنتا، اپنی آنکھوں سے خلاف حکم شرع کوئی چیز نہیں دیکھتا، اپنے ہاتھ پاؤں سے خلاف شرع کوئی کام نہیں کرتا۔

یہ معنی بالکل غلط ہے اور حدیث شریف میں تحریف کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ اس معنی سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل کرنے والا بندہ محبوب ہونے کے بعد اپنے کسی عضو یا حصہ سے گناہ نہیں کرتا اور وہ اپنے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے جو کام کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں لیکن اس معنی کو جب الفاظ حدیث پر پیش کیا جاتا ہے تو حدیث شریف کا کوئی لفظ اس کی تائید نہیں کرتا، کیونکہ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے تو وہ محبوب بنا۔ اگر گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی محبوبیت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو تقویٰ اور پرہیزگاری کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (پ ۳)

آپ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع، یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر مقام محبوبیت خداوندی کا حصول ناممکن ہے۔

بندہ پہلے برے کاموں کو چھوڑتا ہے' ان سے توبہ کرتا ہے' فرائض و نوافل ادا کرتا ہے تب وہ محبوب ہو جاتا ہے۔ محبوب ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس بندے کے کان ہو جاتا ہے جس سے پھر وہ سنتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اللہ اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ یہ سب محبوب بننے کے بعد ہوتا ہے' لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ برے کام بھی کرے اور محبوب بھی بن جائے اور بعد میں برے کام چھوڑے۔ (مولوی انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دار العلوم دیوبند نے بھی اپنی تصنیف فیض الباری شرح بخاری جزو چہارم ص ۴۲۸ پر اس حدیث قدسی کے تحت یہی معنی لکھے ہیں)

"تو بندہ جب اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت سمع' بصر اور قدرت کے انوار بندے کی سمع' بصر اور قدرت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اس طرح یہ مقرب بندہ صفات الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔ یعنی یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے نور سمع سے سنتا ہے' اسی کے نور بصر سے دیکھتا ہے اور اسی کے نور قدرت سے تصرف کرتا ہے۔ نہ خدا بندے میں حلول کرتا ہے نہ بندہ خدا ہو جاتا ہے' بلکہ خدا کا یہ مقرب بندہ مظہر خدا ہو کر کمال انسانیت کے اس مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آیت کریمہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" کے معنی یہی ہیں جن کا مصداق یہ عبد مقرب ہے۔ عبادت کے معنی پامالی کے ہیں۔ عبد مقرب اپنی انانیت اور صفات بشریت کو اپنے رب کی بارگاہ میں پامال یعنی ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے ان کو فنا کر دیتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بندے میں اس کی اپنی صفات عبدیت کی بجائے صفات حق متجلی ہوتی ہیں اور انوار صفات الٰہیہ سے وہ بندہ منور ہو جاتا ہے۔ جب قرآن سے ثابت ہے کہ درخت سے "اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ" کی آواز آ سکتی ہے تو عبد مقرب کے لیے یہ کیونکر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع و بصر کا مظہر نہ ہو سکے"۔

علامہ امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ اسی حدیث قدسی کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ الْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ اِلَى الْمَقَامِ الَّذِىْ يَقُوْلُ اللّٰهُ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰهِ سَمْعًا لَّهٗ سَمِعَ الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ بَصَرًا لَّهٗ رَاَى الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ يَدًا لَّهٗ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِى الصَّعْبِ وَالْبَعِيْدِ وَالْقَرِيْبِ۔ انتهى۔

اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کر لیتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے "كنت له سمعا وبصرا" فرمایا ہے' جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سن لیتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو گیا تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جائے تو یہ بندہ مشکل اور آسان' دور اور قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر سورۂ کہف ص ۹۱ جلد ۲۱' آیہ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ)

حدیث قدسی کی شرح میں امام رازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مقرب بندہ کی شان میں جو کچھ لکھا ہے وہ عبد اور بشر سمجھتے ہوئے لکھا ہے' جس سے ظاہر ہے کہ اس طرح ان صفات عالیہ کا اس بندہ کے لیے ماننا اس کی عبدیت اور بشریت کے منافی نہیں۔ یہ انسانیت کا کمال ہے کہ بندہ صفات خداوندی کا مظہر ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفت سمع کی تجلیاں اس کی سمع میں

چمکنے لگیں گی تو یہ ہر قرب و بعید کی آواز کو سن لے گا۔ یہ اس کی ذاتی صفت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ظل ہے، عکس ہے اور پرتو ہے۔ پرتو اور ظل غیر مستقل ہوتا ہے اور پرتو والا مستقل ہوتا ہے۔ پس اصل توحید تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل کرے کہ خدا کی صفات کا آئینہ بن جائے۔

امام رازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بصر کا نور جب اس کی بصر کے صیقل شدہ آئینے میں چمکے گا تو وہ ہر نزدیک اور دور کی چیز کو دیکھ لے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نور کے جلوے اس کے ہاتھ پاؤں' دل اور دماغ میں ظاہر ہوں گے تو یہ ہر آسان' ہر مشکل اور ہر دور و نزدیک کی چیز پر قادر ہو جائے گا۔ اب بتائیے کہ جب مشکل بندے کی قدرت میں ہو گئی تو مشکل کشا نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر خوب یاد رکھئے کہ خدا کا مشکل کشا ہونا ذاتی ہے--- اور بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے کیونکہ بندہ اگر کسی کی کوئی مشکل حل کرتا ہے یا حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی طاقت و اختیار سے کرتا ہے اور اللہ کے اذن سے کرتا ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ ہمارا یہ عقیدہ شرک کی تمام جڑوں کو کاٹنے والا ہے۔ اب بتائیے کہ عین توحید کو لوگ شرک کہتے ہیں تو اسلام پھر کیا ہو گا؟

پس یہ ادراک، علم، سمع اور بصر جو ان مقربین بارگاہ الٰہی میں پائے جاتے ہیں اور جن میں دلیل موجود ہے' ان میں آسان سے آسان کام پر بھی اولیاء اللہ کی قدرت ثابت ہو گئی اور مشکل و بعید چیزوں پر بھی ان کی قدرت ثابت ہو گئی اور دلیل قائم ہو گئی کہ یہ نفع پہنچانے والے ہیں اور بارگاہ رب العالمین میں دعائیں کر کے رب کو راضی کرنے کی صلاحیتیں رکھنے والے ہیں' ان میں مشکل کشائی کی قدرتیں بھی ہیں--- دور سے دیکھنے کی قدرتیں بھی ہیں اور بعید کی آواز کو بھی سن سکتے ہیں۔

کفار مکہ تو خدا پر یہ بہتان باندھتے تھے کہ خدا نے ان پتھروں اور بتوں کو اختیار دے رکھا ہے اور اذن دے دیا ہے' حالانکہ ایسا نہیں تھا اور جب ہم نے ان انبیاء و اولیاء پر اذن کی شرط لگائی تو شرک دور ہو گیا اور جب ان کے اختیار کو ثابت کر دیا تو کفر بھی جاتا رہا---

الحمدللہ! ہم باذن اللہ کا اعتقاد کر کے شرک سے پاک اور انبیاء و اولیاء کے اختیارات ثابت کر کے کفر سے بھی پاک ہیں۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جو آیات قرآنی بتوں کے حق میں آئی ہیں ان کو مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں اس طرح بھولے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں--- بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجی گروہ کو ساری مخلوق سے برا جانتے تھے اور فرمایا: کہ ان لوگوں نے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ جو آیات کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں' ان کو مومنوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمْ اِنْطَلِقُوْا اِلٰى اٰيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (بخاری شریف' جلد دوم' باب الخوارج' ص ۱۰۲۴)

کسی محترم دوست نے ایک سوال پوچھا ہے۔ مناسب ہے کہ اس کے متعلق چند جملے عرض کر دوں تاکہ سابقہ مضمون نامکمل نہ رہے۔

سوال

کمال انسانیت کا جو معیار کتاب و سنت کی روشنی میں ہمارے سامنے آیا' وہ ٹھیک ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا آئینہ

اور مظہر تجلیات ربانی بن جائے۔ یہ بات زندگی میں تو ممکن ہے لیکن مرنے کے بعد تو وہ صرف مٹی کا ایک ڈھیر ہے۔ اس وقت اس کے کمالات کا اعتراف کرنا کہاں مناسب ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ ابھی تک مورد تجلیات الٰہی ہے اور ابھی تک انسان کامل ہے۔ مرنے کے بعد تو یہ بات ختم ہو جانی چاہیے 'ان کا سننا دیکھنا' قریب اور بعید کی آواز سننا' نزدیک و دور کی اشیاء کو دیکھنا اور ان پر قدرت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مظہر قرار پانا ختم ہو جانا چاہیے کیونکہ جب موت آئی تو تمام کمالات ختم ہو گئے۔

جواب

یہ بات ذہن میں اس لیے پیدا ہوئی کہ ہم نے انسانیت کے مفہوم کو نہ سمجھا۔ ہم نے خیال کیا کہ یہ گوشت اور پوست ہی' انسان ہے۔

یہ غلط ہے' یاد رکھئے کہ یہ مفہوم انسانیت' حقیقت انسانیت نہیں۔ حقیقت انسانیت وہ چیز ہے جو مرنے کے بعد بھی زندہ اور باقی رہتی ہے۔ یہ جسم اور روح جن کا مجموعہ ہمیں انسان نظر آتا ہے' ان دونوں میں جو اصل حقیقت ہے وہ روح ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جسم تو گل سڑ جاتا ہے۔ اگر جسم کو اصل حقیقت قرار دے دیا جائے تو پھر یہ تو مرنے کے بعد فنا ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل حقیقت تو روح ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ (شرح الصدور ص ۶۳) وہ جنت کا باغ اور دوزخ کا گڑھا کس کے لیے ہے؟ یقین کیجئے اس روح کے لیے ہے۔ اجزائے جسمانی چاہے بکھرے ہوئے ہوں یا اکٹھے ہوں' ان کا تعلق روح سے اس طرح ہوتا ہے جیسے سورج کا تعلق اشیاء سے ہے۔ اگر کہیں ریت کا ڈھیر پڑا ہو یا سنگلاخ زمین ہو یا گرد و غبار فضا میں ہو تو بھی سورج کی کرنوں کا تعلق اس سے ہے۔ اس طرح جسم کے اجزا پر روح کی شعاعیں پڑتی ہیں تو مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق اس سالم بدن یا جسم کے متفرق اجزاء سے ضرور ہو گا۔ البتہ! روح کا تعلق جو بدن سے اب ہے وہ تعلق مرنے کے بعد اور روح کے بدن سے نکل جانے کے بعد بدل جائے گا۔

پس اصل حقیقت روح ہے جو آفتاب کی حیثیت رکھتی ہے اور جسم فانی ہے۔ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد پھٹ جائے گا' منتشر ہو جائے گا تو اس کا نظام بھی فانی ہے۔ ایک مرتبہ کھانا کھایا پھر ضرورت ہو گئی۔ جسم کا کمال بھی فانی ہے۔ کئی طاقتور انسان پیدا ہوئے لیکن جب موت آئی تو ان کی انگلی بھی نہیں ہلتی' لیکن روح باقی ہے تو اس کی صفات بھی باقی ہیں اور اس کے کمالات بھی باقی ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ روح بمنزلہ آفتاب کے ہے۔ روح اگر خوش ہے تو جسم کے اجزاء پر اچھے تاثرات دے گی اور اگر روح ناخوش ہے تو وہ اپنا برا اور ناخوش اثر دے گی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبر میں کوئی گرمی یا عذاب نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی قبر میں کوئی باغ وغیرہ نظر آتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ روح اگر خوش ہے تو بدن پر خوشی کے اثرات وقف کرے گی اور اگر تکلیف میں ہے تو بدن پر تکلیف کے اثرات چھوڑ دے گی لیکن وہ خوشی یا تکلیف کے اثرات عالم برزخ میں ہوں گے اور کسی کو نظر نہیں آئیں گے' مثلاً کسی کے ذہن میں غمی یا خوشی کے اثرات ہیں یا کسی کے سر میں درد ہے تو اس کے سر کے عالم کو آپ کس طرح جان سکیں گے؟ درد والے سر پر آپ ہاتھ رکھ دیں یا لاکھ آلات لگائے جائیں تو کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ سر کے اندر درد ہے؟ ہلکا درد ہے یا تیز درد ہے۔ وہ تو اسی کو پتہ ہے جس کو درد ہے' اسی طرح قبر میں مردہ یا مردے کے اجزاء پڑے ہیں یقیناً ان پر روح نے راحت یا رنج کے اثرات چھوڑے ہیں' مگر وہ ہمیں معلوم نہیں ہوتے۔ مردے کی تکلیف کا اثر مردے کے اجزاء ہی کو محسوس ہو گا' نہ کہ

زمین پر وہ اجزاء پڑے ہیں۔

ایک شخص عالم خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کے مکان کو آگ لگ گئی ہے' اس کی چارپائی جل رہی ہے۔ چیخ رہا ہے۔ آپ اس کو دیکھیں تو کیا آپ کو اس کی چارپائی جلتی ہوئی نظر آئے گی؟ یقیناً نہیں' تو اسی طرح عالم برزخ میں کافروں کو عذاب ہوتا ہے مگر ہمیں قبر کے اندر عذاب گرمی اور آگ معلوم نہیں ہوتی۔

فشار قبر

حدیث شریف میں آتا ہے' مرنے کے بعد جب انسان کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو قبر تنگ ہو جاتی ہے۔ مومن ہو اس کو بھی دباتی ہے اور کافر ہو اس کو بھی دباتی ہے۔ مومن کو قبر کیوں دباتی ہے؟ یہ اس لیے کہ قبر تو آغوش مادر ہے' قبر کی آغوش میں مردہ ایسے ہے جیسے ماں کی گود میں بچہ۔ ام ماں کو کہتے ہیں اور اصل کو بھی کہتے ہیں۔ بچے کی اصل ماں ہے۔ اسی طرح تمام بنی آدم کی اصل زمین ہے اور اصل ماں ہوتی ہے۔ پس ہم پیدا ہوئے اور اپنے احوال میں مبتلا ہو گئے اور یہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اور آغوش مادر زمانہ ختم ہونے پر وہ بازار' گلیوں میں جاتا ہے۔ اگر بچہ اچھا ہے اور ماں اس کی خصلتوں سے خوش ہے اس صورت میں ماں منتظر رہے گی کہ کب میرا بچہ آئے' میرے سینے سے لگے اور میرے دل کو ٹھنڈا کرے۔ لیکن ایک بچہ برا ہے اس صورت میں ماں اس سے جلی بیٹھی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ آئے اور میں اس کو سزا دوں۔ اسی طرح قبر ہر بنی آدم کے لیے منتظر ہے۔

ماں جب بچہ کو آغوش میں دبا کر پیار کرتی ہے تو اس بچہ کو کچھ نہ کچھ تکلیف تو ضرور ہوتی ہے لیکن بچہ اس تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتا۔ پس قبر جب مومن کو دباتی ہے تو مومن کو وہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

معلوم ہوا کہ اگر روح کو فانی قرار دیں تو یوں سمجھئے کہ قبر کا عذاب اور ثواب سب کچھ ختم اور حساب کتاب بھی نہ ہو اور پھر حشر نشر کیسا؟ کیونکہ ثواب و عذاب تو روح کے لیے ہے' اگر روح کو فانی مان لیں تو سارا دین ختم ہو کر رہ جائے۔

ہم نے ثابت کر دیا کہ روح باقی ہے اور جب روح باقی ہے تو حقیقت انسانیت اسی روح کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں دیں: جسم اور روح۔ ان میں جسم فانی ہے اور روح باقی ہے۔ پس فانی کے اثرات اور وصف بھی فانی' کیونکہ موصوف فانی ہو تو اس کی صفات بھی فانی ہوتی ہیں' لہٰذا بدن فانی تو بدن کی صفات بھی فانی ہوتی ہیں۔ لہٰذا بدن فانی تو بدن کے سب کمالات بھی فانی ہیں۔ آپ بتائیے کہ مظہر تجلیات صفات الٰہی اور آئینہ جمال رب ہونا یہ صفت روح کی ہے یا جسم کی؟ یقیناً یہ روح کی صفت ہے تو معلوم ہوا کہ موصوف جب باقی ہے تو اس کی صفت بھی باقی ہوگی۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ نیکی کے کام ہیں' یہ سب اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اللہ کا ذکر ہے۔ یہ روح کی غذا ہے۔ تو کیا مرنے کے بعد ایمان' نماز اور دوسری نیکیاں ختم ہو جائیں گی یا باقی رہیں گی؟ یقیناً باقی رہیں گی۔ تو بھائی مرنے کے بعد تمہاری تمام روحانی صفتیں باقی رہیں اور ولی کے مرنے کے بعد اس کے تمام روحانی کمالات ختم ہو جائیں۔ یہ عجیب بات ہے۔ پس ان حضرات کی قبور کے اندر بھی روحانیت زندہ ہوتی ہے اور روحانی کمالات بھی باقی ہوتے ہیں۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک صحابی رسول نے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کیا لیکن اس کو اس جگہ قبر ہونے کا علم نہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کسی انسان کی قبر ہے اور اس میں سے سورۂ ملک (پ۲۹) پڑھنے کی آواز آ رہی ہے۔ جب وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

تو تمام واقعہ بیان کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۃ ملک روکنے والی اور نجات دینے والی ہے اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے۔

اگر مرنے کے بعد قبر میں کوئی چیز باقی نہ ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس صحابی سے فرماتے کہ بھئی یہ تمہارا وہم ہے' یا فرماتے کہ کوئی فرشتہ ہوگا' یا کوئی جن تلاوت کر رہا ہوگا' قبر میں مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوتا لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا اور کوئی تردید نہیں فرمائی۔

یہ تو عہد رسالت کا واقعہ ہے' اب دور صحابہ کا واقعہ سنئے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مکہ اور مدینہ کے درمیان نہر کھودی گئی تو اتفاقاً وہ نہر اسی راستے سے آئی جس میں احد کا قبرستان آتا تھا۔ مزدور کام کر رہے تھے۔ ایک مزدور نے کھدائی کرتے ہوئے زمین میں پھاوڑا مارا تو اتفاقاً وہیں ایک شہید دفن تھا۔ تو وہ پھاوڑا اس کے پاؤں کے انگوٹھے میں جالگا اور خون جاری ہوگیا۔(۱) یہ تو قبر میں حیات جسمانی کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد ان کے جسم میں بھی زندگی موجود ہے اور چہ جائیکہ روح جو ہے ہی باقی۔

زمانہ تابعین کا ایک واقعہ

امام ابو نعیم "حلیتہ الاولیاء" میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت نقل کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی قسم! میں نے اور حمید طویل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لحد میں اتارا تھا۔ جب ہم کچی اینٹیں برابر کر چکے تو ایک اینٹ گر گئی۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ! اگر تو نے کسی مخلوق کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد فرمادے۔

(کشف النور عربی' علامہ عبدالغنی نابلسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' ص ۹' مطبوعہ لاہور)

امام بیہقی شعب الایمان میں اپنی سند سے قاضی نیشاپور ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صالح عورت کا انتقال ہوگیا۔ ایک کفن چور اس کے جنازہ کی نماز میں اس غرض سے شامل ہوگیا تاکہ ساتھ جاکر اس کی قبر کا پتہ لگائے۔ جب رات ہوگئی تو وہ قبرستان میں گیا اور اس عورت کی قبر کھود کر کفن کو ہاتھ ڈالا تو وہ خدا کی بندی بول اٹھی کہ سبحان اللہ! ایک جنتی شخص ایک جنتی عورت کا کفن چراتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری اور ان تمام لوگوں کی مغفرت فرمادی جنہوں نے میرے جنازے کی نماز پڑھی اور تو بھی ان میں شریک تھا۔ یہ سن کر اس نے فوراً قبر پر مٹی ڈال دی اور سچے دل سے تائب ہوگیا۔

(شرح الصدور' علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) مطبوعہ کراچی' ص ۲۰۵)

پس ولیوں کا تو یہ حال ہے کہ چور جائے اور ولی بن کر آئے۔ اب کوئی کہے کہ مرنے کے بعد ان کی کوئی روحانی طاقت نہیں تو یہ سراسر غلط ہے کیونکہ روح تو اپنے لوازمات کے ساتھ باقی ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ میرا بندہ جب میرے مقرب کلام کو اور اپنی صفات کو میری صفات کا آئینہ دار بنادیتا ہے تو اب مجھ سے کچھ مانگے تو میں اس کو عطا کروں گا۔ وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے پناہ دوں گا۔ یہ سب کمالات اس کی روح کے لیے ہیں اور

(۱) ثابت بن اسلم بنانی بصری' تابعی ہیں۔ انہوں نے حضرت انس اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے۔ یہ چالیس سال حضرت انس کی صحبت میں رہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ ایک دن اور ایک رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے اور صائم الدہر تھے۔ ابو بکر المزنی کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے زیادہ عابد کسی کو نہیں پایا۔ ان کی وفات ۱۲۳ھ میں ہوئی۔

جب تک روح چلے گی یہ سب باتیں بھی ساتھ چلیں گی۔ اس حدیث میں وقت کی کوئی قید نہیں' مطلب یہ ہے کہ جب مانگے میں ضرور دوں گا۔ تو اب وہ چاہے دنیا میں مانگیں یا موت کے بعد کے جہان میں مانگیں یا آخرت میں مانگیں' وہ مانگ سکتے ہیں اور خدا ضرور دیتا ہے۔

ہم اولیاء اللہ کے مزارات پر اس لیے جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ (اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ) اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتے ہیں تو میں ان کو ضرور دیتا ہوں تو کسی کے مزار پر جا کر یہ کہنا کہ اے اللہ کے ولی! خدا سے دعا کریں کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو کوئی قباحت نہیں' اب اگر کوئی کہے کہ ولی کے پاس جانے سے کچھ نہیں بنا تو اس ولی کا کچھ نہ بگاڑا' بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو جھٹلایا۔

اب بات یہ ہے کہ کسی نے مزار پر جا کر کہا کہ اے اللہ کے ولی! باذن اللہ ہمارا یہ کام کر دو۔ وہ کام نہ ہو تو اولیاء اللہ کو برا کہنے لگے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ تو کسی اذن کا محتاج نہیں۔ وہ فرماتا ہے: "میرے بندو! مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا"۔ (پ ۲۴)

اب دیکھئے ایک شخص کو پھانسی کا حکم ہو گیا ادھر تم دعا مانگتے ہو کہ اے اللہ! اس کو پھانسی سے بچالے۔ لیکن جب خدا نے تقدیر مبرم میں لکھ دیا تو وہ ضرور پھانسی چڑھے گا۔ آپ خدا کا کچھ بگاڑ کر دکھاؤ۔ وہ تو کہتا ہے تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔ اب یہاں تم خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تو اولیاء اللہ کا کیا بگاڑو گے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سوا چلتے ہی نہیں۔

جب زندہ لوگوں میں سے اہل خیر اور صالحین سے دعا کی درخواست جائز ہے پھر جب یہ حضرات جن سے زندگی میں طلب دعا کرتے تھے' وصال فرما جائیں اور برزخی حیات سے مشرف ہو جائیں تو ان سے اب طلب دعا میں کیا قباحت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی بزرگی' ان کا تقرب اور ان کی مبارک روحانیت پر تو موت نہیں آئی' موت تو صرف جسم پر ہے نہ کہ روح پر۔ وہ تو زندہ ہے' اس کا شعور و ادراک' قوت سماعت اور استجابت دعا بھی باقی ہے' بلکہ ساری کرامتیں باقی ہیں کیونکہ یہ اس کے روحانی کمالات ہیں اور روح فانی نہیں' اس لیے یہ کمالات بھی فانی نہیں۔

یہ تو تھی عالم دنیا اور عالم برزخ کی بات' اب سوال یہ ہے کہ کیا عالم آخرت میں بھی اولیائے کرام کا فائدہ ہو گا یا نہیں؟ تو میں عرض کرتا ہوں کہ آخرت میں بھی ان بزرگوں کا فائدہ ہو گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے علماء' حفاظ اور شہداء شفاعت کریں گے حتیٰ کہ ایک بچہ بھی جس کے والدین مومن ہوں وہ ان کے لیے سفارش کرے گا۔

اگر انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنا شرک ہے تو یہ شرک آخرت تک چلے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اب تو شرک ہے لیکن آخرت میں عین توحید ہو جائے کیونکہ شرک تو ہر زمانہ میں شرک ہی رہے گا۔ آخرت میں بھی کوئی غیر اللہ سے مدد مانگے تو شرک ہی ہو گا تو جناب یہ شرک تو قیامت تک چلے گا کیونکہ ہول محشر سے بڑھ کر تو کوئی قیامت نہیں ہو گی اور اس وقت تمام لوگوں کی نظریں کسی اللہ کے بندے کو تلاش کرنے میں ہوں گی۔ سب آپس میں کہیں گے کہ کوئی ایسی ہستی ڈھونڈو جو تمہاری شفاعت کرے۔

سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے کہ آپ ہماری شفاعت کریں۔ آدم علیہ السلام یہ نہیں فرمائیں گے کہ تم شرک کر رہے ہو' مجھ سے کیا مانگتے ہو' جاؤ خدا کے پاس۔ نہیں' بلکہ وہ بھی غیر کی راہ دکھائیں گے اور فرمائیں گے نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ۔

دیکھئے کہ جب غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے تو قیامت کے دن جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے' کیا وہ مشرک ہوں گے؟ یہاں تو پھر حضرت آدم علیہ السلام بھی نہیں بچتے وہ بھی ان کو خدا کا راستہ نہ بتائیں گے' بلکہ کسی غیر کا راستہ

بتائیں گے اور فرمائیں گے "اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ" پس تمہارے فتوی کی رو سے تو (معاذ اللہ) حضرت آدم علیہ السلام بھی مشرک ہوئے اور ان کے پاس جانے والے بھی مشرک ہوئے۔

تو جناب! آپ کے تمام فتوے غلط ہیں کیونکہ حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام تو مشرک ہو نہیں سکتے۔ پھر سب لوگ آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی راہنمائی سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ ہر ایک یہی کہے گا "اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ"۔ (بخاری شریف)

اب ان کو خیال آئے گا کہ چلو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں چلیں۔ جب وہاں پہنچیں گے تو آپ کی بارگاہ میں بھی وہی مدعا عرض کریں گے جو دیگر انبیاء کرام کے حضور عرض کر چکے تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سماعت فرمانے کے بعد یہ نہیں فرمائیں گے کہ بھئی تم تو پکے مشرک ہو۔ فلاں فلاں نبی کے پاس گئے، پھر میرے پاس آئے ہو، جاؤ خدا کے پاس۔ نہیں، نہیں ایسا نہیں فرمائیں گے بلکہ فرمائیں گے کہ آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام نے نَفْسِیْ نَفْسِیْ "اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ" اس لیے کہا تھا کہ تم مجھ تک پہنچ جاؤ اور اس کام کے لیے تو میں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ ہی کو یہ اعزاز عطا فرمایا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے نَفْسِیْ نَفْسِیْ کہنے میں حکمت یہ ہے کہ جب سردار موجود ہو تو سردار کے ہوتے ہوئے اس کا کام نیچے والے نہیں کریں گے۔ کمشنر موجود ہو تو کمشنر کا کام ڈپٹی کمشنر نہ کرے گا۔ پس مطلب یہ تھا کہ تم سب کے پاس گھوم آؤ، جو کام کوئی نہ کرے وہ میرا محبوب کرتا ہے اور حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَنَا لَهَا" کہ اس کام کے لیے تو میں ہوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں سر جھکا دیں گے۔

فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔

حکم دیا جائے گا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ اور کہو، آپ کی بات کی شنوائی ہوئی۔ اور جو مانگو عطا ہو گا اور شفاعت فرمایئے، آپ کی شفاعت قبول ہو گی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے، پھر انبیاء و اولیاء اور مومنین کو شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہو جائے گی۔

دیکھئے! اگر انبیاء و اولیاء کے پاس جانا اور ان سے مدد مانگنا شرک ہے تو یہ شرک تو پھر آخر تک چلے گا۔ پس معلوم ہوا کہ جو یہاں شرک سمجھتے ہیں وہ وہاں بھی نہیں جائیں گے اور جو جائیں گے نہیں تو شفاعت کیسے پائیں گے؟ کرنے والا تو سب کچھ خدا ہے، مگر خداوند کریم اپنے بندوں کا احترام کرتا ہے اور اعزاز بخشتا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ولی کچھ نہیں ہوتے، سب فراڈ ہے تو وہ بھی سن لیں حدیث قدسی کے شروع ہی میں ہے کہ "مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ"۔ یعنی جس نے میرے ولی سے عداوت کی اس کے ساتھ میرا اعلان جنگ ہے۔

تو دوستو! اولیاء کرام نہ خدا کے شریک ہیں نہ ساجھی ہیں، وہ تو خدا کے اذن اور حکم کے تابع ہیں۔ معلوم ہوا "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" تو ایک تنکا بھی نہیں ہلا سکتا اور بِاِذْنِ اللّٰهِ سے مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ اب جو لوگ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی باتیں "بِاِذْنِ اللّٰهِ" پر چسپاں کرتے ہیں، خدا ان کو ہدایت دے۔

اب ایک بات میری نظر میں ایسی باقی ہے جو اہل علم طبقہ کے لیے قابل تشریح ہے' وہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے مقربین اور حضرات اولیاء کرام کے تصرفات بعد الوفات اور علم و ادراک بعد الممات کے قائل نہیں اور اس امر کو توحید کے منافی سمجھتے ہیں ان کی طرف سے علی العموم یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقہ کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آپ لوگ تو اولیاء اللہ کے علم و ادراک بعد الوفات کا عقیدہ رکھتے ہیں' حالانکہ قرآن پاک میں صاف وارد ہے کہ انبیاء کرام کو موت کے بعد کوئی ادراک اور کوئی علم نہیں ہوتا اور جو انبیاء نہیں' بلکہ اولیاء ہیں ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کیونکر صحیح ہوگا۔

اس شبہ کو کہ مرنے کے بعد اولیاء اللہ بے خبر ہوتے ہیں' قرآن مجید کی ایک آیت سے موید کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اس آیت کا جواب دیتا ہوں' تاکہ اس شبہ کا ازالہ ہو جائے۔ وہ آیت یہ ہے:

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ۔ (پ ۳' سورۂ بقرہ: آیت نمبر ۲۵۹)

یا مثل اس شخص کے جو گزرا ایک بستی پر وہ اس حال میں تھی کہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل' کہنے لگا کیوں کر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک ہونے کے بعد' پس حالت موت میں رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک' پھر زندہ کیا اسے' فرمایا: کتنی مدت تو یہاں ٹھہرا رہا۔ اس نے عرض کی: میں ٹھہرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ' اللہ نے فرمایا: نہیں' بلکہ ٹھہرا رہا ہے تو سو سال۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ امثال بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ حضرت عزیر علیہ السلام جو ایک دراز گوش یا حمار شریف پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے اور کسی ایسے مقام سے گزرے جہاں عمارتیں گر چکی تھیں اور اس بستی کے کھنڈرات پڑے تھے۔ (مفسرین نے لکھا ہے کہ اس بستی سے مراد بیت المقدس ہے) جب آپ وہاں سے گزرے تو فرمانے لگے 'اے اللہ! تو ان کے مرنے کے بعد ان کو کس طرح زندہ فرمائے گا اور کس طرح اٹھائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو سو سال تک حالت موت میں رکھا اور پھر ان کو اٹھایا اور فرمایا: تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے رہے۔ انہوں نے جواب دیا میں تو ایک دن یا اس کا کچھ حصہ ٹھہرا رہا' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم تو یہاں سو برس تک ٹھہرے رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہنے کے جواب میں بتایا اور ثابت کر دیا کہ ان پر سو برس تک موت طاری رہی۔ اب شبہ پیدا ہوا کہ اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ سو برس کی بجائے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ کیوں کہتے؟ پس معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد ان کو کوئی علم و ادراک نہ رہا تھا۔

جس آسان طریقہ سے یہ شبہ بیان کیا جاتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اسی آسان اور سہل طریقہ سے اس شبہ کو دور کر دوں۔ تو سنئے:

سب سے پہلے میں یہ عرض کروں گا کہ قرآن مجید میں حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر نہیں آیا' بلکہ فرمایا:

كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ۔ مثل اس شخص کے جو گزرا ایک بستی پر۔

یہاں "اَلَّذِیْ" کا لفظ آیا ہے اور "اَلَّذِیْ" کی تفسیر میں کئی قول آئے ہیں جن میں سے کوئی قول ایسا نہیں جس پر قطعیت کا حکم لگایا جا سکے۔ (قطعیت سے مراد یہ ہے کہ جس طرح قرآن کا انکار کفر ہے وہ بھی کفر ہو) "اَلَّذِیْ" سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک عزیر علیہ السلام ہیں۔ لیکن یہ قول محض مفسرین کا قول ہے۔ پس یہاں قطعیت کا حکم نہیں آ سکتا' اس کے

علاوہ تفاسیر میں چند اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ "اَلَّذِیْ" سے مراد ایک کافر ہے (تفسیر بیضاوی) لہٰذا اگر ہم اس سے مراد ایک مرد کافر لیں تو اب جہاں ایک قول کافر کے بارے میں آئے وہاں عزیر علیہ السلام کو کیسے لائیں؟ کیونکہ ایسی بات سے قطعی طور پر کسی نبی کو متعین کرنا باطل ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ قول قابل سماعت نہیں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر "اَلَّذِیْ" سے مراد عزیر علیہ السلام ہیں اور مرنے کے بعد ان کو کوئی علم نہیں تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ جس کو کسی بات کا علم نہ ہو اس سے کسی علم کی بات کا دریافت کرنا کیسے صحیح ہے؟ جماد، پتھر اور مٹی کے اندر تو کوئی علم نہیں ہوتا اور جب وہ (معاذ اللہ) مٹی، پتھر ہیں تو کیا علم کی بات ان سے پوچھنا غلط نہیں؟ شاید! آپ کہیں کہ خدا کی شان یہ ہے کہ خدا کوئی کام کرے تو خدا کے کام پر کوئی سوال نہیں کر سکتا کہ اللہ نے ایسا کیوں کیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر آیت کا مطلب یہ لے لیا جائے تو خدا تعالیٰ کے کمال حکمت پر دھبہ آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ خدا تعالیٰ سب پر قادر ہے اور قاہر ہے۔ سب کو اپنی قدرت اور احاطہ میں لینے والا ہے، وہ جو چاہے کرے اور جو کرے گا حکمت کے تقاضے سے کرے گا۔ وہ کسی سے مقہور نہیں ہے۔ تو جو علم و ادراک نہ رکھتا ہو اس سے علم کی بات پوچھنا حکمت کے تقاضے کے خلاف ہے اور وہ بات جو حکمت کے تقاضے کے خلاف ہو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا حماقت ہے۔ پس سوال اس سے کیا جا رہا ہے جو محل ادراک ہے اور علم رکھتا ہے۔

یہاں دو دو چیزیں ہیں۔ سائل اور مسئول عنہ۔

سائل کا سوال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محل ادراک ہے یعنی ادراک والا ہے، کیونکہ سوال کرنے والا حکمت کے تقاضوں سے دور نہیں۔ وہ علیم و خبیر ہے اور اللہ تعالیٰ کا علیم و خبیر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جس سے سوال فرما رہا ہے وہ علم اور ادراک والا ہے۔

اگر عزیر علیہ السلام کو علم و ادراک نہ ہوتا تو چاہیے تھا کہ وہ خاموش ہو جاتے یا کہتے کہ میں تو مرنے کے بعد مٹی پتھر اور جماد ہو گیا تھا، میں تو جب بتاؤں کہ مجھے کچھ علم ہو۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ میرے مولا میں "یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ" یعنی ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا تو پتہ چلا کہ وہ اپنے علم و ادراک کا اعتراف کر رہے ہیں اور اس کے مطابق بیان کر رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا سوال "کَمْ لَبِثْتَ" (کتنی دیر ٹھہرے) حکمت کے مطابق ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ان کو کوئی علم نہ ہوتا تو وہ یہ بات نہ کہتے۔ یہ دونوں باتیں دلیل ہیں کہ وہ محل ادراک ہیں۔

اب یہاں ایک شبہ پیدا ہو گیا کہ جو بات واقع میں تھی وہی بتاتے۔ علم معلوم کے مطابق ہونا چاہیے لیکن یہاں ان کا علم تو معلوم کے خلاف ہے اور جو علم معلوم کے خلاف ہو وہاں تو لاعلمی پیدا ہو گئی۔

دیکھئے! لوگوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا۔ جتنی گفتگو میں نے کی ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو محل ادراک جان کر سوال کیا اور انہوں نے اپنے علم و ادراک کو مان کر جواب دیا، یہ دونوں باتیں ذہن میں رکھ کر یہ بات سمجھئے۔

اب اس جگہ "یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ" کی بنا پر شبہ یہ ہے کہ اگر واقعی ان کو علم تھا تو "یَوْمًا" کے بعد "اَوْ" جو کہا اس سے تو شک معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کو شک تھا اور صحیح مدت کا علم نہیں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے "اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ" میں بھی "اَوْ" شک کے لیے متعین ہوگا؟ نہیں! میں عرض کرتا ہوں کہ او ہمیشہ شک کے لیے نہیں آتا۔ یہاں او تاخیر کے لیے ہے۔ یعنی "اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ" سے مراد یوم تقرر نہیں بلکہ مراد یہ

ہے کہ میں اتنی دیر ٹھہرا کہ جو مدت قلیلہ تھی۔ اب اے مخاطب! تجھ کو اختیار ہے کہ اس مدت قلیلہ کو ایک دن اندازہ کرے یا ایک دن سے کم اور یہ دونوں مدت قلیلہ ہیں۔ تو معنی یہ ہوئے کہ اے مولا! میں تو مدت قلیلہ ٹھہرا ہوں اب اس کا اندازہ تو "یَوۡمًا" سے لگالے یا "اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ" سے۔ معلوم ہوا کہ محض مدت قلیل مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی جگہ "او" اس لحاظ سے استعمال کیا ہے کہ وہاں مخاطب کو اختیار دیا ہے کہ یہ بات ہے اب تو اس کو اس سے اندازہ کرلے یا اس سے۔

اب آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ۔ بلکہ تو ٹھہرا رہا ہے سو برس تک۔

اب پھر سوال پیدا ہوگیا کہ "بَلۡ" تو ابطال کے لیے آتا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے "بَلۡ" کہہ کر عزیر علیہ السلام کے کلام کو باطل کردیا اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ قلیل مدت باطل ہے اور طویل مدت "مِائَةَ عَامٍ" یعنی سو برس صحیح ہے۔ پس اگر "مِائَةَ عَامٍ" صحیح ہے تو "یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ" غلط ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام نے مدت قلیلہ کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ باطل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان کا کلام واقع کے مطابق نہیں ہے' لہٰذا کذب ہوا' کیونکہ کلام کا واقع کے مطابق ہونا صدق ہے اور کلام کا واقع کے مطابق نہ ہونا کذب ہے۔

اب اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو ان کا یہ قول باطل ہوا' یعنی واقع کے مطابق نہ ہوا اور یہی کذب ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام نے یہی کیا' یعنی واقع کے مطابق نہ بتایا تو ان کا کلام سچا نہ رہا۔

لیکن نبی نہ تو قصداً جھوٹ بولتا ہے اور نہ بلاقصد جھوٹ بولتا ہے۔ لہٰذا صاف معلوم ہوا کہ آیت کے معنی یہ نہیں ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف کذب منسوب ہوگیا' اور نبی جھوٹ بولتا نہیں' کیونکہ جو جھوٹا ہو وہ نبی ہو ہی نہیں سکتا' لہٰذا آیت کے معنی غلط کیے گئے ہیں۔

پس اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایک امر کو دو واقعوں کی صورت میں ظاہر کردے۔ اگر حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں تو یہ غلط ہے' کیونکہ نبی جھوٹ نہیں بول سکتا اور اگر وہ جھوٹے نہیں تو پھر (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ کا قول جھوٹا ہوگا۔ یہ تو اور بھی زبردست مصیبت ہوگئی تو معلوم ہوا دونوں قول جھوٹ نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ایک امر کو دو واقعی صورتوں میں نمایاں کردے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مدت تو سو برس کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سو برس کی مدت کو عزیر علیہ السلام کے لیے اتنا چھوٹا کر کے گزارا کہ ان کے لیے وہ "یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ" ہو کر گزرا۔ پس حضرت عزیر علیہ السلام کا علم اس واقعہ کے مطابق ہے جو ان پر گزرا اور اللہ جل جلالہ کا کلام اس واقع اور حقیقت کے مطابق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر گزارا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کلام بھی سچا ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کا کلام بھی سچا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک واضح اور روشن بات یہ ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا' مگر اہل ایمان صلحاء و اولیاء اور شہداء کے لیے ایک وقت کی نماز سے بھی جلدی گزر جائے گا۔ قیامت میں اگر صالحین سے دریافت کیا جائے گا کہ تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے تو وہ اپنے تجربہ و مشاہدہ کے مطابق وقت کا اختصار بیان کریں گے اور اگر کفار و مشرکین سے دریافت کیا جائے تو وہ اپنا ماجرا بیان کریں گے اور ہر ایک اپنے قول اور دعوے میں سچا ہوگا۔

اب بتائیے کہ جو اللہ پچاس ہزار برس کو ایک وقت کی نماز کے عرصہ میں تبدیل کرسکتا ہے' تو کیا وہ سو برس کے عرصہ کو ایک دن یا دن کے کچھ حصے میں تبدیل نہیں کرسکتا؟ پس اللہ تعالیٰ کا کلام اس اصل واقع کے مطابق ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کا کلام ان کے علم کے مطابق ہے۔

اب دوسری مثال سنئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی رات کے تھوڑے سے حصہ میں"۔ (پ۱۵)

اب اندازہ لگائیے کہ وہ تھوڑا عرصہ کتنا ہے کہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے جاتے ہیں اور اسی عرصہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے مصافحہ فرماتے ہیں۔ اسی مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔ پھر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آسمانوں پر تشریف لے جانا' ابواب سے گزرنا' وہاں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا' بیت المعمور ملاحظہ فرمانا' سدرۃ المنتہی پر جبرئیل کا علیحدہ ہونا' پھر رفرف پر جلوہ گر ہونا' پھر دریائے نور میں غوطہ زن ہونا اور پھر ظاہر ہونا اور پھر اللہ تعالیٰ کے حجابات عظمت کو مشاہدہ فرماتے ہوئے وہاں جانا جہاں نہ کوئی مکان ہے نہ زمان ہے' پھر عرش عظیم پر جلوہ گر ہونا' عرش سے اوپر جانا' اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے قرب خاص سے مشرف ہونا اور دیدار فرمانا' پھر نمازیں لینا' پھر نمازوں کی تعداد کم کرانے کے لیے بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور جانا۔ اب آپ بتائیں کہ ان سب کاموں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کتنا عرصہ تھا اور یہ کتنا وقت گزرا۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تو سفر معراج کا یہ اتنا طویل عرصہ تھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اٹھارہ سال تک سیر فرماتے رہے' لیکن دنیا کے لیے اتنا طویل تھا کہ جب تشریف لائے تو بستر گرم تھا' دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی اور وضو کا پانی چل رہا تھا۔ (روح المعانی پ۱۵)

پس ثابت ہوگیا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے کہ ایک ہی وقت کو کسی کے لیے طویل کردے اور کسی کے لیے کم کردے۔ اسی طرح اولاً وہ واقع سو برس کا تھا' لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کے لیے وہ قلیل کردیا گیا۔ معلوم ہوگیا کہ "بل" کا ابطال اس واقعہ کے مطابق تھا جو کہ علم الٰہی میں تھا۔

اب میں اس ساری بحث کا فیصلہ قرآن کریم سے عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں آگے ارشاد فرمایا:

فَانۡظُرۡ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمۡ يَتَسَنَّهۡ وَانۡظُرۡ اِلٰى حِمَارِكَ۔ (پ۳)

اب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہوا اور دیکھ اپنے گدھے کو۔

یعنی انگور اور انجیر کے رس کو دیکھئے کہ ویسا ہی ہے اس سے بو تک نہیں آئی اور گدھے کے اعضاء بکھر گئے اور ہڈیاں چمک رہی ہیں۔ (تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ)

اب دیکھئے اللہ تعالیٰ نے جب سو برس کا عرصہ گزارا تو وہ سب کے لیے سو برس گزرنا چاہیے تھا' یعنی کھانے پینے کی چیزوں پر بھی اور حمار پر بھی سو برس گزرتے۔ لیکن ہوا کیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ذرا اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ بالکل متغیر نہیں ہوئے۔ ان میں ذرا فرق نہ آیا"۔ اب غور کرو جو چیز جلد خراب ہو جانے والی تھی وہ بالکل نہ بدلی اور گدھا جو طاقتور ہوتا ہے' اس کی تمام ہڈیاں منتشر پڑی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا: اے عزیر! علیہ السلام میں نے یہ سو برس کا عرصہ تجھ پر "یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ" کرکے گزارا جس طرح تیرے لیے یہ عرصہ تھوڑا کیا تیرے کھانے اور پینے کی چیزوں کے لیے بھی قلیل کردیا' تاکہ تیرے کھانے اور پینے کا تازہ ہونا تیرے "یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ" کی دلیل ہو جائے۔ پس تیرے دعویٰ کی دلیل تو یہ طعام اور انگوروں کا رس رکھا ہے۔ اب میرے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ تو اپنے حمار یعنی گدھے کی طرف دیکھ' سو برس میں اس کا جو حال ہونا چاہیے وہی اس کا ہے۔ پس دونوں قول سچے ہیں۔

میں نے ایک ایک جز الگ الگ کر کے بیان کر دیا اب کوئی کانٹا نہیں ڈال سکتا۔ یہ دھوکہ میرے ساتھ بھی لیہ (ضلع مظفر گڑھ) کے مناظرہ میں پیش آیا۔ میں نے جواب اسی طرح جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا۔ خدا گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اس جواب کے بعد حاضرین و ناظرین پر صم بکم کا منظر طاری تھا۔

تو دوستو! جس کو صاحب قرآن سے نسبت نہیں اس کو قرآن سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ یہ قرآن کی حقیقتیں تب کھلتی ہیں جب صاحب قرآن سے نسبت ہو۔ (وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ)

اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

جمعہ کی اذان ثانی

مسجد کے اندر منبر کے سامنے اذان ثانی دینے کے عدم جواز پر اہم فتویٰ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

۱- جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

۲- خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی؟

۳- فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

۴- اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں اس پر عمل لازم ہے' یا رسم و رواج پر' اور جو رسم و رواج حدیث شریف و احکام فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث و فقہ کا حکم ہے یا رسم و رواج پر اڑا رہنا۔

۵- نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و احکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات جو نئی ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو۔

۶- مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث و فقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف' اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار موذنوں کے فعل اگرچہ خلاف شریعت و حدیث و فقہ ہوں۔

۷- سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا سنت مردہ۔ سنت اس وقت مردہ کہلائے گی جب اس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے وہ مردہ قرار پائے گی۔

۸- علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنت مردہ زندہ کریں اگر ہے تو۔ اس وقت ان پر یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے۔ اگر یہ اعتراض ہو تو سنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہوگی۔

۹- جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اس فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

۱۰- جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر موذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہیے؟ جواب ارشاد فرمائیں۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب: اَللّٰھُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ۔

۱- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازہ پر ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد شریف جلد اول ص ۱۵۶ میں ہے:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کَانَ یُؤَذَّنُ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو۔

اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لیے بھی ایسا ضرور فرماتے۔

۲- جواب اول سے واضح ہو گیا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مروی ہے اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ بعض صاحب جو بَیْنَ یَدَیْهِ سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں غلط ہے۔ دیکھو حدیث میں بَیْنَ یَدَیْهِ ہے اور ساتھ ہی عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چہرۂ انور کے مقابل مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی، بس اسی قدر بَیْنَ یَدَیْهِ کے لیے درکار ہے۔

۳- بیشک فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان طبع مصر جلد اول ص ۷۸ لَا یُؤَذِّنُ فِی الْمَسْجِدِ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ فتاویٰ خلاصہ قلمی ص ۶۲ لَا یُؤَذِّنُ فِی الْمَسْجِدِ، مسجد کے اندر اذان نہ ہو۔ خزانۃ المفتین قلمی فصل فِی الْاَذَانِ لَا یُؤَذِّنُ فِی الْمَسْجِدِ، مسجد کے اندر اذان نہ کہیں۔ فتاویٰ عالمگیری طبع مصر، جلد اول ص ۵۵ لَا یُؤَذِّنُ فِی الْمَسْجِدِ، مسجد کے اندر اذان کی جماعت سے۔ بحر الرائق طبع مصر جلد اول ص ۲۶۸ لَا یُؤَذِّنُ فِی الْمَسْجِدِ، مسجد کے اندر اذان منع ہے۔ شرح نقایہ علامہ برجندی ص ۸۴ فِیْهِ شِعَارٌ بِاَنَّهٗ لَا یُؤَذِّنُ فِی الْمَسْجِدِ۔ امام صدر الشریعہ کے کلام میں اس پر تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ ہو۔ غنیہ شرح منیہ ص ۳۵۷ اَلْاَذَانُ اِنَّمَا یَکُوْنُ فِی الْمِئْذَنَةِ اَوْ خَارِجَ الْمَسْجِدِ وَالْاِقَامَةُ فِیْ دَاخِلِهٖ۔ اذان نہیں ہوتی مگر منارہ پر یا مسجد سے باہر اور تکبیر مسجد کے اندر۔ فتح القدیر طبع مصر جلد اول ص ۱۷۱ قَالُوْا لَا یُؤَذَّنُ فِی الْمَسْجِدِ، علماء نے مسجد میں اذان دینے کو منع فرمایا ہے۔ ایضاً باب الجمعہ ص ۴۱۴ هُوَ ذِکْرُ اللّٰهِ فِی الْمَسْجِدِ اَیْ فِیْ حُدُوْدِهٖ لِکَرَاهَةِ الْاَذَانِ فِیْ دَاخِلِهٖ۔ جمعہ کا خطبہ مثل اذان ذکر الٰہی ہے مسجد میں یعنی حدود مسجد میں۔ اس لیے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح طبع مصر جلد اول ص ۱۶۸ یُکْرَهُ اَنْ یُّؤَذَّنَ فِی الْمَسْجِدِ کَمَا فِی الْقُهُسْتَانِیْ عَنِ النَّظْمِ یَعْنِیْ نَظْمَ۔ امام زندوسی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے یہاں تک کہ اب زمانہ حال کے ایک عالم مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول ص ۲۴۵ میں لکھتے ہیں۔ قَوْلُهٗ بَیْنَ یَدَیْهِ اَیْ مُسْتَقْبَلَ الْاِمَامِ فِیْ مَسْجِدٍ کَانَ اَوْ خَارِجِهٖ وَالْمَسْنُوْنُ هُوَ الثَّانِیْ یعنی بَیْنَ یَدَیْهِ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ امام کے روبرو ہو مسجد میں خواہ

باہراور سنت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔ جب وہ تصریح کر چکے کہ باہر ہی ہونا سنت ہے تو اندر ہونا خلاف سنت ہوا تو اس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ چاہے سنت کے مطابق کرو چاہے سنت کے خلاف' دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ ایسا کون عاقل کہے گا بلکہ معنی وہی ہیں کہ بین یدیہ سے یہ سمجھ لینا کہ خواہی نخواہی مسجد کے اندر ہو غلط ہے۔ اس کے معنی صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو ہو۔ اندر باہر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں ہوتی' لفظ دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو تو ضرور ہے کہ وہی معنی لیے جائیں جو سنت کے مطابق ہیں۔ بہرکیف ا ائمۂ ان کے کلام میں بھی صاف مصرح ہے کہ اذان ثانی جمعہ بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مطابق سنت ہے تو بلاشبہ مسجد کے اندر ہونا خلاف سنت ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

۴- ظاہر ہے کہ حکم حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اڑا رہنا مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہیے۔

۵- ظاہر ہے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و احکام فقہ کے خلاف نکلی ہو وہی نئی بات ہے۔ اسی سے بچنا چاہیے' نہ کہ سنت وحکم حدیث فقہ سے۔

۶- مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد الحرام شریف مطاف ہی تک تھی مسلک متقسط علی قاری طبع مصر ص ۲۸۰ اَلْمَطَافُ ھُوَ مَا کَانَ فِیْ زَمَنِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَسْجِدًا۔ تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد و محل اذان تھا اور مسجد جب بڑھائی جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لیے مقرر تھی بدستور مستثنیٰ رہے گی' ولہٰذا مسجد اگر بڑھا کر کنواں اندر کر لیا وہ بند نہ کیا جائے گا' جیسے زمزم شریف۔ حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا ہرگز جائز نہیں۔ فتاویٰ قاضی خان و فتاویٰ خلاصہ و فتاویٰ عالمگیریہ ص ۴۰ یُکْرَہُ الْمَضْمَضَۃُ وَالْوُضُوْءُ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ ثَمَّ مَوْضِعٌ اُعِدَّ لِذٰلِکَ وَلَا یُصَلِّیْ فِیْہِ وہیں ہے لَا یُحْفَرُ فِی الْمَسْجِدِ بِئْرُ مَاءٍ وَلَوْ قَدِیْمَۃً نُتْرَکُ کَبِئْرِ زَمْزَمَ۔ مکہ معظمہ میں اذان ٹھیک محل پر ہوتی ہے۔ مدینہ طیبہ میں خطیب سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ایک بلند مکبرہ پر کہتے ہیں۔ طریق ہند کے تو یہ بھی خلاف ہوا اور وہ جن بَیْنَ یَدَیْہِ وغیرہ سے منبر کے متصل ہونا سمجھتے تھے' اس سے بھی رد ہو گیا تو ہندی فہم و طریقہ خود ہی حرم محترم سے جدا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مکبرہ قدیم سے ہے یا بعد کو حادث ہوا۔ اگر قدیم ہے تو مثل منارہ ہوا کہ وہ اذان کے لیے مستثنیٰ ہے' جیسا کہ غنیہ سے گزرا اور اسی طرح خلاصہ و فتح القدیر و برجندی کے صفحات مذکورہ میں ہے کہ اذان منارہ پر ہو یا مسجد سے باہر۔ مسجد کے اندر نہ ہو۔ اس کی نظیر موضع وضو و چاہ ہیں کہ قدیم سے جدا کر دیئے ہوں' نہ اس میں حرج' نہ اس میں کلام اور اگر حادث ہے تو اس پر اذان کہنا بالائے طاق۔ پہلے یہی ثبوت دیجئے کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کر دینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے' قطع صف بلاشبہ حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَہُ اللّٰہُ۔

جو صف کو قطع کرے' اللہ اسے قطع کر دے۔

(رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

نیز علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا' نہ کہ یہ مکبرہ کہ چار جگہ سے جگہ گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے یا جملہ اگر وہ جائز طور پر بنا تو مثل منارہ ہے جس سے مسجد میں اذان دینا نہ ہوا اور ناجائز طور پر ہے تو اسے ثبوت میں پیش کرنا کیا انصاف ہے؟ اب ہمیں افعال موذنین سے بحث کی حاجت نہیں مگر جواب سوال کو گزارش کہ ان کا فعل کیا حجت ہو' حالانکہ خطیب خطبہ پڑھتا ہے اور یہ بولتے جاتے ہیں' جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لیتا ہے' یہ یہ

آواز ہر نام پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے جاتے ہیں۔ جب وہ سلطان کا نام لیتا ہے یہ بہ آواز دعا کرتے ہیں اور یہ سب بالاتفاق ناجائز ہے۔ صحیح حدیثیں اور تمام کتابیں ناطق ہیں کہ خطبہ کے وقت بولنا حرام ہے۔ درمختار و ردالمحتار جلد اول ص ۸۵۹ اَمَّا مَا یَفْعَلُهُ الْمُؤَذِّنُ حَالَ الْخُطْبَةِ مِنَ التَّرَضِّی وَنَحْوِهٖ مَکْرُوْهٌ اِتِّفَاقًا۔ یعنی وہ جو یہ موذن خطبہ کے وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کہتے جاتے ہیں' یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ یہی موذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں' اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے' مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علماء کا کیا اختیار۔ علمائے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر درکنار اس طرح تو ان کی نمازوں کی بھی خیر نہیں۔ دیکھو فتح القدیر جلد اول ص ۲۶۲ و ۲۶۳ و درمختار و ردالمحتار ص ۲۱۵۔ خود مفتی مدینہ منورہ علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہما اللہ تعالیٰ نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں۔ دیکھو فتاویٰ اسعدیہ جلد اول ص ۸۔ آخر میں فرمایا ہے اَمَّا حَرَکَاتُ الْمُکَبِّرِیْنَ وَصُنْعِهِمْ فَاَنَا اَبْرَؤُ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی عَنْهُ یعنی ان مکبروں کی جو حرکتیں جو کام ہیں' میں ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف برات کرتا ہوں۔ اور اوپر اس سے بڑھ کر لفظ لکھا' پھر کسی عاقل کے نزدیک ان کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے' نہ وہ علماء ہیں' نہ علماء کے زیر حکم۔

۷۔ بے شک احادیث میں سنت زندہ کرنے کا حکم اور اس پر بڑے ثوابوں کے وعدے ہیں۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّةِ۔

جس نے میری سنت زندہ کی' بیشک اسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ سے محبت ہے' وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا رَوَاهُ الْبَحْرِیُّ فِی الْاَبَانَةِ وَالتِّرْمِذِیُّ بِلَفْظِ مَنْ اَحَبَّ۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْیَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا۔

جو میری کوئی سنت زندہ کرے کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دی ہو جتنے اس پر عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

(رواہ الترمذی و رواہ ابن ماجہ عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ۔ (رواہ البیہقی فی الزہد)

جو فسادات کے وقت میری سنت مضبوط تھامے رہے سو شہیدوں کا ثواب ملے۔

اور ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنت کی جائے گی جو مردہ ہو گئی اور سنت مردہ جبھی ہو گی کہ اس کے خلاف رواج پڑ جائے۔

۸۔ احیائے سنت تو علماء کا خاص فرض منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لیے حکم عام ہے۔ ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے شہر یا کم از کم اپنی اپنی مساجد میں اسی سنت کو زندہ کریں اور سو سو شہیدوں کا ثواب لیں۔ اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے۔ یوں ہو تو کوئی سنت زندہ ہی نہ کر سکے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی سنتیں زندہ فرمائیں' اس پر ان کی مدح ہوئی' نہ کہ الٹا اعتراض کہ تم سے پہلے تو صحابہ و تابعین تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۹۔ حوض کہ بانی مسجد نے قبل مسجدیت بنایا' اگرچہ وسط مسجد میں ہو' وہ اور اس کی فصل ان احکام میں خارج مسجد ہے لِاَنَّہٗ مَوْضِعٌ اُعِدَّ لِلْوُضُوْءِ کَمَا تَقَدَّمَ۔

۱۰۔ لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ اسے گوشہ محراب میں رکھ کر محاذات ہو جائے گی اور اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار ہے تو اسے قیام مؤذن کے لائق تراش کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں۔

مسلمان بھائیو! یہ دین ہے' کوئی دنیوی جھگڑا نہیں۔ دیکھ لو کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے؟ تمہاری مذہبی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

حضرات علمائے اہل سنت سے معروض!

حضرات احیائے سنت آپ کا کام ہے' اس کا خیال نہ فرمایئے کہ آپ کے ایک چھوٹے نے اسے شروع کیا' وہ بھی آپ ہی کا کرنا ہے۔ آپ کے رب کا حکم ہے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی اور اگر آپ کی نظر میں یہ مسئلہ صحیح نہیں تو غصہ کی حاجت نہیں ہے' بے تکلف بیان حق فرمایئے اور اس وقت لازم ہے کہ ان دسوں سوالوں کے جدا جدا جواب ارشاد ہوں اور ان کے ساتھ ان پانچوں سوالوں کے بھی۔

۱۱۔ اشارت مرجوح ہے یا عبارت اور ان میں فرق کیا ہے۔

۱۲۔ کیا محتمل صریح کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

۱۳۔ تصریحات کتب فقہ کے سامنے کسی غیر کتاب فقہ سے ایک استنباط پیش کرنا کیسا ہے؟ خصوصاً استنباط بعید یا جس کا منشاء بھی غلط۔

۱۴۔ حنفی کو تصریحات فقہ حنفی کے مقابل کسی غیر کتاب حنفی کا پیش کرنا کیسا ہے؟

۱۵۔ قرآن مجید کی تجوید فرض عین ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا سب ہندی علماء اسے بجالاتے ہیں یا سو میں کتنے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

مولانا محمد شفیع اکاڑوی

حیات النبی

انبیائے کرام جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سراپائے اقدس کے حالات وکمالات اور خصوصاً معجزات کے پڑھنے سے پہلے یہ جان لیجئے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام بالخصوص ہمارے نبی کریم نے رحمتہ للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقی وجسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور افعال مبارکہ بجالاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے حبیب مگر رحمت واسطے تمام جہانوں کے لیے۔ (القرآن)

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ

ترجمہ: اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام عالموں کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ تمام ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے مطابق فیض الٰہی کا واسطہ ہیں اور اسی لیے آپ کا نور اول المخلوقات ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے پہلے پیدا کیا ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ معطی ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

یہی صاحب روح المعانی آگے چل کر فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور میرے نزدیک مسلک مختار یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عالمین کے ہر ہر فرد کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ فرشتوں، انسانوں اور جنات سب کے لیے رحمت ہیں اور اس امر میں جن و انس کے مومن و کافر کے مابین کوئی فرق نہیں اور رحمت ہر ایک کے حق میں الگ الگ اور متفاوت نوعیت رکھتی ہے۔ (روح المعانی، پ ۱۷، ص ۹۷)

مخالفین کے سردار مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لیے ہیں۔ (آب حیات ص ۱۷۶)

آیت وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ اور اس کی تفسیری عبارت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالمین کے ہر ہر فرد کے لیے رحمت اور تمام عالم ممکنات کے لیے ہر قسم کے فیوض و برکات کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ یعنی جس طرح جڑ پورے درخت کی تمام شاخوں کی تازگی اور شگفتگی کا باعث ہوتی ہے' اسی طرح آپ تمام عالمین کے لیے ہر قسم کے فیوض کا باعث ہیں۔ تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے' مردہ ہو جائے اور شاخیں زندہ اور سرسبز و شاداب رہیں؟ جب یہ نہیں ہو سکتا تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جن کی ذات مقدسہ تمام جہاں کے لیے رحمت اور اصل الاصول ہو' وہ مردہ ہو جائیں اور جہان زندہ رہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ زندہ ہیں اور تمام جہان کی زندگی کا واسطہ و وسیلہ ہیں۔ ۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے
(اعلیٰ حضرت)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔
(قرآن' پ ۳' ع ۳)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کے متعلق ہرگز یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں' بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ شاد ہوتے ہیں اس پر جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اور خوش ہو رہے بہ سبب ان لوگوں کے جو ابھی تک ان سے نہیں آملے' ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (قرآن' ۸/۴)

ان دونوں آیتوں سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ شہداء زندہ ہیں' نہ ان کو زبان سے مردہ کہنا چاہیے اور نہ دل میں ان کو مردہ گمان کرنا چاہیے۔ ان کی زندگی کی کیفیت و حقیقت ہم اپنے حواس و عقل سے نہیں سمجھ سکتے۔ لہٰذا ہمیں کلام الٰہی پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ زندہ ہیں' کھاتے پیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام پر خوشیاں مناتے ہیں۔ اگر ہم ان کی حیات کا انکار کریں یا تاویلیں کریں گے تو یہ ہماری جہالت و حماقت اور کلام الٰہی پر ایمان و یقین نہ ہونے کی کھلی دلیل ہوگی کیونکہ حیات کا صحیح اور حقیقی مفہوم وہ نہیں ہوگا جو ہماری ناقص عقل اور محدود شعور نے سمجھا ہے' بلکہ وہ ہوگا جو خالق حیات نے اپنے صاف و صریح اعلان کے ذریعہ قرار دیا ہے۔ جب شہداء کی زندگی قرآن پاک کی نص سے ثابت ہے تو انبیاء کرام اور صدیقین امت کی زندگی میں کیونکر شبہ کیا جا سکتا ہے جو بالاتفاق درجہ و مرتبہ میں شہداء سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ چنانچہ ان آیات کے تحت غزالی دوراں' علامۃ العصر' حضرت مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

بظاہر یہ آیات کریمہ شہداء (غیر انبیاء) کی حیات پر دلالت کرتی ہیں لیکن در حقیقت انبیاء علیہم السلام بالخصوص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں شامل ہیں' اس لیے کہ دلائل و واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام شہید ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا میں شہادت کا درجہ پایا اور مَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کے عموم میں بلاشبہ آپ داخل ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "یُقۡتَلُ" قتل سے ماخوذ ہے اور قتل کے معنی میں ایک باریک فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ امام راغب اصفہانی نے معنی بیان کرتے ہوئے اس فرق کو ظاہر فرماتے ہیں۔۔۔ مفردات راغب میں ہے۔

(قَتَلَ) اَصْلُ الْقَتْلِ اِزَالَةُ الرُّوْحِ عَنِ الْجَسَدِ كَالْمَوْتِ لٰكِنْ اِذَا اعْتُبِرَ بِفِعْلِ الْمُتَوَلِّیْ لِذٰلِكَ يُقَالُ قَتَلَ وَاِذَا اعْتُبِرَ بِفَوْتِ الْاَحْيَاءِ يُقَالُ مَوْتٌ--- (ترجمہ) (قتل) قتل کے اصلی معنی جسم سے روح کو زائل کرنے کے ہیں جیسے موت! لیکن جب متولی اور متصرف ازالہ کے فعل کا اعتبار کیا جائے تو قتل کہا جائے گا اور جب فوت حیات کا اعتبار کیا جائے تو موت کہا جائے گا۔

قتل میں چونکہ فاعل کا فعل معتبر ہوتا ہے اور فعل کا اختیار عبد کے لیے بھی حاصل ہے' اس لیے قتل کی اسناد عبد کی طرف صحیح ہے اور عبد کو قاتل کہا جاسکتا ہے۔ بخلاف اماتت کے کہ اس میں فعل مذکور معتبر نہیں' بلکہ فوت حیات کا اعتبار ہے اور عبد کا اختیار فعل سے متجاوز ہو کر فوت حیات تک نہیں پہنچتا۔ بندہ صرف اتنا کر سکتا ہے کہ اپنی طرف سے کوئی فعل واقع کر دے۔ مثلاً کسی کو تلوار مار دے یا زہر کھلا دے۔ یا کسی کے بدن کے ٹکڑے کر دے' مگر اس کے بدن سے حیات کا زائل کرنا بندے کے اختیار میں نہیں' یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے منسلک ہے' اس لیے بندہ قاتل ہو سکتا ہے ممیت نہیں ہو سکتا۔ حیات کا فوت ہونا قدرت خداوندی سے ہی متعلق ہے' اس لیے اماتت کی اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے' ازالہ حیات صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ممیت اس کے سوا کوئی نہیں۔

ہمارے اس بیان سے ناظرین کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو گیا ہو گا اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا "مَنْ يَّقْتُلُ" کے عموم میں داخل ہونا "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" کے منافی ہے' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ان کی جان پاک کو لوگوں سے بچانے کا وعدہ فرما چکا تو اب انہیں کس طرح قتل کیا جاسکتا ہے اور بغیر قتل ہوئے "مَنْ يَّقْتُلُ" میں آپ کا شامل ہونا ممکن نہیں۔

اس کے حل کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ قتل میں فعل فاعل کا اعتبار ہوتا ہے اور اماتت میں فوت حیات کا' اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدۂ الٰہیہ کے الفاظ ہیں "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" اس میں نہ قتل کا لفظ ہے نہ موت کا۔ اس وعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے مار ڈالنے سے اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا یعنی آپ کی ذات پاک کے لیے کوئی ایسا فعل نہ کر سکے گا جس سے عادتاً علی الفور آپ کی موت واقع ہو جائے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور کسی شخص نے آپ کو مار ڈالنے کی قدرت نہ پائی۔

رہا یہ امر کہ "مَنْ يَّقْتُلُ" کے عموم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے داخل ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل سے مراد وہ فعل ہے جو فوت حیات کا موجب ہو جائے۔ فعل قتل کا فوت حیات کے لیے موجب ہونا دو طریقے سے ہوتا ہے: ایک عادتاً' دوسرے خارقاً للعادۃ۔ عادتاً فعل قتل سے علی الفور ازالہ حیات ہو جاتا ہے اور خارق عادت کے طور پر علی الفور ازالہ حیات نہیں ہوتا' بلکہ ایک مدت طویلہ کے بعد ہی اس کا سبب موت ہونا ظاہر ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلی قسم کے قتل سے بچا کر اپنے وعدے کو پورا فرما دیا اور دوسری قسم کا فعل قتل آپ کے لیے بربنائے حکمت متحقق کر دیا' تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "من یقتل" کے عموم میں داخل ہو کر شہادت کا مرتبہ پائیں اور کسی بے دین کے لیے آپ کو مردہ کہہ کر حیات نبوت کے انکار کی مجال باقی نہ رہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل امام بخاری اور امام بیہقی کی وہ حدیث ہے جو امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "اَنْبَاءُ الْاَذْكِيَاءِ بِحَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ" میں نقل فرمائی ہے۔

ترجمہ: امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی' انہوں نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے کہ میں نے خیبر میں جو زہر آلود لقمہ کھایا تھا میں اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں۔ پس اب وہ وقت آ پہنچا کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگ جاں منقطع ہو۔ (انباء الاذکیا ص ۱۴۹)

نیز امام زرقانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور بیشک یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی' اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ایسی زہر ملائی ہوئی بکری کے گوشت کا ایک لقمہ تناول فرمایا جس کا زہر ایسا قاتل تھا کہ اس کے کھانے سے اسی وقت علی الفور موت واقع ہو جائے' یہاں تک کہ اس زہر کے اثر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی بشر بن براء بن معرور اسی وقت فوت ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باقی رہنا معجزہ ہو گیا۔ وہ زہر آپ کو اکثر تکلیف دیتا رہتا تھا' یہاں تک کہ اسی کے اثر سے آپ کی موت واقع ہوئی۔ (زرقانی '۳۱۳/۸)

بخاری' بیہقی' سیوطی اور زرقانی کی ان پیش کردہ روایات سے ہمارا دعویٰ بخوبی ثابت ہو گیا اور یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے زہر دیا گیا اور اسی زہر سے آپ کی موت واقع ہوئی' اگرچہ زہر دینے اور موت واقع ہونے میں تین سال کا وقفہ تھا' لیکن وفات شریف اسی زہر دینے کے فعل سے واقع ہوئی اور تین سال تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باقی رہنا زہر دینے اور اس فعل قتل کی کمزوری کی بنا پر نہ تھا' بلکہ خرق عادت اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کے طور پر تھا جیسا کہ ہم عبارات منقولہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی "انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء" میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: احمد' ابو یعلی' طبرانی اور مستدرک میں حاکم نے اور دلائل النبوت میں بیہقی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا: کہ اگر میں نو مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتل کیے گئے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ایک بار بھی قسم کھا کر یہ کہوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتل نہیں کیے گئے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔ (انباء الاذکیاء ص ۱۴۸)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ظاہر ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے عموم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منعم علیہم کے چار گروہ قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں: نبیین' صدیقین' شہداء' صالحین اور ہر نعمت کی اصل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے جیسا کہ سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا۔ نبوت' صدیقیت اور صالحیت کے اوصاف کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں پایا جانا تو سب کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ اب اگر وصف شہادت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے (ہمارے بیان کردہ دلائل کی روشنی میں) تسلیم نہ کیا جائے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کمال شہادت سے محروم رہے گی۔ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رحمتہ للعالمین ہونے اور تمام کمالات و انعامات عالیہ کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصل

ہونے کے منافی و معارض ہے جو باطل محض اور دلائل کی روشنی میں مردود ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبوت و صدیقیت اور صالحیت کی طرح وصف شہادت بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں بلاشبہ پایا جاتا ہے۔ وَهُوَ الْمُرَادُ۔
(السعید' حیات النبی نمبر' ص ۱۲)

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: بلکہ حیات انبیاء حیات شہداء سے بہت زیادہ قوی اور ظہور میں بہت زیادہ بڑھ کر ہے' یہاں تک کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہیں' بخلاف شہداء کے کہ ان کی ازواج سے نکاح جائز ہے اور ایسے ہی صدیقین بھی حیات شہداء سے اعلیٰ درجہ میں ہیں اور صالحین یعنی اولیاء کرام شہداء سے کم ہیں' لیکن ان کے ساتھ ملحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی ترتیب اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرمایا مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ (تفسیر مظہری' ص ۱۵۲)

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور انبیاء کرام حیات میں شہداء سے اولیٰ' اجل اور اعظم ہیں اور بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی میں نبوت وشہادت دونوں وصفوں کو جمع فرمایا تو انبیاء کرام بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں۔
(الحاوی للفتاویٰ' ص ۳۳۰)

علامہ قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تذکرہ میں حدیث صعقہ کے بیان میں اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں:

ترجمہ: کہ موت محض نابود ہو جانے کا نام نہیں' بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کا نام ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بے شک شہداء اپنے قتل اور اپنی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں --- کھاتے پیتے شاد و مسرور ہوتے ہیں اور یہی دنیا میں زندوں کی صفت ہے تو جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام زندہ ہونے میں ان سے بہت زیادہ افضل و اولیٰ ہیں اور بے شک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ زمین انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کو نہیں کھاتی اور بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج کی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام کے ساتھ جمع ہوئے اور آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ آپ ہر اس شخص کو سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ پر سلام بھیجے۔ اور اسی طرح وہ تمام امور جو موت سے منقطع ہو جاتے ہیں وہ انبیاء کو حاصل ہوتے ہیں' کیونکہ ان کی موت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ ہم سے پردہ فرما جاتے ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ اگرچہ وہ زندہ موجود ہوتے ہیں اور ان کا حال فرشتوں کا سا ہو جاتا ہے کہ فرشتے زندہ موجود ہوتے ہیں مگر ان کو کوئی نہیں دیکھتا سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے خاص فرمائے اپنے ولیوں میں سے۔ (الحاوی للفتاویٰ' ص ۳۳۰)

علامہ امام قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور یہی حال تمام انبیاء کرام کا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ان کی ازواج پر عدت نہیں (کیونکہ وہ زندہ ہیں) اور بے شک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء کرام حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ وہ تو مردے ہیں اور دوسرے گھر میں ہیں اور وہ گھر دار عمل نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے

کہ ان کا حال شہداء کی طرح بلکہ ان سے افضل ہے اور شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں تو اگر وہ حج کریں اور نماز پڑھیں تو کیا بعید ہے۔ (زرقانی علی المواہب، ص ۳۳۳)

علامہ امام سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد بلاشک و شبہ حیات ہیں اور ایسے ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اس حیات کے ساتھ جو شہداء کی حیات سے اکمل ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام شہداء کے سردار ہیں اور تمام شہداء کے اعمال آپ کی میزان میں ہیں اور بے شک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا علم میری حیات میں ہے۔ (وفاء الوفا، ص ۱۳۵۲)

شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور حیات انبیاء کرام حیات شہداء سے کامل تر ہے۔ (مدارج النبوت)

احادیث مبارکہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: کہ انبیاء (علیہم السلام) اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (فتح الباری)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: کہ جمعہ کے دن مجھ پر بہت زیادہ درود بھیجا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے، اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو مجھ پر درود بھیجے مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔ یہاں تک وہ اس سے فارغ ہو۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا اور موت کے بعد؟ فرمایا اور موت کے بعد بھی پیش ہو گا، کیونکہ اللہ نے زمین پر اجساد انبیاء کا کھانا حرام کر دیا ہے، پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور رزق بھی دیا جاتا ہے۔

(ابن ماجہ، ص ۵۰۲، مطبوعہ مصر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا، میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے دور ہونے کی حالت میں مجھ پر درود پڑھا، وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: جس نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر آخرت کی حاجتوں میں سے اور تیس دنیا کی حاجتوں میں سے۔ پھر اس درود پر ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود کو میری قبر میں مجھ پر اس طرح پیش کرتا ہے جس طرح تم پر ہدیئے پیش کیے جاتے ہیں۔ بے شک میرا علم میری وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا علم میری حیات میں ہے اور بیہقی کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ فرشتہ درود پڑھنے والے کا نام اور اس کا نسب مجھے بتاتا ہے تو میں اسے ایک چمکتے ہوئے صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: البتہ! تحقیق جنگ حرہ کے زمانہ میں، میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ ان ایام میں کسی نماز کا وقت نہ آتا تھا مگر قبر انور سے میں اذان کی آواز سنتا تھا۔ (دلائل النبوت، ابو نعیم، ص ۴۹۶)

حضرت سعید بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کی مسجد شریف میں نہ اذان ہوتی اور نہ اقامت۔

ترجمہ: اور سعید بن مسیب (رضی اللہ عنہ) مسجد سے نکلے اور وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر ایک آواز سے جس کو وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور سے سنتے تھے۔ (مشکوۃ شریف، ص ۵۴۵)

ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں......

ترجمہ: کسی نماز کا وقت نہیں آتا تھا مگر میں (حضور کی) قبر انور سے اذان کی آواز سنتا، پھر جماعت کھڑی ہو جاتی تو میں آگے بڑھتا (اور اسی نماز کے ساتھ) نماز پڑھتا اور میرے سوا مسجد میں کوئی اور نہیں تھا۔

(وفاء الوفا، ص ۹۴)

علامہ امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: فتاویٰ رملیہ میں ہے کہ انبیاء اور شہداء اور علماء نہیں بوسیدہ ہوتے اور انبیاء اور شہداء اپنی قبروں میں کھاتے، پیتے اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں۔ (زرقانی علی المواہب، ص ۳۳۴)

علامہ علی قاری علیہ رحمتہ الباری فرماتے ہیں:

ترجمہ: بے شک وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ سارے انبیاء کرام اپنی قبروں میں اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور بے شک ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی اور عالم سفلی سے اسی طرح قائم رہتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا اور وہ اس معاملہ میں قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ارباب کمال کے احوال کو زیادہ جانتا ہے۔ (شرح شفاء شریف، ص ۱۴۲)

یہی علامہ علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی دوسری تصنیف میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ہم یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم برزخ یعنی اپنی قبر میں مقید و محصور ہیں، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ عالم سفلی اور عالم علوی میں سیر فرماتے ہیں، کیونکہ شہداء کی ارواح جو مرتبہ میں انبیاء سے کم ہیں جب سبز پرندوں کے قالب میں جنت کے باغوں میں آزادی سے پھرتی ہیں، پھر ان قنادیل تک سیر کے لیے جاتی ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں جیسا کہ یہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے، بایں ہمہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ ان کی قبریں ان کے اجساد سے خالی ہیں اور ان کی ارواح کا ان کے اجسام سے تعلق نہیں۔ اور جو سلام انہیں کیا جاتا ہے وہ نہیں سنتے؟ تو ایسا ہی انبیاء کرام کے بارے میں آیا ہے کہ بے شک انبیاء کرام تلبیہ کہتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کرامات کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

(جمع الوسائل، ص ۲۳۸)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: بے شک انبیاء کرام نہیں مرتے اور بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے اور حج کرتے ہیں۔(فیوض الحرمین، ص ۲۸)

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا فرماتا ہے تو وہ زمین و آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ انشاء اللہ۔ (تفسیر مظہری، ص ۱۵۲)

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں:

ترجمہ: بلاشک وشبہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت شدہ حقیقی و یقینی اور دوامی ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں۔ نصوص اور اجماع کے ساتھ تو لازم و ضروری ہے کہ آپ کی حیات بھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات سے اکمل و اتم ہو۔ (زرقانی علی المواہب، ص ۳۰۹)

استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی الفقیہ الاصولی شیخ الشافعیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ہمارے تمام متکلمین اور محققین علماء شافعیہ کا فرمان ہے کہ بے شک ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور بے شک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود بھیجے اس کا درود آپ پر پہنچتا ہے۔

(الحاوی للفتاویٰ)

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مدلل مبسوط بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ: ان تمام نقول اور احادیث کے مجموعہ کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم و روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور بلاشبہ آپ جہاں چاہتے ہیں، تشریف لے جاتے ہیں اور زمین اور عالم ملکوت کے ہر گوشے میں تصرف فرماتے ہیں اور آپ بالکل اپنی اسی ہیئت پر ہیں جس پر قبل از وفات تھے، اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور بے شک آپ ہماری آنکھوں سے غائب کردیئے گئے ہیں جس طرح فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب کردیئے گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کی رویت کے ساتھ کسی کو عزت و اکرام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور وہ آپ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے جس پر آپ ہیں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور رویت مثال کی تخصیص کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(الحاوی للفتاویٰ)

شیخ المحدثین حضرت شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وحیات انبیاء کرام متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست حیات جسمانی و دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔

ترجمہ: اور انبیاء کرام کی حیات پر سب علماء کا اتفاق ہے، کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے اور حیات جسمانی، دنیاوی اور حقیقی ہے نہ کہ روحانی اور معنوی۔

یہی شیخ محقق و محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

وباچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلاف نیست کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ حقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقیست و بر اعمال امت حاضر و ناظر است۔ (مکاتیب شیخ بر حاشیہ اخبار الاخیار)

ترجمہ: اس اختلاف و کثرت مذاہب کے باوجود جو علماء امت میں ہے' اس مسئلہ میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقی زندگی کے ساتھ بے شائبہ مجاز و توہم تاویل زندہ دائم اور باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔

سید الطائفہ امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ترجمہ: جو اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے وہ روح کے نکل جانے سے مردہ ہو جاتا ہے اور جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہے وہ نہیں مرتا' بلکہ وہ حیات طبعی سے حیات اصل و حقیقی کی طرف انتقال کرتا ہے۔ جب شریعت کی تلوار سے قتل ہونے والا زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے تو جو صدق و حقیقت کی تلوار سے قتل ہوتا ہے' وہ کتنی اعلیٰ زندگی کے ساتھ زندہ ہوگا۔ (تفسیر روح البیان)

دانائے رموز حقیقت مولانائے روم علیہ الرحمتہ القیوم فرماتے ہیں۔

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا
کُلّ شَیْئٍ ھَالِکٌ نبود جزا

ترجمہ: جو کوئی ہماری ذات میں فنا ہو جائے اس کو کُلّ شَیْئٍ ھَالِکٌ کی کلیت کے تحت ہلاکت کی سزا نہیں بھگتنی پڑتی۔

زانکہ در الا ست او از لا گزشت
ہر کہ در الا ست او فانی نگشت

ترجمہ: کیونکہ وہ الا وجہ کے ساتھ مستثنیٰ ہے' وہ لا یعنی ہالک سے گزر گیا۔ جو شخص الا میں ہے وہ فانی فی اللہ ہو گیا۔ (مثنوی شریف)

الحمدللہ! ہم اہل سنت "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" اور "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" پر ایمان رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس کے قبض ہونے کے قائل ہیں مگر آپ کی حیات کے منکر نہیں' اس لیے کہ حیات کے معنی ہیں صِفَةٌ مُّصَحِّحَةٌ لِلْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْاِرَادَةِ (شرح عقائد) ایسی صفت جو علم و قدرت' سمع و بصر اور ارادہ کو صحیح قرار دے یعنی جس کی وجہ سے علم و قدرت وغیرہ کا صحیح ہونا قرار پائے' اس صفت کا نام حیات ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ صفت قبض روح کی وجہ سے زائل نہیں ہوئی کیونکہ روح کا بدن میں ہونا سبب حیات ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جو چیز سبب کے ساتھ ہوتی ہے وہ بغیر سبب کے کر دے اور اس بات پر بھی قادر ہے کہ سبب ہو اور چیز یعنی مسبب نہ ہونے دے۔ دیکھو! بچہ کے معرض وجود میں آنے کا سبب مرد و عورت ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا اور عیسیٰ علیہم السلام کو بغیر اس سبب کے پیدا فرمایا اور ہزاروں مرد و عورت موجود ہیں' مگر اولاد نہیں ہوتی۔ یعنی سبب ہے مگر مسبب نہیں تو ثابت ہوا کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ روح جو حیات کا سبب ہے وہ نہ ہو اور حیات ہو اور اس پر بھی قادر ہے کہ روح ہو اور

حیات نہ ہو' چنانچہ کفار کے جسموں میں روحیں ہیں اور حیات نہیں' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کو مردے گونگے' بہرے اور اندھے وغیرہ فرمایا اور انبیاء و اولیاء کے جسموں میں روحیں قبض ہوئیں مگر حیات ہے اس لیے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ان کو زندہ فرمایا گیا' جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ نیز ستون حنانہ کا رونا اور پتھروں کا کلمہ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ تو جو خدا لکڑی اور پتھر کے اندر بغیر روح کے حیات پیدا کر سکتا ہے وہ انبیاء و اولیاء کے اندر نہیں کر سکتا؟

اور اگر بدن کے اندر روح کا ہونا ہی حیات مانا جائے تو پھر حی وہ ہوگا جس کے بدن میں روح ہوگی تو پھر خدا تعالیٰ کی حیات ہرگز نہ ثابت ہو سکے گی' کیونکہ خدا تعالیٰ بدن سے پاک ہے۔

یاد رکھئے! ایک ہے موت عادی اور ایک ہے موت حقیقی۔ اسی طرح ایک ہے حیات عادی اور ایک ہے حیات حقیقی۔ بدن سے روح قبض ہونا موت عادی ہے موت حقیقی نہیں۔ موت حقیقی عدم الحیات ہے اور بدن کے اندر روح کا ہونا حیات عادی ہے حیات حقیقی نہیں۔ حیات حقیقی بدن میں اس صفت کا ہونا ہے جو علم و قدرت اور سمع و بصر کا سبب ہو۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر بعد وفات بھی علم و قدرت' سمع و بصر اور ارادہ ہے تو آپ حیات ہوئے اور یہ حیات ایک آن کے لیے بھی زائل نہیں ہوئی اور آپ مردہ نہیں ہوئے اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا' کیونکہ آپ ساری کائنات کے اصل ہیں۔ اگر آپ معاذ اللہ مردہ ہو جائیں تو یہ جہان زندہ کیسے رہ سکتا ہے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے اور درخت ہرا بھرا رہے؟ ہرگز نہیں! اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جان جہان مردہ ہو جائیں اور جہان زندہ رہے' بلکہ جس طرح درخت کی سرسبزی و شادابی جڑ کی بدولت ہوتی ہے اسی طرح ساری کائنات کا وجود و زندگی آپ کی بدولت ہے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

علامہ شاہ فضل حق صاحب خیر ابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عربی ﷺ سے منسوب اشیاء مبارکہ کا احترام

صحابہ کرام کی نظر میں

صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس قدر ادب واحترام کرتے تھے کہ آپ کے رشتہ داروں' آپ کے ساز و سامان' آپ کی منازل و مجالس اور مدینہ طیبہ و مکہ مکرمہ میں آپ کے کاشانہائے مبارکہ کی تعظیم کرتے' جس چیز کی آپ نے تعریف فرمائی یا جس چیز کی نسبت آپ کی طرف معروف ہوتی اس کی بھی تعظیم کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ یَحْلُقُہٗ وَاَطَافَ بِہٖ اَصْحَابُہٗ فَمَا یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَۃٌ اِلَّا فِیْ یَدِ رَجُلٍ۔

تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا' صحابہ کرام آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے' وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے بال کسی صحابی کے ہاتھ کے علاوہ کہیں واقع ہوں۔

وَرُئِیَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وَاضِعًا یَدَہٗ عَلٰی مَقْعَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ وَضَعَہَا عَلٰی وَجْہِہٖ۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ منبر پر ہاتھ رکھا' پھر اسے اپنے چہرے پر پھیر لیا۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی میں بال تھے۔ جب وہ بیٹھ کر انہیں کھولتے تو زمین تک پہنچ جاتے۔

فَقِیْلَ لَہٗ اَلَا تَحْلُقُہَا فَقَالَ لَمْ اَکُنْ بِالَّذِیْ اَحْلُقُہَا وَقَدْ مَسَّہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا کہ آپ ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے فرمایا: میں ان بالوں کو کیسے منڈوا لوں جبکہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چھوا تھا۔

وَكَانَتْ شَعْرَاتٌ مِّنْ شَعْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَلَنْسُوَةِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ فَلَمْ يَشْهَدْ بِهَا قِتَالًا اِلَّا رُزِقَ النَّصْرَ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں تھے۔ وہ اس ٹوپی کے ساتھ جس جنگ میں بھی گئے' انہیں فتح و نصرت عطا کی گئی۔

ہاں! جب تابوت سکینہ جس میں آل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے' اسی کی برکت سے بنی اسرائیل کو فتح و ظفر حاصل ہوتی تھی تو اگر حضرت سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی بدولت یہ برکت اور یہ اثر بلکہ اس سے ہزار ہا درجہ زائد خیر و برکت حاصل ہو جائے تو کیا بعید ہے۔

وَكَانَتْ فِيْ قَلَنْسُوَةِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ شَعْرَاتٌ مِّنْ شَعْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ قَلَنْسُوَةٌ فِيْ بَعْضِ حُرُوْبِهٖ فَشَدَّ عَلَيْهَا شِدَّةً اَنْكَرَ عَلَيْهِ اَصْحَابُ النَّبِيِّ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ قُتِلَ فِيْهَا فَقَالَ لَمْ اَكُنْ اَفْعَلُهَا بِسَبَبِ الْقَلَنْسُوَةِ بَلْ مَا تَضَمَّنَهٗ مِنْ شَعْرَةٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِئَلَّا اُسْلَبَ بَرَكَتَهَا وَتَقَعُ فِيْ اَيْدِي الْمُشْرِكِيْنَ۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال تھے۔ ایک جنگ میں وہ ٹوپی اتر گئی' حضرت خالد نے اسے حاصل کرنے کے لیے اتنا سخت حملہ کیا کہ صحابہ کرام نے اس پر انکار کیا' کیونکہ اس حملے میں بہت سے افراد شہید ہو گئے تھے۔ حضرت خالد نے فرمایا: میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لیے نہیں کیا تھا' بلکہ اس لیے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی برکت مجھ سے چھین لی جائے اور وہ بال مشرکوں کے ہاتھ لگ جائیں۔

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی تعظیم نہیں کرتا (جیسا کہ مرزا حیرت دہلوی نے "حیات طیبہ" میں اسمٰعیل دہلوی کے بارے میں لکھا ہے) اور ان کی تعظیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور بے ادبی سے اس کے دل میں کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا' اس کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے اگرچہ آپ کی محبت کا دعویدار ہو اور اس بے باکی کی تاویل میں لاف و گزاف سے کام لیتا ہو۔ جن لوگوں کے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ایمان ہے وہ آپ کے ایک بال مبارک کے مقابل تمام دنیا کو ایک جو کی اہمیت نہیں دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

لَشَعْرَةٌ مِّنْهُ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بال ہمیں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اگرچہ دوست بہ چیزے نمی خرد مارا
بہ عالمے نفروشیم موئے از سر دوست

"اگرچہ دوست ہمیں کسی چیز کے بدلے نہیں خریدتا' ہم اس کے ایک بال کو پوری دنیا کے عوض میں بھی فروخت نہیں کرتے"۔

وَفِي الصَّحِيْحِ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةً

حدیث صحیح میں حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے طیالسی جبہ نکالا اور فرمایا:

طَيَالِسِيَّةٌ وَقَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے زیب تن فرماتے تھے' ہم اسے بیماریوں کے لیے دھوتے ہیں اور اس سے شفا طلب کرتے ہیں۔

حضرت قاضی ابو الفضل عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ابو القاسم بن میمون نے فرمایا: ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا' ہم بیماریوں کے لیے اس میں پانی ڈالتے تھے۔ پس اس سے شفا طلب کرتے تھے۔

اَخَذَ جَمْجَاهُ الْغِفَارِيُّ قَضِيْبَ النَّبِيِّ مِنْ يَدِ عُثْمَانَ وَتَنَاوَلَهُ لِيَكْسِرَهُ عَلٰى رُكْبَتِهِ فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ فَاَخَذَتْهُ الْاَكِلَةُ فَقَطَعَهَا وَمَاتَ قَبْلَ الْحَوْلِ۔

ججاہ غفاری نے نبی اکرم ﷺ کا عصائے مبارک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے لیا تا کہ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے تو لوگوں نے بڑی شدت سے اسے منع کیا کہ اسے مت توڑنا' اسی وقت اس کے گھٹنے پر ایک زخم پیدا ہوا' بعد ازاں اس نے گھٹنا کٹوا دیا اور سال گزرنے سے پہلے مرگیا۔

اس باب میں احادیث و آثار بکثرت ہیں۔ ان آثار صحیحہ اور نصوص صریحہ سے ثابت ہو گیا کہ جو چیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت کا شرف رکھتی ہے اور جو چیز آپ کے اعضاء اور قدموں سے مس ہو چکی ہے' اس کی تعظیم و تکریم تمام مسلمانوں پر عوام ہوں یا خواص' واجب اور لازم ہے اور جو شخص ان اشیاء شریفہ کی توہین سے اپنی زبان آلودہ کرے یا ان کی اہانت کی امداد برملا یا پوشیدہ' قول یا فعل سے کرے' اس نے ایمان کو برباد کر دیا اور حسن اعتقاد کی جگہ ارتداد کو اپنے دل میں رکھا' چنانچہ بعض ملعون اور بے دین زندیق کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نشان قدم اس لائق ہے کہ اسے ایسی جگہ رکھا جائے کہ ہر کس و ناکس اس پر پاؤں رکھے یا کہتے ہیں کہ اگر ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس مل جائے تو ہم اسے پہننے کا کپڑا بنالیں اور اگر آپ کے نعلین مبارک مل جائیں تو انہیں پاؤں میں پہن لیں' نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک! یہ کفر' الحاد' بے ایمانی اور ارتداد ہے' اس سے اور اس جیسے دیگر مہلکات سے اللہ تعالیٰ ہمیں پناہ عطا فرمائے۔

جس طرح ان تمام اشیاء کی تعظیم واجب اور فرض ہے' اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں اور صحابہ کرام کی تعظیم بلاشک و شبہ بطریق اولیٰ فرض عین ہے' چونکہ مبسوط کتابیں ان عقائد اور مقاصد پر مشتمل ہیں' اس لیے اس فتویٰ میں طوالت اور تفصیل کی ضرورت نہیں۔

مولانا شاہ محی الدین نظامی اشرفی

میلاد مصطفےٰ کی اہمیت

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات ولادت کافی تفصیل کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا ہر مسلمان ان قرآنی میلاد ناموں کی تلاوت کی سعادت حاصل کرتا ہے اور یقیناً اگر قرآن کریم کے بعد آسمان سے کسی نئی کتاب کے اترنے کے راہ کھلی ہوتی تو اس میں خاتم النبین سید المرسلین نور رب العالمین رحمتہ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد نامہ تفصیل سے بیان کیا جاتا۔ لیکن پھر بھی قرآن کریم کی بعض سورتوں مثلاً سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح اور متفرق آیات کریمہ کے معانی میں اگر غور کیا جائے تو ان سورتوں اور آیات کے مختصر الفاظ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد نامہ کے بنیادی واقعات ہر صاحب نظر پر عیاں ہو جائیں گے اور ان مختصر بنیادی واقعات کی تفصیل میں ان واقعات اور مشاہدات کے لیے کافی گنجائش ہے جن کا ذکر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد ناموں کی معتبر کتابوں میں کیا گیا ہے' اس لیے میں یقین کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے میلاد ناموں کے ساتھ صاحب قرآن حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد نامہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمادیا ہے۔

اگر کوئی ایمان کی بصیرت اور یقین کی نظر رکھنے والا چاہے تو مذکورہ بالا سورتوں اور قرآن کریم کی دوسری متفرق آیات کی روشنی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد نامہ مرتب کر سکتا ہے۔ انشاء اللہ کلیات یعنی بنیادی واقعات کی حد تک سب کچھ قرآن کریم میں مل جائے گا' صرف جزئی واقعات کی تفصیل میں روایتوں کی ضرورت ہوگی اور ہر وہ شخص جس کے ایمان کی بصیرت مفقود نہیں ہے اور انکار کی ظلمت میں مبتلا نہیں ہے' وہ اس حقیقت کو تسلیم کرلے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد نامے پڑھنے اور پڑھانے کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ہی میں قائم کردی ہے اور اسی بنا پر ہر زمانے میں مسلمان ان روایتوں کا ذکر جن کا تعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک سے ہے' کسی نہ کسی شکل میں کرتے چلے آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۝

آپ یہ فرمادیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے' نہ اس کو کسی نے جنا ہے اور نہ اس کا کوئی کفو' یعنی خاندان و قبیلہ اور ہم جنس ہے۔

اس مختصر سورۂ شریفہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی خاص صفت بیان فرمائی ہے جو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیے کہ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں نے اکثر اسی معاملے میں ٹھوکر کھائی ہے کہ اپنے نبی کے کمالات و معجزات و مافوق الفطرت واقعات دیکھ کر ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی شان مبارک میں غلو کیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک تصور کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ۔ یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔

قَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ۔ عیسائیوں نے کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔

اور یہ عقیدہ قائم کیا کہ

اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ۔ اللہ اور عیسیٰ اور مریم تینوں مل کر خدا ہیں۔

اللہ تین خداؤں میں تیسرا خدا ہے۔

اور جب کوئی امت اپنے نبی کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد عقائد اور اعمال کے فساد میں مبتلا ہو جاتی تھی تو پھر ان کی اصلاح کے لیے ایک دوسرا نبی بھیجا جاتا تھا' لیکن حضرت خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور اب اصلی و نقلی و فرضی و جعلی' ظلی و بروزی کسی قسم کا کوئی بھی نبی کبھی نہیں آسکتا ہے اور چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جامع کمالات ہیں' سارے انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات و معجزات آپ کی ذات مقدسہ میں جمع ہیں اور ان کے علاوہ بے انتہا و بے شمار کمالات آپ کی ذات بابرکات میں جمع ہیں' بلکہ حقیقت تو یہ ہے جیسا کہ حضرت علامہ بوصیری رحمتہ اللہ علیہ نے قصیدۂ بردہ میں فرمایا ہے۔

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهٖ
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمْ

"انبیاء و مرسلین علیہم السلام جو کمالات و معجزات لے کر تشریف لائے' وہ ان کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے ملے"۔

آپ کا وجود پاک سراپا کمالات و معجزات ہے۔ آپ کائنات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے مظہر کامل اور اللہ تعالیٰ اور اس کی کل مخلوقات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ حضرت علامہ بوصیری نے قصیدۂ بردہ میں فرمایا۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمْ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمْ

"عیسائیوں نے جو کچھ اپنے نبی کی شان میں کہا یعنی ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا تم اس کو چھوڑ دو یعنی ایسا نہ کہو۔ اس کے علاوہ تم حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں جتنے کمالات بیان کرنا چاہو بیان کرو"۔

حضرت سیدنا و مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے۔

مخواں او را خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں
دگر ہر وصف کس می خواہی اندر مدحش املا کن

"شریعت کے حکم اور دین کی حفاظت کے لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو۔ اس کے علاوہ دوسری جو صفت بھی ان کی تعریف میں بیان کرنا چاہتے ہو' کرو"۔

اس بناپر شدید خطرہ تھا کہ جبکہ جزئی کمالات کامشاہدہ کر کے گزشتہ امتیں غلو کر کے شرک میں مبتلا ہو گئیں تو کلی کمالات کامشاہدہ کرتے ہوئے یہ امت بھی جو خیر امت ہے اور جس کو قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینا ہے' شرک میں نہ مبتلا ہو جائے اور شرک ہی وہ گناہ عظیم ہے جس کی بخشش کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قطعی واضح طور پر فرمادیا ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

پھر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ (سورۂ نساء' رکوع ۷)

بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو نہ بخشے گا اور شرک کے علاوہ دوسرے تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس شرک کا دروازہ بند کرنے اور اس بہترین امت کو اپنے نبی کی شان مبارک میں غلو کر کے شرک میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کا ذکر فرمایا اور خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہ اہتمام فرمایا کہ آپ اپنے یوم ولادت دوشنبہ کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور اپنی مسجد شریف میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے منبر رکھوایا اور انہوں نے آپ کا میلاد نامہ بیان فرمایا۔ (مشکوۃ شریف)

اور یقیناً شرک سے محفوظ رہنے کا بہترین اور واحد طریقہ صرف اور صرف میلاد نامہ کا پڑھنا اور پڑھانا' سننا اور سنانا ہے اور یہ طریقہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تجویز کیا ہوا ہے۔

اس حقیقت کو بخوبی غور کر کے سمجھئے کہ پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اس صفت خاص پر مسلمانوں کے دلوں میں یقین پیدا کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایک ہے' بے نیاز ہے' نہ اس نے کسی کو جنا ہے' نہ اس کو کسی نے جنا ہے' نہ اس کا کوئی کفو خاندان و قبیلہ اور ہم جنس ہے۔ پھر اپنے محبوب نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد نامہ کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا' تاکہ اس عمل کے ذریعہ یہ علم و یقین تازہ ہوتا رہے کہ نور رب العالمین حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرد حضرت عبداللہ کے پشت مبارک اور ایک عورت حضرت آمنہ خاتون کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بنی ہاشم اور آپ کا قبیلہ قریش ہے' لہٰذا بے انتہا و بے شمار کمالات و معجزات اور غیر محدود فضائل و اختیارات کے باوجود نہ آپ خدا ہیں' نہ خدا کے بیٹے' نہ خدا کے کوئی رشتہ دار' نہ قبیلہ' نہ ہم جنس۔

اللہ تعالیٰ کے بالمقابل آپ کی حیثیت وہی ہے جو آپ نے خود بیان فرمائی ہے:

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ۔ (مشکوہ کتاب العلم)

حقیقت صرف یہ ہے کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

یعنی کسی بھی مخلوق کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے کوئی شے نہیں ملتی ہے' بلکہ ہر مخلوق کو خزانہ الٰہی سے جو شے بھی ملی اور ملتی ہے' وہ آپ کے واسطے اور وسیلہ سے ملی اور ملتی ہے۔ یہاں تک کہ سارے انبیائے کرام علیہم السلام کو نبوت اور کمالات معجزات بھی آپ ہی کے وسیلے سے عطا ہوئے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واسطہ اور وسیلہ ہیں۔

اور میرے علم و یقین کے مطابق یہی عقیدہ و تصور حضرات محدثین دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل و دماغ میں بھی مضبوطی سے قائم تھا۔ ان مقدس حضرات کے ایمان افروز و پاکیزہ اشعار پڑھ کر اور سن کر اپنا ایمان تازہ کیجئے۔

ختم المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَاِنْ جُرْتُمْ عَلَیَّ فَلِیْ غِیَاثٌ
بِبَابِ الْمُصْطَفٰی خَیْرِ الْاَنَامِ

"اے لوگو! اگر تم لوگوں نے میرے اوپر ظلم کیا تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دروازے کی صورت میں میرا فریاد رس موجود ہے جو ساری مخلوق سے افضل ہے"۔

اِلَیْہِ تَوَجُّھِیْ وَلَہٗ اِسْتِنَادِیْ
وَفِیْہِ مَطَامِعِیْ وَبِہٖ اِعْتِصَامِیْ

"انہیں کی طرف میری توجہ ہے اور انہیں پر میرا اعتماد ہے اور انہیں کی ذات پاک میری امیدوں کا مرکز ہے اور میں نے انہیں کا دامن تھاما ہے"۔

اَجِرْنِیْ سَیِّدِیْ مِنْ ضَیْمِ سَقَمٍ
اَشَدُّ عَلَیَّ مِنْ وَّقْعِ الْحُسَامِ

"اے میرے آقا! مصیبت کے ظلم سے مجھے نجات دیجئے جو مجھ پر تلوار سے زیادہ سخت ہے"۔

وَذِکْرُکَ سَیِّدِیْ حِرْزِیْ وَحِصْنِیْ
اُتِیْہِ بِہٖ عَلَی الْجَیْشِ اللُّھَامِ

"اور اے میرے آقا! آپ کا ذکر میری پناہ اور میرا قلعہ ہے۔ اسی سے میں بڑے بڑے لشکروں کو تباہ کروں گا"۔

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یَا کَاشِفَ الضَّرَّآءِ مِنْ مُّسْتَنْجِدٍ
یَا مُنْجِیًا فِی الْحَشْرِ مَنْ وَّالَاکَ

"اے فریادی کی مصیبتوں کو دور کرنے والے! اے اپنے سے محبت کرنے والے کو حشر میں نجات دینے والے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مُعْتَصِمُ الْمَکْرُوْبِ فِیْ کُلِّ غَمْرَۃٍ
وَمُنْتَجِعُ الْغُفْرَانِ مِنْ کُلِّ تَائِبٍ

"اور ہر مصیبت میں مصیبت زدوں کا سہارا اور ہر توبہ کرنے والے کی مغفرت چاہنے والے"۔

مَلَاذُ عِبَادِ اللّٰہِ مَلْجَاءُ خَوْفِھِمْ
اِذْ جَآءَ یَوْمٌ فِیْہِ شَیْبُ الذَّوَائِبِ

"اس دن جب ہر جوانی پر بڑھاپا آجائے گا یعنی روز قیامت اللہ کے بندوں کی جائے پناہ اور ان کے خوف و ہراس کے ملجا و ماویٰ ہیں"۔

حضرت مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیاؤ ہرچہ می خواہی تمنا کن

"اگر تو دنیا و آخرت کی خیریت چاہتا ہے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو اور جو کچھ چاہتا ہے مانگ"۔

بہ ہر صورت کہ باشد یارسول اللہ کرم فرما
بہ لطف خود سروسامان ایں بے سروساماں کن

"جس طرح بھی ہو یارسول اللہ کرم فرمائیے۔ اپنی مہربانی سے اس بے سروسامان کا سروسامان درست کیجئے"۔

بیا حقی مدہ تصدیق خدام جنابش را
کہ احوال تو معلوم است اظہارش مکن یا کن

"اے حقی! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے خادمین کو تکلیف نہ دے، کیونکہ تیرے حالات حضور کو معلوم ہیں تو انہیں ظاہر کرے یا نہ کرے"۔

اور سراج الامہ امام الائمہ سیدنا و مولانا حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے تصورات پر بھی یہی عقیدہ چھایا ہوا تھا۔ جیسا کہ فرمایا:

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى
جُدْلِيْ بِجُوْدِكَ مَا رَضِيَ بِرِضَاكَ

"اے جن و انس سے بزرگ و برتر! اور اے خزانہ کائنات! مجھے اپنی بخشش سے نوازیے اور مجھے اپنی رضامندی سے عطا فرمائیے"۔

اَنَا طَامِعٌ لِّلْجُوْدِكَ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ
لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْاَنَامِ سِوَاكَ

"میں آپ کی بخشش کا طالب ہوں، کیونکہ کائنات میں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا کوئی نہیں"۔

اور سیدنا حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی اسی عقیدے میں محو تھے، جبکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے خوش ہو کر فرمایا: کہ کچھ مانگو تو انہوں نے عرض کی:

اَسْئَالُكَ رِفَاقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ: میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (مشکوۃ باب السجود)

اور غلام اس عقیدے پر کامل یقین کے ساتھ کیوں نہ قائم ہوں، جبکہ آقائے کائنات خود ہی بلا شرط فرمائیں کہ کچھ مانگو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حاصل یہ ہے کہ شرک سے حفاظت کرنے والی واحد شے صرف اور صرف میلاد مبارک کا پڑھنا اور سننا ہے اور اس کے علاوہ شرک سے بچانے والی کوئی دوسری شے نہیں ہے۔ کوئی شخص جب میلاد پڑھتا ہے اور سنتا ہے تو وہ شرک سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا علماء کرام و مفتیان دین کا کام ہے کہ عبادت کے لیے محرک و معاون شے عبادت ہے، تو شرک سے محافظ شے کی حیثیت کیا ہے؟ عبادت ہے یا نہیں؟

تحسین فاطمہ قادری ریل بازار، کانپور

میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سرور کائنات ﷺ کے حسب نسب، صورت و سیرت، اخلاق و آداب کے بیان کا نام ہی میلاد شریف ہے اور اس کا جواز قرآن و حدیث سے ثابت ہے

دن منانا

قوموں کی تاریخ میں بعض دن اپنی اہمیت و عظمت کی وجہ سے یادگار حیثیت حاصل کر لیتے ہیں، پھر سال بہ سال ان ایام کو منایا جاتا ہے۔ ان ایام میں ہونے والے واقعات پر خوشی یا غم کا اظہار ہوتا ہے۔ ان واقعات سے جو بھی عبرتیں یا نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں، اگر ان پر غور و فکر کیا جائے تو ماضی سے مستقبل کے لیے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا دن کسی ایک قوم کے لیے تاریخی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ تمام انسانیت کے لیے یادگار دن ہے۔

کیونکہ آپ کا ظہور صرف قریش یا اہل عرب کے لیے نہ تھا، بلکہ تمام اقوام عالم کے لیے تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اور ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کی دعوت عالمگیر تھی، ارشاد الٰہی ہے:

نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب کو اپنے بندے پر نازل فرمایا، تاکہ تمام جہان والوں کیلئے خدا کا ڈر سنانے والے ہوں۔

کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے، حقیقت یہ ہے کہ تمام اقوام عالم کی گردنیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بار احسان سے جھکی ہوئی ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں عدل و احسان، صدق و صفا، رحم و کرم، ہمدردی، غمخواری، محبت و مودت، امن و آشتی، محنت و مشقت، ایثار و قربانی جیسے اوصاف کریمہ پائے جاتے ہیں، ان سب کا سلسلہ تعلیم محمدی سے ہی جا کر ملتا ہے۔

پس آج کا دن ایک یادگار دن ہے۔ ہم اسے قرآن و حدیث اور بزرگان دین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق منائیں گے۔

قرآن کا حکم

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔ اور اپنے رب کی نعمت بیان کرو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے۔

ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ پس آپ کا ذکر کرنا اور آپ کی یاد منانا حکم خداوندی ہے۔

حدیث شریف

خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بڑے اہتمام سے اپنے میلاد پاک کو بیان فرمایا:

"حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں کون ہوں۔ صحابہ بولے: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے بہتر لوگوں میں رکھا' پھر ان کے بھی دو حصے کیے مجھے اچھے حصہ میں رکھا' پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلہ میں رکھا' پھر ان کے خاندان بنائے اور مجھے اچھے خاندان سے کیا' لہٰذا میں ان سب لوگوں میں خاندان کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسب نسب' سیرت و صورت' اخلاق اور آداب کے بیان کا نام ہی "میلاد شریف" ہے۔ اسی چیز کو اہل سنت و جماعت' قرآن و حدیث کی روشنی میں پورے احترام و اہتمام سے منایا کرتے ہیں۔

نعت خوانی

برہان حلبی روح السیر میں رقمطراز ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن بھلائی کا ارادہ کرنے والوں' فرحت و مسرت کا اظہار کرنے والوں اور ان سے محبت کرنے والوں کو یہی کافی ہے کہ وہ نیک لوگوں' فقراء اور مساکین کو جمع کریں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں ان کو کھانا کھلائیں اور انہیں صدقہ کریں اور اس سے زائد اگر چاہیں تو ایسے اشعار پڑھیں جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نعت اور تعریف ہو۔ اچھے کاموں کی ترغیب ہو' دلوں کو بھلائیوں پر برانگیختہ کرتا ہو اور بدعتوں اور برائیوں سے روکتا ہو۔ (روح السیر)

میلاد پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکتیں

علامہ احمد بن قسطلانی فرماتے ہیں:

"میلاد شریف کی برکتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے منعقد کرنے والوں پر خدا کا فضل نازل ہوتا ہے۔ اس کی مجرب خاصیتوں میں سے یہ بھی ہے کہ یہ پورے سال تک امن کا باعث ہوتا ہے اور اس سے مرادیں جلد پوری ہوتی ہیں"۔ (مواہب لدنیہ' زرقانی)

حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی (کراچی)

فاتحہ وایصال ثواب

عبادت کی تین قسمیں ہیں: بدنی، مالی، مرکب۔
جس کا تعلق بدن سے ہو، جیسے تلاوت قرآن، تسبیح و تہلیل، دعاء واستغفار اور نماز و روزہ وغیرہ بدنی عبادت ہے۔
جس کا تعلق مال سے ہو، جیسے زکوٰۃ و صدقات اور خیرات وغیرہ وہ مالی عبادت کہلاتی ہے۔
اور جس کا تعلق دونوں سے ہو جیسے حج کہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر جسمانیت کے ساتھ حج کے ارکان بھی ادا کرنے پڑتے ہیں، اس کو مرکب عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
مسلمان ان عبادتوں میں سے اخلاص کے ساتھ جب کوئی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمان اپنی کسی عبادت کا ثواب کسی متوفی مسلمان کو پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ نہ تو ثواب پہنچتا ہے اور نہ اس سے مردوں کو کوئی نفع پہنچتا ہے۔ جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے اور اس سے مردوں کو نفع بھی پہنچتا ہے۔
اگرچہ معتزلہ تو نہیں رہے لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھر ایسے چند افراد پیدا ہو گئے ہیں جنھوں نے معتزلہ کی طرح ایصال ثواب کا انکار کرنا شروع کر دیا ہے، حالانکہ وہ قرآن و حدیث پر ایمان و عمل رکھنے کے مدعی ہیں۔ تعجب ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر ایمان و عمل رکھنے کے مدعی ہو کر ایصال ثواب اور اس کے مفید و نافع ہونے کے منکر کیسے ہو گئے ہیں، کیونکہ قرآن و حدیث پر ایمان و عمل کا دعویٰ اور ایصال ثواب کا انکار، یہ دونوں چیزیں تو ایسی ہیں جو کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایسے حضرات کو حسب ذیل دلائل میں گہری نظر سے غور کرنا چاہیے۔

بدنی عبادات

میت کے لیے دعاء واستغفار کرنا۔
(۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ۔ (ابوداؤد) دعاء عبادت ہے۔
(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (کنزالعمال) دعاء عبادت کا مغز ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ دعاء عبادت' بلکہ عبادت کا مغز ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (قرآن کریم' پ۲۸)

وہ جو ان کے بعد آئے وہ یوں دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے باایمان گزر چکے ہیں۔

غور فرمایئے! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس مبارک فعل کو بطور استحسان و تعریف بیان فرما رہا ہے کہ وہ بعد میں آنے والے مسلمان جہاں اپنے لیے دعائے بخشش کرتے ہیں وہاں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی دعائے بخشش کرتے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

جب ثابت ہو گیا کہ دعا عبادت ہے تو معلوم ہوا کہ زندوں کی عبادت یعنی دعا سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے' اگر یہ نہ مانا جائے تو پھر مسلمان کا اپنے متوفی بھائیوں کے لیے دعائے بخشش کرنا فضول اور لغو قرار پائے گا۔ اور پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ قرآن معاذ اللہ فضول اور لغو کاموں کو بطور تعریف و استحسان بیان کرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ زندہ مسلمان کا مردہ مسلمانوں کے لیے دعائے بخشش کرنا مردوں کے عفو و بخشش اور رفع درجات کا موجب ہے۔

(۴) چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ نُقِلَ غَيْرُ وَاحِدٍ الْاِجْمَاعُ عَلٰى اَنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ الْمَيِّتَ وَدَلِيْلُهٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (شرح الصدور' ص۱۲۷)

اور اس امر پر بہت سے علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ بے شک دعاء میت کو نفع دیتی ہے اور اس کی دلیل قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔

(۵) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر بھی بطور تعریف بیان فرماتا ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ (قرآن کریم)

اے ہمارے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنین کو بخش دے جس دن حساب قائم ہو۔

دیکھئے! ابراہیم علیہ السلام اپنے متوفی والدین اور مسلمانوں کے لیے بخشش کی دعا فرما رہے ہیں۔ دعا عبادت ہے تو معلوم ہوا کہ ان کی عبادت سے ان کے والدین اور مسلمانوں کو ضرور نفع ہو گا' ورنہ حضرت ابراہیم کا دعا کرنا فضول ٹھہرے گا۔ کیا یہاں یہ کہنا مناسب ہو گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر فضول کام کا مرتکب ہوا اور قرآن کریم نے فضول کام کا ذکر فرمایا؟ (معاذ اللہ)

(۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے ہیں اور اس کے ارد گرد ہیں' وہ ہماری تسبیح و تحمید کے ساتھ ساتھ

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (قرآن)

مومنوں کے لیے دعائے بخشش بھی کرتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی تسبیح و تحمید کے ساتھ ساتھ مومنوں کے لیے دعائے بخشش بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے دعائے بخشش مانگنے والے فرشتے ہیں اور اس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچے گا۔ اگر ان کی دعا کا کوئی فائدہ مسلمانوں کے حق میں مرتب نہ ہو تو ان کا مسلمانوں کے حق میں دعا کرنا بیکار ہو گا اور فرشتے معصوم اور مامور من اللہ ہوتے ہیں' ان کا کوئی کام بیکار اور